مَعارفُ القُرآن

تالیف

حضرت مولانا محمد مالک کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

ابن

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا الحافظ محمد ادریس صاحب کاندھلوی

رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور

جلد دوم مشتمل بر تفسیر پارہ ۴ ۵ ۶ ۷

با ترجمہ حقیقت آگاہ معارف پناہ عارف باللہ حضرت شاہ عبدالقادر بن حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس اللہ سرہما

شائع کردہ

مکتبۃ المعارف

دار العلوم الحسینیہ شہداد پور

سندھ، پاکستان

باجازت: مکتبہ عثمانیہ بیت الحمد ۲۵۳ مہران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

www.ahlehaq.org

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال اللہ تعالیٰ اِنَّ علینا جمعہٗ وقرانہٗ فاذا قرأناہ فاتبع قرانہٗ ثم اِنّ علینا بیانہٗ

الحمد للہ ولہ المنۃ کہ دریں زمان میمنت اقتران تفسیر سراپا تنویر گنجینۂ حقائق ومعارف و
خزینۂ اسرار ولطائف کشافِ مشکلاتِ قرآنیہ ووصافِ مخدراتِ فرقانیہ

مسمّٰی بہ

معارفُ القرآن

تالیف

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا الحافظ محمد ادریس صاحب کاندھلوی

رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور

جلد دوم مشتمل بر تفسیر پارہ ④ ⑤ ⑥ ⑦

بہ ترجمہ حقیقت آگاہ معارف پناہ عارف باللہ حضرت شاہ عبد القادر بن شاہ ولی اللہ دہلوی قدس اللہ اسرارہما

شائع کردہ

مکتبۃ المعارف

دار العلوم الحسینیہ شہداد پور

سندھ، پاکستان

باجازت: مکتبہ عثمانیہ بیت الحمد ۳۵۳ مہران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

www.ahlehaq.org

نام کتاب :- معارف القرآن جلد ۲
نام مصنف :- حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ
مکمل سیٹ :- ۸ جلد
صفحات جلد ۲ ۷۶۸
کتابت متن قرآن کریم : خطاط القرآن حضرت سید محمد اشرف علی الحسینی سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ
کتابت سرورق :- سید انیس الحسن ابن سید الخطاطین سید نفیس الحسینی دامت برکاتہم العالیہ لاہور
کتابت ترجمہ و تفسیر :- سید عصمت اللہ، سید جعفر حسین، سید ضیاء اللہ گوجرانوالہ
تعداد طبع اول :- سنہ ۱۴۱۹ھ ۱۱۰۰ (گیارہ سو)
تعداد طبع دوم :- سنہ ۱۴۲۲ھ
پریس : القادر پرنٹنگ پریس کراچی
ناشر :- مکتبہ المعارف دارالعلوم حسینیہ شہداد پور سندھ پاکستان
فون ۴۲۲۷۶ - ۴۱۳۷۶ (۰۲۲۳۲)

ملنے کے پتے

کراچی :- صدیقی ٹرسٹ، صدیقی ہاؤس۔ المنظر اپارٹمنٹس ۴۵۸ گارڈن ایسٹ
نزد لسبیلہ چوک کراچی۔ پوسٹ کوڈ نمبر ۷۴۸۰۰
لاہور :- مکتبہ عثمانیہ بیت الحمد ۳۵۳ مہران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور
شہداد پور :- مکتبہ المعارف دارالعلوم حسینیہ شہداد پور ضلع سانگھڑ سندھ پاکستان پوسٹ کوڈ ۶۸۰۳۰

اہم نوٹ

ہم نے اس کتاب کی تصحیح میں حتی الوسع کوشش کی ہے پھر بھی ممکن ہے کوئی غلطی رہ گئی ہو۔ لہٰذا تمام قارئین سے التماس ہے کہ اگر کہیں غلطی پاویں تو براہِ راست ہمیں اطلاع دیں تاکہ آئندہ اشاعت میں اسے درست کیا جا سکے، اللہ تعالیٰ اس کا اجر آپ کو عطا فرمائیں گے۔

خط و کتابت کیلئے :- مکتبہ المعارف دارالعلوم حسینیہ شہداد پور پوسٹ کوڈ ۶۸۰۳۰

www.ahlehaq.org

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اجازت نامہ

برائے اشاعت معارف القرآن ، بنام مکتبۃ المعارف شہداد پور

قرآن پاک معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی صاحبؒ جو کہ دارالعلوم الحسینیہ [illegible]
شہداد پور والے حضرات نے خود دوبارہ لکھوایا ہے اور چھپایا ہے۔

ہماری طرف سے اجازت ہے۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں کہ وہ اسکو
چھپوائیں اور فروخت کریں۔

[illegible]

27/1/99

www.ahlehaq.org

فہرست مضامین معارف القرآن جلد دوم

پارہ نمبر ۴، ۵، ۶، ۷

سورۂ آل عمران۔ نساء۔ مائدہ۔ انعام

مضمون	صفحہ
پارہ ۴ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ	
ترغیب انفاق مال درراہ خداوند ذوالجلال	۱
رجوع بخطاب اہل کتاب	۳
یہود کے دو شبہے اور ان کا جواب	″
پہلے شبہے کا جواب	۴
دوسرے شبہ کا جواب بذکر فضائل بیت حرام	۷
خانہ کعبہ کی فضیلت بمقابلہ بیت المقدس	۹
اول فضیلت	″
دوسری، تیسری، چوتھی فضیلت	۱۰
پانچویں، چھٹی اور ساتویں فضیلت	۱۱
لطائف ومعارف	″
اسرارِ قبلہ (حضرت نانوتویؒ کی ایک تحریر کا خلاصہ)	۱۲
خانہ کعبہ عرش کی محاذات میں ہے	۱۴
مساجد خانہ کعبہ کی محاذات میں ہیں۔	۱۵
تعمیر بیت المقدس	۱۶
مسلمانوں پر بت پرستی کا الزام اور جواب	۱۷
ملامت اہلِ کتاب بر کفر واغواء۔	۱۹
مسلمانوں کو اہلِ کتاب کے دھوکہ میں نہ آنے کی نصیحت	۲۱
یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِیْعُوْا الخ کا شانِ نزول	″
مسلمانوں کو تقویٰ اور اتباعِ شریعت پر متفق رہنے کی تاکید اکید اور پچھلی امتوں کی طرح افتراق واختلاف سے ممانعت	۲۴
ایک شبہ اور اس کا ازالہ	۲۷
لطائف ومعارف	۲۸
بیانِ خیریت امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الف الف صلوٰۃ وتحیہ	۳۳
فائدہ (امت قائمہ کے اوصاف یہود کے متضاد تھے)	۳۶
کفار کے نفقات اور صدقات کی مثال	۳۷
تحذیرِ مومنین از اختصاص وارتباط با دشمنانِ دین	۳۹
تنبیہ	۴۱
قصۂ احد	۴۲
فائدۂ جلیلہ (مِنْ اَهْلِكَ میں اہل سے مراد)	۴۳
تذکیر بقصۂ بدر برائے اظہارِ تاثیر توکل وتقویٰ وصبر	۴۴
رجوع بقصۂ اُحد	۴۶
ترہیب وتحذیر از نارِ آخرت وترغیب بہ اعمال جنت	۴۹
وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ الخ حکایت	۵۳
رجوع بسوئے قصہ وتسلیہ اہلِ اسلام بہ گونہ گوں	۵۶

www.ahlehaq.org

مضمون	صفحہ
فوائد ولطائف	٦٠
ذکر استقلال مجاہدینِ امم سابقہ	٦٣
ترہیب مومنین از قبولِ مشورۂ کفار ومنافقین	٦٧
ممانعت از مشابہتِ کفار	٧٣
خطاب خداوندِ عالم بسوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم برائے عفوِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم۔	٧٦
مشورہ کی حقیقت۔ مشورہ کے فوائد	٧٩
اہلیت مشورہ۔ یعنی کون لوگ مشورہ کے اہل ہیں۔	٨١
بیان نزاہت منصب نبوت از شائبۂ ووا ہمۂ خیانت	٨٤
ازالۂ حسرتِ ہزیمت از دوستاں وجواب شبہ دشمناں	٨٨
بیان اعزاز واکرام شہداء احد در بارگاہ خداوندِ احد	٩١
قصہ غزوۂ حمراء الاسد	٩٤
آیت کے شانِ نزول کے متعلق علماء کے دو قول	٩٥
لطائف ومعارف	٩٩
دشمنانِ اسلام کی سرگرمیوں کی بابت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی۔	١٠١
دشمنان اسلام کے چند مزعومات اور خیالات اور انکے جوابات	١٠٣
ایک اور خیالِ باطل کا ابطال	١٠٤
مذمت بخل۔	١٠٥
بیان شنائع یہود وتعلیم صبر بمسلمانان۔ شان نزول	١٠٨
یہود کا ایک افتراء اور اسکی تردید	١١١
نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کی تسلی	١١٢
وعید برائے مکذبین ووعد برائے مصدقین	״
کافروں کی تکذیب اور بیہودہ دراتیوں پر مسلمانوں کو صبر کی تعلیم	١١٣
مذمت اہلِ کتاب بر کتمانِ حق	״
مذمت خود پسندی ومدح خواہی	١١٤

مضمون	صفحہ
دلائل الوہیت ووحدانیت وکمال قدرت وحکمت و بیان حالِ دانشمنداں ودعاہائے گوناگونِ ایشاں۔	١١٨
بشارت قبولیت دعاء۔ ایک شبہ اور اس کا ازالہ	١٢١
مدح مومنین اہلِ کتاب۔	١٢٢
خاتمۂ سورۃ اور ایک جامع مانع نصیحت	١٢٣
تفسیر سورۂ نساء	١٢٥
گذشتہ سورت سے ربط	١٢٧
تمہید احکام سورت دربارۂ ادائے حقوقِ قرابت وحکمِ تقویٰ واطاعت ربانی وتذکیر اتحاد انسانی	״
حکم اول: دربارۂ اموالِ یتامیٰ۔ شانِ نزول	١٢٩
حکم دوم: دربارۂ نکاحِ یتامیٰ۔	١٣٠
ایک شبہ اور اس کا ازالہ	١٣٢
مسئلۂ تعددِ ازواج	١٣٣
حکایت	١٣٦
ایک عورت کیلئے متعدد خاوند ہونیکی ممانعت کی وجہ	١٣٧
حضرت نانوتوی رح کا کلام معرفت التیام	١٣٨
حکم سوم: دربارۂ تسلیم مہر	١٤١
حکم چہارم وپنجم: دربارۂ تفویض اموال بسوئے مبذرین ومسرفین وحفظِ اموالِ یتامیٰ۔	١٤٢
حکم ششم: دربارہ حقوقِ ورثہ وترکہ	١٤٥
حکم ہفتم: مراعات غیر مستحقینِ میراث بوقت تقسیم ترکہ	١٤٦
قانونِ میراث یعنی تفصیل حصصِ میراث	١٥١
حصۂ اولاد۔	١٥٢
شانِ نزول۔	״

www.ahlehaq.org

مضمون	صفحہ
مسئلہ میراث انبیاء کرام علیہم السلام وتحقیق مطالبۂ میراث فاطمۃ الزہراء رضہ وجواب صدیق اکبر رضہ	۱۵۸
حکم ہشتم: دربارۂ تادیب زانیہ	۱۶۳
حکم نہم: دربیان شرائط قبول توبہ	۱۶۵
فوائد ولطائف	۱۶۶
حکم دہم: ممانعت ظلم بر نسواں	۱۶۸
حکم یازدہم: تفصیل محرمات	۱۷۳
قسم اول۔ محرمات نسبیہ۔ قسم دوم محرمات رضاعیہ	۱۷۴
قسم سوم محرمات صہریہ۔	۱۷۵
آغاز پارۂ پنجم وَالْمُحْصَنٰتُ	۱۷۷
قسم چہارم شوہر والی عورتیں	〃
شان نزول	۱۷۸
بیان شرائط نکاح	۱۷۹
لطائف ومعارف۔ وتحقیق مسئلہ تحریم متعہ وتفسیر آیت فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ الخ	۱۸۰
ابتداء اسلام میں کس قسم کا متعہ جائز تھا	۱۸۲
دلائل تحریم متعہ۔ دلیل اول	۱۸۵
دلیل دوم۔ دلیل سوم	۱۸۶
دلیل چہارم۔	۱۸۷
دلیل پنجم۔ حرمت متعہ کی ایک وجدانی دلیل	۱۸۸
تحقیق مذہب ابن عباس رضہ دربارۂ متعہ	〃
سبب عدم اطلاع ابن عباس رضہ بتحریم متعہ	〃
حکم دوازدہم: متعلق بنکاح کنیزاں	۱۹۲
ذکر الطاف خداوندی بہ اہل اسلام	۱۹۵

مضمون	صفحہ
حکم سیزدھم: دربارۂ اتلاف اموال ونفس	۱۹۷
حکم چہاردھم: ممانعت از رشک بر تفوق دیگراں	۲۰۱
حکم پانزدھم: بابت میراث حلیف	۲۰۳
حکم شانزدھم: بابت معاشرۂ زوجین یعنی اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ الخ کی تفسیر اور مرد کی عورت پر برتری اور حاکمیت کی تحقیق۔	۲۰۵
حکم ہفدہم: حسن معاملہ باخالق وخلق یعنی وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا۔ کی تفسیر	۲۱۱
حکم ہشتدھم: متعلق بہ صلوٰۃ وطہارت	۲۱۴
ذکر بعض قبائح یہود	۲۱۹
اہل کتاب کو نصیحت اور ایمان کی دعوت	۲۲۳
عدم مغفرت شرک وکفر	۲۲۵
لطائف ومعارف۔ گذشتہ آیت کی تفسیر اور عدم مغفرت کفر وشرک کے اسرار وحکم اور حضرت مجدد الف ثانی رح کا کلام معرفت التیام۔	۲۲۶
یہود کے دعوائے تقدس کی تردید	۲۲۹
مذمت یہود بر عداوت اسلام وحسد بر مسلمین	۲۳۱
مذمت یہود بر بخل وحسد	۲۳۳
حکم نوزدھم: ادائے امانت واقامت عدل	۲۳۶
لطائف ومعارف	۲۳۸
امانت کی حقیقت اور آیت کا شان نزول	〃
اصول دین اور ادلۂ شرعیہ کا بیان اور امام رازی رح کی تحقیق۔	۲۴۱
مذمت منافقین بر انحراف از فیصلۂ شریعت	۲۴۷
شرائط ایمان یعنی اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ کی تفسیر۔	۲۵۱
وعدۂ معیت اہل انعام بر اطاعت احکام۔	۲۵۲

مضمون	صفحہ
نبوت، صدیقیت، شہادت اور صلاح کی تحقیق	۲۵۴
حکم بستم: وجوب جہاد برائے احیاء دین و تخلیص ضعفاء و مظلومین۔	۲۶۰
شکایت دوستاں بر تمنائے التوائے حکم جہاد	۲۶۳
منافقین کے ایک خیالِ خام کی تردید	۲۶۴
بیان حقیقت حالِ منافقین	۲۶۷
اثبات رسالت محمدیہ باعجاز قرآن	〃
استنباط کی حقیقت	۲۶۹
حکم بست و یکم: ترغیب در شفاعت حسنہ و ترہیب از شفاعت سیئہ۔	۲۷۱
حکم بست و دوم: بابت تحیۂ اسلام و تعلیم جواب سلام	۲۷۲
تاکید وعید	۲۷۳
حکم بست و سوم: متعلق بمعاملۂ منافقین	۲۷۶
حکم بست و چہارم: متعلق بہ قتل خطاء	۲۸۰
تتمۂ حکم سابق تہدید شدید و وعید اکید بر قتل عمد مومن را	۲۸۵
حکم بست و پنجم: وجوب احتیاط در قتل مسلم	۲۸۸
فضائل مجاہدین	۲۸۹
حکم بست و ششم: وجوب ہجرت۔ شانِ نزول	۲۹۱
ترغیب ہجرت	۲۹۳
حکم بست و ہفتم: متعلق بہ صلوٰۃ سفر و صلوٰۃ خوف	۲۹۶
حکم بست و ہشتم: ممانعت از حمایت اہلِ خیانت	۳۰۴
حجیت اجماع امت	۳۰۸
شرک اور اہل شرک کی مذمت اور رسوم جاہلیت کا ابطال	۳۱۱
رجوع بسوئے احکام نساء و ولدان	۳۱۹
بیان بعض احکام متعلقہ بمعاشرۃ زوجین	۳۲۳
حکم بست و نہم: اقامت عدل و اداء شہادت حق	۳۲۶

مضمون	صفحہ
بیان ارکانِ خمسۂ ایمان یعنی اصول ایمان کا بیان	۳۲۸
ذمِ مرتدین	۳۳۰
ذمائم منافقین	۳۳۱
عزت کی تعریف	۳۳۲
جس جگہ احکام خداوندی کیساتھ تمسخر کیا جاتا ہو وہاں بیٹھنے کی ممانعت۔	۳۳۴
تتمۂ ذمائم منافقین	۳۳۸
ممانعت از موالات کفار	۳۴۰
خطاب بسوئے منافقین	۳۴۲
پارہ ۶ لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ	۳۴۳
حکم سی ام: جواز شکایت ظالم برائے مظلوم و فضیلتِ عفو	۳۴۳
اہلِ کتاب کی اعتقادی و عملی قباحتوں اور شرارتوں کا ذکر	۳۴۷
تفریق فی الایمان	〃
بیان دیگر، ذمائم اہل کتاب	۳۵۰
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مقتول اور مصلوب ہونے کی تردید	۳۵۴
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا عروج آسمانی و رفع جسمانی	۳۵۵
نزولِ عیسیٰ علیہ السلام	۳۵۷
وَإِنْ مِّنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ الخ میں اقوالِ مفسرین	۳۵۹
ترجیح ارجح۔ تطبیق و توفیق	۳۶۲
تتمۂ ذمائم یہود	۳۶۵
لطائف و معارف	۳۶۶
عقیدۂ قتل و صلب کا ابطال	۳۶۷
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ وعدۂ خداوندی۔	۳۶۹

www.ahlehaq.org

مضمون	صفحہ
حضرت مسیحؑ کی پیشین گوئی ۔ حضرت مسیح کی دعاء	۳۷۰
فرشتہ کا حضرت مسیحؑ کی مدد کے لئے نمودار ہونا	۳۷۲
حضرت مسیحؑ کا لوگوں کی نظر سے پوشیدہ ہونا	〃
دعوائے صلب وقتل خلاف عقل بھی ہے	۳۷۳
تواتر اور شہرت میں فرق	〃
اسی مضمون کی ایک دوسری آیت ۔ لطیفہ	〃
خلاصۂ کلام ۔ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ	۳۷۴
آیت بالا کی تفسیرِ دیگر	۳۷۵
مسیلمۂ قادیان کا ہذیان	۳۷۹
شک اور اختلاف کے متعلق حضرت مسیحؑ کی پیشین گوئی	۳۸۱
ایک شبہ	۳۸۳
مرزائے قادیان کا ہذیان	۳۸۴
نزولِ عیسیٰ علیہ السلام کی حکمت	۳۸۵
عقیدۂ قتل وصلب میں یہود و نصاریٰ کا فرق	۳۸۶
آیت نساء اور آیت آلِ عمران کے سیاق میں فرق	〃
حیات عیسیٰ و نزولِ عیسیٰ علیہ السلام مسلمانوں کا اجماعی عقیدہ ہے ۔	۳۸۸
جواب از شبہ اہلِ کتاب	۳۹۰
خطاب عام برائے قبول دعوت حق	۳۹۴
خطاب خاص باہلِ کتاب باعتاب نصیحت مآب	۳۹۷
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے چار اوصاف	۳۹۹
نصاریٰ کا ایک شبہ اور اس کا جواب	۴۰۱
خاتمۂ کلام بر خطاب عام	۴۰۲
ابطال الوہیت عیسیٰ علیہ السلام	۴۰۳
نصاریٰ کے چند شبہات اور ان کے جوابات	۴۰۵
عقیدۂ ابنیت ۔	۴۰۷
عقیدۂ تثلیث (ثالوث)	۴۰۸
ابطالِ تثلیث	۴۱۰
ذکرِ عقیدۂ امانت سراپا خیانت	۴۱۲
متن عقیدۂ امانت سراپا خیانت	۴۱۴
کشف حقیقت از عقیدۂ امانت سراپا خیانت	۴۱۵
خاتمۂ کلام بر معذرت و استدعاء دعاء مغفرت	۴۲۰

تفسیر سورۂ مائدہ

مضمون	صفحہ
سورۂ مائدہ کی وجہ تسمیہ	۴۲۴
پچھلی سورۃ کے ساتھ ربط	〃
تاکید اکید دربارۂ ایفائے عقود وعہود خواہ متعلق	۴۲۵
بحقوق عباد باشند یا بحقوق معبود ۔	〃
تفصیل بعد از اجمال یعنی عقود وعہود کی تفصیل	۴۲۶
عقدِ اول ۔ تحلیلِ بہیمۃ الانعام	〃
حکم دوم ۔ شعائر دین	۴۲۸
حکم سوم ۔ تفصیلِ محرمات	۴۳۰
نکتہ (ما اُہل بہ لغیر اللہ اور ماذبح علی النصب کا فرق)	۴۳۳
حکم چہارم ۔ تاکید تمسک بشرائع اسلام مع بشارتِ اکمال دین و اتمام انعام ۔	۴۳۴
فوائد ولطائف ۔ اِکمال دین ، اِتمام نعمت کی تفسیر	۴۳۶
کیا اسلام مانع ترقی ہے ۔	۴۳۸
تتمۂ حکم سوم ، حکم پنجم ۔ متعلق بہ شکار	۴۴۰
حکم ششم متعلق بذبیحۂ اہلِ کتاب	۴۴۲
حکم ہفتم ۔ متعلق بہ نکاح کتابیات ۔	۴۴۴
مسائل و احکام ۔	۴۴۶

www.ahlehaq.org

مضمون	صفحہ
کتابیہ عورت سے نکاح جائز ہونے کی شرط اور حکمت	۴۴۶
حکم ہشتم، ونہم، ودہم فرضیتِ وضو و فرضتِ غسل، و مشروعیتِ تیمم -	۴۴۹
فرضیتِ وضو کی تفصیل-	″
تحقیق اختلافِ قرأت در لفظ اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ - غسلِ قدمین کی تحقیق -	۴۵۱
فرضیتِ غسل -	۴۵۷
مشروعیت تیمم	۴۵۸
تذکیر انعام و عہد خداوندِ انام	۴۵۹
حکم یازدہم - وجوب عدل و انصاف و ادا رشہادت حق	۴۶۱
تذکیر بعض انعامات خاصۂ دنیویہ	۴۶۲
ذکر عہود امم سابقہ و بدعہدی اوشاں و نتیجۂ آں	۴۶۴
خطاب نصیحت مآب بسوئے جمیع اہلِ کتاب برائے تصدیق رسالت محمدیہ علی صاحبہا الف الف صلوٰۃ والف الف تحیۃ -	۴۶۸
ابطال عقیدۂ الوہیت عیسیٰ علیہ السلام	۴۷۰
ابطالِ دعوائے اہل کتاب دربارۂ قرب و اختصاصِ خداوندی -	۴۷۳
اظہار نعمت و اتمام حجت بہ بعثت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم	۴۷۴
قصۂ بدعہدی و بزدلی بنی اسرائیل دربارۂ جہاد	۴۷۷
قصۂ ہابیل و قابیل	۴۸۲
تمہید مشروعیت حدود و تعزیرات بنا بر ظہور ایں چنیں جنایات -	۴۸۷
حکم دوازدہم - حد قطع طریق	۴۸۹
خطاب بہ اہلِ ایمان	۴۹۱
حکم سیزدہم - حدِ سرقہ	۴۹۳
لطائف و معارف (قطع ید پر ملحدین کا اعتراض و جواب)	۴۹۴
حکایت	۴۹۵
اثبات ملکیت و مشیت و قدرت برائے باری تعالےٰ	۴۹۶
تسلیہ رسول کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم و ذکر خیانت یہود در حکم زنا کہ در توریت مذکور بود-	۴۹۸
شانِ نزول -	″
ذکر خیانت یہود دربارۂ حکمِ قصاص	۵۰۴
لطائف و معارف - ذکر تحریف در توریت و انجیل	۵۰۵
آیت وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ سے خوارج کا استدلال اور اس کا جواب -	″
خطاب بہ نصاریٰ	۵۰۸
ذکر قرآن مجید	۵۱۱
شانِ نزول	۵۱۲
فائدہ (دین - شریعت - منہاج کا فرق -)	۵۱۳
حکم چہاردہم - ممانعت از موالات یہود و نصاریٰ و ذمِ منافقین -	۵۱۷
آیت کا شانِ نزول	۵۱۸
فتنۂ ارتداد اور غلبۂ اسلام کی پیشین گوئی -	۵۲۱
فتنۂ ارتداد کے انسداد کی تدبیر	″
لطائف و معارف - یعنی آیت درباره فتنۂ ارتداد اور آیت ولایت کے متعلق تفصیل -	۵۲۵
مختصر بیان کیفیت واقعۂ ارتداد -	″
فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ الخ (یعنی مرتدین سے جہاد و قتال کرنے والوں کی صفات)	۵۲۹
آیت ولایت یعنی اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ	۵۳۱

مضمون	صفحہ
وَرَسُوْلُهٗ کی صحیح تفسیر اور حضرات شیعہ کی تفسیر اوراس کا جواب۔	۵۳۱
ارتداد کی تعریف	۵۳۴
قتلِ مرتد پر مدعیان تہذیب کا اعتراض اوراس کا جواب۔	۵۳۶
مارشل لاء حکومت کے مرتدین کے لیئے ہے۔	〃
ذکر احادیث دربارۂ قتلِ مرتدین۔	۵۳۷
خلفائے راشدین اور قتل مرتدین	۵۳۹
کیا قتل مرتد کے لیئے محاربہ اور سلطنت کا مقابلہ شرط ہے۔	〃
اعادۂ حکم سابق بعنوان دیگر۔	۵۴۲
بارگاہِ خداوندی میں یہود کی گستاخی کا ذکر اور اسکا رد	۵۴۶
ترغیب اہلِ کتاب بایمان برنبی آخر الزمان وذکر برکات ایمان	۵۴۹
ازالۂ خوف ودہشت ووعدۂ حفاظت دربارۂ تبلیغ ودعوت۔	۵۵۱
ذکر آیت اولی الامر (شیعوں کا قول کہ آیت میں تبلیغ سے حضرت علی رضؓ کی خلافت بلافصل مراد ہے)۔	۵۵۲
ابطال باطل مشتمل بر ابطال شنائع اہل کتاب وقانونِ نجات۔	۵۵۴
رجوع بسوئے ذکر یہود	۵۵۷
رجوع بذکر نصاری وابطال عقیدۂ الوہیتِ عیسیٰ علیہ السلام بدلائل عقلیہ ونقلیہ۔	۵۵۸
ابطالِ عقیدۂ تثلیث۔	۵۶۲
دلائل ابطالِ الوہیت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام	۵۶۴
دلیل دیگر برابطال الوہیت مسیحؑ مع توضیح۔	۵۶۶
علماء فرنگ کا ایک عذر لنگ اور تحقیق وتجہیل سے بچنے کے لیئے ایک عجیب وغریب "تاویل	۵۶۷

مضمون	صفحہ
تنبیہ اہل کتاب برسبب گمراہی ایشاں وممانعت ازاتباع گمراہان پیشیناں۔	۵۷۰
ذکر یہود حاضرین۔	۵۷۱
پارۂ ہفتم کا آغاز وَاِذَا سَمِعُوْا	
حکایت حال اسلام طائفۂ نصرانیان گوشہ نشیناں وبیان کیفیت وجد ایشاں بوقت سماع قرآن۔	۵۷۴
شانِ نزول۔	۵۷۵
حکم پانزدہم۔ ممانعت از رہبانیت۔ شانِ نزول۔	۵۷۷
حکم شانزدہم۔ متعلق بہ قسم۔	۵۷۹
حکم ہفدہم۔ تحریم خمرو قمار۔	۵۸۱
لطائف ومعارف	۵۸۳
حکم بامتثال جمیع احکام	۵۸۵
عدم تاثیم براستعمال خمرو میسر قبل از تحریم۔	〃
حکم ہشتدہم۔ متعلق بہ شکار درحالت احرام۔	۵۸۸
تتمہ حکم سابق	۵۹۰
ممانعت ازسوالات غیر ضروریہ	۵۹۲
حکم نوزدہم۔ ابطال بعض رسوم شرکیہ واقوال کفریہ	۵۹۴
حکم بستم۔ متعلق بحفاظت دین خود	۵۹۶
حکم بست ویکم۔ متعلق بہ وصیت وشہادت۔	۵۹۸
شانِ نزول۔	〃
خاتمۂ سورت بر تذکیر آخرت وذکر انعامات واحسانات خداوندانام برعیسیٰ علیہ السلام برائے اثبات عبدیت واثبات رسالت۔	۶۰۲
قصۂ نزول مائدہ۔	۶۰۸

www.ahlehaq.org

مضمون	صفحہ
ذکر مخاطبتِ رب العزت با عیسیٰ علیہ السلام در یوم قیامت برائے تنبیہ نصاریٰ حیاریٰ بر بطلان عقیدۂ الوہیت۔	۶۱۲
عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے جواب باصواب۔	۶۱۴
نتیجۂ مخاطبات و محاسبات مذکورہ	۶۱۷
لطائف و معارف	۶۱۸
ایک شبہ اور ازالہ۔	۶۲۲
تفسیر سورۃ الانعام	۶۲۴
سورۃ انعام کی فضیلت و خصوصیت	۶۲۴
تحمید بر خالقیت و اثبات وحدانیت و ابطال مجوسیت	۶۲۶
دلیل دیگر بر وجود صانع	۶۲۷
اثبات علم باری تعالےٰ	۶۲۸
وعید و تہدید بر اعراض و تکذیب	۶۲۹
ازالۂ شبہات منکرین نبوت	۶۳۱
اثبات توحید	۶۳۵
اثبات توحید و رسالت	۶۳۹
بیان انجام حال مجادلین و معاندین	۶۴۳
تسلّی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم و تلقین صبر	۶۴۸
اثبات توحید	۶۵۲
بیان تباہی و بربادی مکذبین رسالت و منکرین قیامت	۶۵۵
حکم اعزاز و اکرام درویشان اسلام بتقدیم سلام و تبشیرِ ایشاں برحمتِ خداوندا نام۔	۶۵۹
بت پرستی کی مذمت و ممانعت اور خدا پرستی کی حقانیت اور دعوت۔	۶۶۴
دلائل کمالِ قدرت	۶۶۶

مضمون	صفحہ
نوعِ دیگر از دلائل کمالِ قدرت و کمالِ حکمت	۶۶۹
ابطالِ شرک و اثبات توحید و حشر۔	۶۷۴
ابراہیم علیہ السلام کا بت پرستوں اور ستارہ پرستوں سے مناظرہ اور دلائل۔	۶۷۹
حکایت (نمرود بڑا کریہ المنظر تھا)	۶۸۶
تتمۂ قصۂ مذکورہ	״
لطائف و معارف جسمیں یہ واضح کیا گیا ہے کہ یہ تمام تر یا جبرا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قوم سے مناظرہ تھا معاذاللہ انکی ذاتی نظر و فکر نہ تھی۔	۶۹۰
نکتہ (ہدایت دینا نبی کے ہاتھ میں نہیں)	۶۹۲
منکرین نبوت کی تہدید و تردید	۶۹۴
مدعیانِ نبوت کی تہدید	۶۹۸
ذکر مظاہر قدرت و عجائب صنعت برائے اثبات الوہیت و وحدانیت جو پانچ دلیلوں پر مشتمل ہے۔	۷۰۱
ابطالِ شرک و تشنیع اہل شرک۔	۷۰۵
ابطالِ عقیدۂ ابنیت۔	۷۰۸
تحقیق مسلک اہل سنت والجماعت دربارۂ دیدارِ خداوندی در جنت اور منکرین رؤیت یعنی معتزلہ کی تردید۔	۷۰۹
اتمام حجت بر منکرین نبوت۔	۷۱۳
کفار کے دوسرے شبہ کا جواب۔	۷۱۶

تمت بالخیر

کتابت ع۔م شہداد پور

www.ahlehaq.org

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۬ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا

ہرگز نہ پہنچ گے، نیکی کی حد کو جب تک نہ خرچ کرو کچھ ایک، جس سے محبت رکھتے ہو۔ اور جو چیز خرچ

مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیْمٌ ﴿۹۲﴾

کرو گے سو اللہ کو معلوم ہے۔

ترغیبِ انفاقِ مال در راہِ خداوندِ ذو الجلال

قال تعالےٰ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ ..... الیٰ ..... فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیْمٌ ہ

(ربط) گزشتہ آیت میں یہ بتلایا کہ اگر قیامت کے دن کفار اپنی رہائی کے لیے روئے زمین کے برابر بھی سونا خرچ کریں تو ذرا برابر مفید نہ ہوگا اب اس آیت میں مسلمانوں کو خدا کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دیتے ہیں کہ اے مسلمانو تم خدا کی راہ میں کتنی ہی معمولی چیز کیوں نہ خرچ کرو وہ تمہارے لیئے نافع اور مفید ہوگی مگر اتنا خیال رکھنا کہ جو چیز تمہارے نزدیک زیادہ محبوب اور مرغوب ہو اگر اس کو خدا کی راہ میں خرچ کرو گے تو تم اَبرار اور اخیار میں سے ہو جاؤ گے اور اگر کوئی معمولی چیز بھی خدا کی راہ میں دوگے تو اجر اور ثواب تو اس کا بھی ضرور ملے گا لیکن درجہ ان ابرار کا حاصل نہ ہوگا۔ جن کے متعلق حق تعالےٰ کا یہ وعدہ ہے۔ اِنَّ الْاَبْرَارَ یَشْرَبُوْنَ مِنْ کَاْسٍ کَانَ مِزَاجُھَا کَافُوْرًا الاٰیۃ اس لیے کہ ابرار کا درجہ محبوب چیز کے خرچ کرنے سے حاصل ہوتا ہے نیز بخل کی عادت کے زائل ہونے کا طریقہ یہی ہے کہ محبوب اور پسندیدہ چیز خدا کی راہ میں خرچ کی جائے معمولی چیز کے خرچ کرنے سے نفس سے بخل کا ازالہ نہیں ہوتا اس لیے مِمَّا تُحِبُّوْنَ کی قید لگائی۔

چنانچہ فرماتے ہیں اے مسلمانو۔ تم خیر کثیر اور احسان عام کے مرتبہ اور مقام کو ہرگز نہیں پہنچ سکتے یہاں تک کہ تم خدا کی راہ میں ان چیزوں میں سے خرچ کرو جن کو تم محبوب رکھتے ہو محبوب حقیقی تک پہنچنے کا ذریعہ یہ ہے کہ کچھ تو محبوب مجازی کو محبوب حقیقی کی راہ میں خرچ کرو اور باقی خدا کی راہ میں جو کچھ بھی خرچ کرو گے اگرچہ وہ چیز تم کو محبوب نہ ہو۔ سو اللہ تعالےٰ اس کو جاننے والے ہیں۔ تمہاری نیت اور عمل کے مطابق اس کا اجر عطا فرمائیں گے خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر ہو محبوب ہو یا غیر محبوب اجر سے کوئی صدقہ اور نفقہ خالی نہیں۔ چنانچہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ابو طلحہ انصاریؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالےٰ فرماتا ہے لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۔ اور مجھے تمام جائیداد میں سب سے زیادہ یہ باغ "بیرحاء" محبوب اور مرغوب ہے آپ گواہ رہیں کہ یہ اللہ تعالےٰ

کے لیے صدقہ ہے میں اللہ سے اس کی بِرّ اور ذخیرہ کا امیدوار ہوں یا رسول اللہ اس مال کو جہاں چاہیں خرچ کریں حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا واہ واہ یہ تو بڑے نفع والا مال ہے۔ جو تو نے کہا وہ میں نے سن لیا میرے نزدیک مناسب یہ ہے کہ اس کو تو اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کردے ابوطلحہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں ایسا ہی کروں گا۔ پھر ابوطلحہ نے اسے اپنے رشتہ داروں اور چچا کی اولاد میں تقسیم کر دیا (بخاری و مسلم)

فائدہ غیر محبوب کے خرچ کرنے پر اجر و ثواب ملتا ہے بشرطیکہ وہ قابلِ نفرت نہ ہو جیسا کہ ارشاد ہے وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ یعنی قصد کر کے خراب اور ردی چیز خیرات مت کرو ہاں اگر کسی نے سارا مال خیرات کر دیا اور اس میں کچھ ردّی بھی تھا یا سارا ہی ردی تھا تو کوئی حرج نہیں کیونکہ وہ قصد کر کے ردی نہیں دے رہا ہے بلکہ جو اس کے پاس موجود ہے وہی دے رہا ہے ممانعت اس کی ہے کہ ایک شخص کے پاس عمدہ مال بھی ہے اور خراب بھی مگر وہ شخص صدقہ کے لیے خراب اور ردی مال کا انتخاب کرتا ہے۔

نکتہ شاید یہود و نصاریٰ کے ذکر میں یہ آیت اس لیے نازل فرمائی کہ ان کو اپنی ریاست بہت محبوب تھی اس وجہ سے وہ نبی کریمؐ کے تابع نہ ہوتے تھے تو جب تک وہ اللہ کی راہ میں اپنی محبوب ریاست کو نہ چھوڑیں گے ایمان کی دولت حاصل نہ کر سکیں گے۔

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ

سب کھانے کی چیزیں حلال تھیں بنی اسرائیل کو،

اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ

مگر جو حرام کرلی تھی اسرائیل نے اپنی جان پر توریت

قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا

نازل ہونے سے پہلے تو کہہ لاؤ

بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۳﴾ فَمَنِ

توریت اور پڑھو، اگر سچے ہو پھر جو

افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ

کوئی باندھے اللہ پر جھوٹ اس کے بعد تو وہی

هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹۴﴾ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ قف فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ

ہیں بے انصاف ۞ تو کہہ سچ فرمایا اللہ نے اب تابع ہو

اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ط وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۵﴾

جاؤ دین ابراہیم کے جو ایک طرف کا تھا. اور نہ تھا شرک کرنے والا ۞

رجوع بخطاب اہلِ کتاب

قال تعالےٰ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ .... الےٰ .... وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ

دور سے سلسلۂ کلام اہلِ کتاب کے متعلق چلا آرہا ہے افتراء کا ذکر درمیان میں استطراداً اور تبعاً آگیا تھا اب پھر اہلِ کتاب کے متعلق کچھ ارشاد فرماتے ہیں۔ یا یوں کہو کہ شروع سورت سے لے کر یہاں تک توحید الٰہی اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کے بارہ میں زیادہ تر نصاریٰ سے محاجّہ اور مباحثہ اور مباہلہ کا ذکر ہوا اب یہاں سے حق تعالےٰ یہود کے دو شبہوں کا جواب دیتے ہیں جو وہ دین اسلام پر کرتے تھے۔

پہلا شبہ یہ تھا کہ اے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) آپؐ اپنے آپ کو دین ابراہیمی اور انبیاء سابقین کے طریقہ پر بتلاتے ہیں تو پھر آپؐ اُن چیزوں کو کیسے حلال بتلاتے ہیں جو حضرت ابراہیمؑ اور تمام انبیاؑ پر حرام تھیں مثلاً اونٹ کا گوشت اور اسکا دودھ ان پر حرام تھا اور آپ اس کو حلال بتاتے ہیں اور اگر آپ یہ کہیں کہ یہ چیزیں جو ان کے دین میں حرام تھیں اب ان کی حرمت میری شریعت میں منسوخ ہو گئی تو پھر آپ کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ آپ اُن کی تصدیق کرنے والے ہیں اور آپ کا دین ان کے دین کے موافق ہے۔

حق تعالےٰ اُن کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اے یہود تمہارا یہ قول کہ اونٹ کا گوشت اور اس کا دودھ حضرت ابراہیمؑ اور تمام انبیاء کرام پر حرام تھا بالکل غلط ہے بلکہ حضرت ابراہیمؑ سے لے کر توریت کے نازل ہونے تک یہ تمام چیزیں بنی اسرائیل کے لیے حلال تھیں البتہ یعقوب علیہ السّلام نے توریت کے نازل ہونے سے پہلے اونٹ کا گوشت کسی وجہ سے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا وہ یہ کہ یعقوب

علیہ السّلام کو عرق النساء کی بیماری تھی اس وقت اللہ سے نذر مانی کہ اگر صحت پاؤں تو جو چیز مجھے مرغوب اور محبوب ہے اس کو چھوڑ دوں گا اور ان کو اونٹ کا گوشت اور دودھ نہایت محبوب اور مرغوب تھا۔ سو اس نذر کی وجہ سے اس کو چھوڑ دیا تھا جیسا کہ ہماری شریعت میں نہی ہے کہ نذر سے حلال چیز حرام ہو جاتی ہے۔ مگر اس کا کفارہ دینا پڑتا ہے کما قال تعالٰی یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ حق تعالٰی نے یہود کے جواب میں فرمایا کہ یعقوب علیہ السّلام کا اپنے اوپر یہ حرام کرنا توریت سے پہلے تھا اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ یہ چیزیں حضرت ابراہیمؑ کے وقت سے حرام تھیں تو اپنی مسلّم کتاب توریت میں یہ مضمون دکھلاؤ تاکہ تمہاری صداقت ظاہر ہو اور اگر یہ مضمون تمہاری کتاب میں نہ نکلے تو سمجھ لو کہ تم کاذب اور مفتری ہو کُلُّ الطَّعَامِ کَانَ حِلًّا لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ سے وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ تک اسی شبہ کے جواب میں نازل ہوئیں جیسا کہ آئندہ تفسیر سے ظاہر ہوگا۔

فائدہ پہلی آیت میں محبوب چیز کے خرچ کرنے کا ذکر تھا اور اس آیت میں یعقوب علیہ السّلام کا ایک محبوب چیز کو چھوڑ دینے کا ذکر ہے اس طرح دونوں آیتوں میں نہایت لطیف مناسبت ہوگئی۔

دوسرا شُبہ یہود کا دوسرا شبہ یہ تھا کہ تمام انبیاء کرام بیت المقدس کی تعظیم کرتے تھے اور بیت المقدس ہی ان کا قبلہ تھا اور تمام انبیاء اسی مقدس سرزمین میں مبعوث ہوئے اور حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا اصلی وطن عراق تھا۔ جسے حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے چھوڑ کر شام کی طرف ہجرت فرمائی اور وہیں رہے اور وہیں وفات پائی مگر اے مسلمانو تم نے بیت المقدس کو چھوڑ کر خانہ کعبہ کو قبلہ بنا لیا ہے جو سرزمین شام سے بہت دور ہے پھر تمہارا یہ دعویٰ کیسے صحیح ہے کہ تم کو ابراہیم علیہ السّلام اور ملّت ابراہیمی سے زیادہ قرب اور مناسبت حاصل ہے حق تعالٰی نے اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ الٰی آخرالآیات میں اُن کے اس شبہ کا جواب دیا کہ خانہ کعبہ ہی اوّل عبادت خانہ ہے جو بیت المقدس سے صدہا سال قبل ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھ سے تعمیر ہوا جس میں مقام ابراہیم کی موجودگی اس بات کی دلیل ہے کہ ابراہیمؑ کے قدم یہاں آئے ہیں کیونکہ یہ امر تاریخ عرب کے مسلّمات میں سے ہے کہ یہ وہی پتھر ہے جس پر ابراہیم علیہ السّلام نے کھڑے ہو کر خانہ کعبہ تعمیر کیا تھا اور خدا کی قدرت سے اس پتھر میں ابراہیم علیہ السّلام کے قدم کے نشان پڑ گئے تھے اور وہ پتھر اب تک برابر محفوظ چلا آرہا ہے۔

پہلے شُبہ کا جواب

کُلُّ الطَّعَامِ کَانَ حِلًّا لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ .....الٰی ..... وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۝

ان آیات میں یہود کے پہلے شبہ کا جواب ارشاد فرماتے ہیں کہ اے یہود تمہارا یہ قول بالکل غلط ہے کہ اونٹ کا گوشت اور اُس کا دودھ حضرت ابراہیمؑ اور تمام انبیاءؑ پر حرام تھا بلکہ کھانے کی سب چیزیں توریت کے نازل ہونے سے پہلے ہی بنی اسرائیل کے لیے حلال تھیں، جن کی حلت حضرت ابراہیمؑ کے وقت سے برابر چلی آرہی تھی مگر وہ چیز یعنی اونٹ کا گوشت جس کو ایک خاص وجہ سے یعقوب علیہ السلام نے اپنے اوپر بطور نذر حرام کر لیا تھا اور پھر ان کی اولاد نے بھی اُن کی پیروی میں اس کو چھوڑ دیا تھا جس کا سبب یہ تھا کہ یعقوب علیہ السلام کو عرق النساء کا درد تھا اس وقت اللہ تعالیٰ سے نذر کی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اس مرض سے شفاء عطا فرمائی تو جو چیز مجھ کو زیادہ محبوب اور مرغوب ہے اُس کو چھوڑ دوں گا اور ان کو سب سے زیادہ محبوب اونٹ کا گوشت اور دودھ تھا اس لیے اس کو چھوڑ دیا۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر یہ چیز حرام نہ تھی لہٰذا یہود کا یہ دعوے کہ یہ چیزیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے حرام چلی آرہی ہیں کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔

فائدہ آیت مذکورہ میں مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ (یعنی نزول توریت سے قبل) کی قید کا فائدہ یہ ہے کہ نزول توریت سے پہلے یہ سب چیزیں حلال تھیں۔ البتہ توریت نازل ہونے کے بعد بہت سی حلال چیزیں یہود پر اُن کے ظلم اور شرارت کی وجہ سے توریت میں حرام کر دی گئیں جس کی کچھ تفصیل سورۂ انعام میں ہے وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ اور دوسری جگہ ارشاد ہے۔

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ آپ ان یہود سے کہہ دیجئے کہ اگر تم کو اس کا دعویٰ ہے کہ یہ چیزیں حضرت ابراہیمؑ کے وقت سے برابر حرام چلی آرہی ہیں تو توریت کو لے کر آؤ اور یہ مضمون توریت میں دکھلاؤ اور سب کے سامنے اُس کو پڑھ کر سناؤ اگر تم اس دعوے میں سچے ہو کہ یہ چیزیں حضرت ابراہیم کے وقت سے حرام تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم دیا کہ اُن کی کتاب سے ساتھ مباحثہ کریں۔ یہود یہ دلیل قاطع اور برہان ساطع سن کر حیران رہ گئے اور توریت نہ لا سکے اس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر ایک حجت قائم ہوگئی اور یہود کا کاذب اور مفتری ہونا ثابت ہوگیا پس جو شخص اللہ پر جھوٹ باندھے اور یہ کہنے لگے کہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام پر حرام کی تھیں اس کے بعد یعنی توریت کی حجت لازم ہو جانے کے بعد تو یہ لوگ بڑے ہی ظالم اور بے انصاف ہیں کہ حق بات ظاہر ہو جانے کے بعد بھی ہٹ دھرمی کرتے ہیں اور حق کو تسلیم نہیں کرتے اور اللہ کے نبی پر جھوٹے الزام لگاتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ نے سچ فرمایا اور مجھے سچی خبر دی کہ نزول توریت سے پہلے سب چیزیں بنی اسرائیل پر حلال تھیں پس اے یہود جب تم پر محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت ظاہر ہوگئی تو مسلمانوں کی طرح تم بھی ملت ابراہیمی کی پیروی کرو۔

اور ابراہیم علیہ السلام کے دین پر آجاؤ جس کی طرف میں تمہیں بلاتا ہوں اور وہ ابراہیم علیہ السلام ایک طرف کا ہو رہا تھا سب کو چھوڑ کر ایک خدا کی طرف مائل ہوگیا تھا۔ جس نے دنیا میں خالص توحید اور خدا کی فرمانبرداری کی اشاعت کی اور ابراہیم مشرکوں میں سے نہ تھا اس جملہ میں یہود اور نصاریٰ پر الزام ہے کہ تم دین ابراہیمی پر ہونے کے مدعی ہو اور پھر شرک کرتے ہو۔

فائدہ ملت مثل دین کے اس طریقہ کو کہتے ہیں کہ جس کو اللہ تعالےٰ انبیاء کی زبانی اپنے بندوں کے لیے مشروع فرمائے تاکہ قرب اور رضا کے مدارج اور صلاح اور فلاح دارین کو حاصل کریں ملت اور دین میں فرق یہ ہے کہ ملت کی نسبت نبی کی طرف ہوتی ہے کہ فلاں نبی کی ملت ہے اور دین کی نسبت اللہ کی طرف ہوتی ہے کہ یہ اللہ کا دین ہے اور یہ کہنا جائز نہیں کہ یہ اللہ کی ملت ہے نیز ملت کا اطلاق مجموعۂ احکام شرعیہ پر ہوتا ہے ایک ایک حکم پر ملت کا اطلاق نہیں ہوتا۔ مثلاً تنہا نماز اور زکوٰۃ کو ملت نہیں کہتے۔

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا

تحقیق پہلا گھر جو ٹھہرا لوگوں کے واسطے، یہی ہے جو کہ میں ہے برکت والا

وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿٩٦﴾ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ

اور نیک راہ جہان کے لوگوں کو ۔ اس میں نشانیاں ظاہر ہیں، کھڑے ہونے

اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ عَلَى

کی جگہ ابراہیم کی۔ اور جو اس کے اندر آیا اُس کو امن ملا - اور اللہ کا حق ہے

النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ

لوگوں پر، حج کرنا اس گھر کا ، جو کوئی پاوے اس تک راہ۔

وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٩٧﴾

اور جو کوئی منکر ہوا، تو اللہ پرواہ نہیں رکھتا جہان کے لوگوں کی ۔

دوسرے شبہ کا جواب

بذکرِ فضائل بیتِ حرام

قال تعالٰی اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ .... الیٰ .... فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ○

اب ان آیات میں یہود کے دوسرے شبہ کا جواب ذکر فرماتے ہیں کہ بیت المقدس خانہ کعبہ سے افضل ہے اور وہی تمام انبیاء کا قبلہ ہے تو اے مسلمانو تمہارے نبیؐ نے بیت المقدس کو چھوڑ کر خانہ کعبہ کو کیوں کر اپنا قبلہ بنا لیا ہے حق جل شانہٗ نے ان آیات میں یہ بتلایا کہ خانہ کعبہ بیت المقدس سے افضل اور اشرف ہے لہٰذا اسی کو قبلہ بنانا بہتر ہے چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق پہلا گھر جو منجانب اللہ لوگوں کی عبادت کے لیے قبلہ مقرر کیا گیا وہ وہی مکان اور گھر ہے جو شہر مکہ میں ہے۔ جس کو خانہ کعبہ اور بیت اللہ کہتے ہیں۔ بڑی خیر و برکت والا جس میں ایک نماز ادا کرنے سے ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ملتا ہے اور جہان کے لوگوں کے لیے ہدایت اور رہنما ہے کیونکہ سارے جہان کا قبلہ ہے اسی کی طرف منہ کر کے سب نماز ادا کرتے ہیں اور خدا کی محبت میں اسی کا طواف کرتے ہیں اسی طرح یہ خانۂ خدا، خانۂ ہدایت ہے جس سے قبلۂ عبادت کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور بہشت کی راہ بھی یہیں سے نظر آتی ہے۔ خود اس گھر میں اس کی فضیلت اور اول معبد ہونے کی اور قبلۂ ابراہیمی ہونے کی روشن نشانیاں اور کھلی علامتیں موجود ہیں۔ از انجملہ مقام ابراہیمؑ ہے جو ایک محترم پتھر ہے جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہو کر خانہ کعبہ کی تعمیر فرماتے تھے جس میں حق تعالیٰ کی قدرت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم مبارک کے نشان پڑ گئے تھے جو لوگوںؒ کے ہاتھوں سے چھونے کے باعث محو ہو گئےؒ اور یہ بات تمام اہل عرب میں نقل متواتر کے ساتھ مشہور اور مسلّم ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ان تمام انبیاء کرام کے جد اکبر ہیں جن کے آثار روئے زمین پر پائے جاتے ہیں اُن سے پہلے جتنے نبی گزرے ان میں سے کسی کی نشانی زمین پر باقی نہیں پس حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس نشان کا باقی رہنا اور دیگر انبیاء کے آثار کا باقی نہ رہنا اور پھر اس پتھر کا باوجود کثیر التعداد دشمنوں کے ہزاروں برس سے

ؑ قال الخطیب الشربینی مقام ابراھیم ھو الحجر الذی قام علیہ ابراھیم علیہ السلام وکان اثر قدمیہ فیہ فاندرس من کثرۃ المسح بالایدی ولعل الذی اندرس بعضہ فانی رأیت اثر القدمین فیہ کذا فی السراج المنیر ص ۱۹۲ ج ۱ ؑ کذا فی حاشیۃ الشیخ زادہ علی البیضاوی ففیھا فوضع ابراھیم قدمہ علیہ فاثرت قدمہ فیہ الا ان ذلک الاثر اندرس من کثرۃ المسح بالایدی (ص ۶۵۳ ج ۱)

محفوظ چلا آنا یہ اس امر کی کھلی نشانی ہے کہ یہاں ابراہیم علیہ السلام کے قدم آئے ہیں اور یہی وہ پہلا گھر اور اول معبد ہے کہ جو طوفان نوح کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں تعمیر ہوا اور حضرت اسمٰعیلؑ ان کے شریک کار اور معین و مددگار رہے غرض یہ کہ منجملہ آیات بینات کے مقام ابراہیم ایک نشانی ہے۔ حق جل شانہٗ نے آیات بینات میں سے صرف دو نشانیوں کو ذکر کیا ایک یہ اور ایک نشانی وہ جو آئندہ آیت میں ذکر کی باقی کو پوشیدہ رکھا اشارہ اس طرف ہے کہ آیات بینات بہت ہیں جو شمار میں نہیں آسکتیں۔ ان میں سے صرف دو تین کا ذکر کیا اور منجملہ ان نشانیوں کے ایک نشانی یہ ہے کہ جو شخص اس مکان کی حدود و متعلقہ میں بھی داخل ہوگیا اس کو امن ملا دنیا میں قتل اور غارتگری سے مامون ہوگیا اور قیامت کے دن عذاب سے مامون ہوگیا یہ بھی خانہ کعبہ کی فضیلت کی کھلی نشانی ہے، عرب زمانۂ جاہلیت میں ایک دوسرے کو قتل کر دیتے اور لوٹ لیتے مگر جو حرم میں آجاتا اُس سے کوئی تعرض نہ کرتے خانہ کعبہ کے موجب امن ہونے پر دو اعتراض کیے گئے ہیں اول یہ کہ خود جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ کو تلوار سے فتح کیا۔ دوئم یہ کہ بہت سے حکام اور عمال نے مکہ میں ظالمانہ کارروائیاں کیں حتیٰ کہ بعض نے خانہ کعبہ پر منجنیق بھی لگا دیا اور اس کی بے حرمتی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ اور بہت سے بدوؤں نے حاجیوں کو طرح طرح سے اذیت پہنچائی پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض سرے ہی سے غلط ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لحہ کے لیے خانہ کعبہ کی حرمت کو نہیں توڑا آپ نے اس کے سوا کچھ نہیں کیا کہ مکہ میں یہ منادی کرا دی کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اس کو امن ہے اور جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کرلے اُس کو بھی امن ہے حدیث میں ہے کہ جب ابوسفیان نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر لشکر انصار کے علمبردار سعد بن عبادہؓ کا یہ قول نقل کیا کہ آج کا دن لڑائی کا دن ہے اور آج کعبہ کی حرمت توڑی جائے گی تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سعد نے غلط کہا آج کا دن وہ دن ہے جس میں حق تعالٰے خانہ کعبہ کی حرمت کو قائم کرے گا اور آج کا دن وہ دن ہے جس میں خانہ کعبہ پر نیا غلاف چڑھایا جائے گا اور بعض علماء نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ حق تعالےٰ نے خانہ کعبہ کو شرک اور بت پرستی سے پاک کرنے کے لیے ایک ساعت کے لیے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے حلال کر دیا تھا آپ سے پہلے اور آپ کے بعد کسی اور کے لیے حلال نہیں کیا اور آپ کے لیے بھی صرف ایک ساعت کے لیے حلال کیا ایک ساعت سے زیادہ آپ کے لیے بھی حلال نہیں کیا اور کفر و شرک کی نجاست سے پاک کر دینے کے لیے حلال کر دینا غایت درجہ مستحسن ہے۔

دوسرے اعتراض کا جواب

یہ ہے کہ خانہ کعبہ میں داخل ہونے والے شخص کے امن والا ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ کسی شخص کو اس کی ایذاء پر قدرت نہیں رہتی بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس گھر کی تعظیم لوگوں کے اعتقاد اور دلوں میں اس درجہ راسخ ہے کہ کوئی شخص بھی اس میں ظلم اور تعدی کو روا نہیں سمجھتا پس جو ظالم اور بدو اس میں کوئی کارروائی کرتے

ہیں وہ اس کو جائز نہیں سمجھتے بلکہ اور گناہوں کی طرح اس کو گناہ سمجھتے ہیں اور اس گھر کی فضیلت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ لوگوں پر اللہ کے لیے اس گھر کا حج فرض ہے تمام لوگ برابر خانہ کعبہ ہی کا حج کرتے چلے آئے بیت المقدس کا حج کبھی فرض نہیں ہوا، مگر خانہ کعبہ کا حج ہر شخص پر فرض نہیں بلکہ صرف اس شخص پر فرض ہے جو اس گھر کی راہ پا سکے یعنی زاد اور راحلہ پر اس کو قدرت ہو۔ مطلب یہ ہے کہ استطاعت سبیل سے مراد خانہ کعبہ تک پہنچنے پر قدرت پانا ہے جس میں سواری اور سفر خرچ اور تندرستی اور راستہ کا امن سب کچھ آگیا اور اس گھر کے حج کا فرض ہونا یہ بھی اس گھر کی بزرگی اور شرافت کی کھلی نشانی ہے اور اس امر کی صریح دلیل ہے کہ اس گھر کو حضرت ابراہیمؑ سے خاص خصوصیت حاصل ہے کہ ان کے وقت سے لے کر اس وقت تک مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کے لوگ برابر حج کرتے چلے آئے اور برابر اس کو سنّت ابراہیمی سمجھ کر ادا کرتے رہے اور جو شخص منکر ہوا کہ خانہ کعبہ اوّل معبد نہیں یا اس کا حج فرض نہیں تو اللہ تعالےٰ کو اس کی کوئی پرواہ نہیں اس لیے کہ اللہ تعالےٰ تو تمام جہان کے لوگوں سے بے نیاز بے پرواہ ہے تمام عالم بھی اگر اس کے حکم کا انکار کرے تو اس کا کوئی نقصان نہیں خانہ کعبہ خداوندِ ذوالجلال کے نور اور جمال کی تجلی کا گھر ہے محبین اور عاشقین کا یہ فرض ہے کہ اُس نور السّمٰوٰت والارض اور جمیل مطلق اور محبوب برحق کے گھر پر عمر بھر میں کم از کم ایک مرتبہ ضرور حاضری دیں اور اس کے در و دیوار کا دیوانہ وار چکر لگائیں اور اس کے آستانہ کو بوسہ دیں جو شخص خدا کی محبت کا دعویٰ کرے اور اُس کے گھر کی حاضری کو فرض نہ سمجھے تو سمجھ لو کہ وہ جھوٹا عاشق ہے اور محبوب حقیقی کو کیا پرواہ ہے کہ ایسا شخص یہودی ہو کر مرے یا نصرانی۔ یہود اور نصاریٰ ہر ایک کو دعویٰ تو یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ ہمارے امام اور پیشوا ہیں مگر جس گھر کو انہوں نے بحکم خداوندی حج اور زیارت کے لیے تعمیر کیا اور لوگوں کو اس کی زیارت اور حج کے لیے آواز دی اس کا حج نہیں کرتے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ خانہ کعبہ۔ بیت المقدس سے افضل ہے جس کی متعدد وجوہ ہیں۔ جو حسب ذیل ہیں۔

اوّل فضیلت یہ کہ خانہ کعبہ سب سے پہلا گھر ہے جو لوگوں کی عبادت کے لیے مقرر ہوا اور حضرت آدم علیہ السّلام نے اس کی تعمیر کی اور ان کی اولاد میں جس قدر بھی نبی ہوئے وہ سب کے سب اسی کی طرف رخ کر کے عبادت کرتے چلے آئے اور حضرت شیث اور حضرت ادریس اور حضرت نوح علیہم السّلام کا قبلۂ عبادت اس کے سوا اور کوئی جگہ نہ تھی اس لیے کہ عبادت اور عبودیت حضرات انبیاء کرامؑ کے لیے لازم ہے اور عبادت کے لیے قبلہ کا ہونا ضروری ہے معلوم ہوا کہ تمام انبیاء کا قبلہ یہی خانہ کعبہ رہا۔ وقال تعالیٰ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ۭ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا

وَّبُکِیًّا۔ الآیۃ اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ تمام انبیاء کرام سجدہ کرتے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ سجدہ کے لیے قبلہ ہونا چاہیئے سو ان حضرات کا قبلہ وہی خانہ کعبہ تھا جو ہمارے معظم اور محترم باپ سیّدنا آدم علیہ السّلام نے بحکم خداوندی بنایا تھا اور مکہ مکرمہ کا نام اُمّ القریٰ ہونا یہ بھی اسی کی دلیل ہے کہ یہ شہر تمام بستیوں اور آبادیوں کی اصل اور جڑ یعنی مبداء ہے اور اسی وجہ سے کہا گیا کہ وسط ارض میں ہے اور تمام روئے زمین کا مرکزی نقطہ ہے۔

دوسری فضیلت

خانہ کعبہ کی دوسری فضیلت یہ ہے کہ وہ مبارک ہے یعنی خیرات و برکات کا منبع اور سرچشمہ ہے آسمانی اور معنوی انوار و برکات کے علاوہ زمینی برکات کا بھی مخزن ہے کما قال تعالےٰ یُجْبٰۤی اِلَیْہِ ثَمَرٰتُ کُلِّ شَیْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا زمین جس کے متعلق حق تعالےٰ کا ارشاد ہے وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَاۤ اَقْوَاتَهَا ان تمام اقوات و ثمرات اور ارزاق و برکات کا مرکزی نقطہ بھی خانہ کعبہ کی زمین ہے کہ جس کو حق تعالےٰ نے سب سے پہلے پیدا کیا اور باقی زمین یہیں سے بچھائی گئی اور ایک نیکی کا ثواب کم از کم ایک لاکھ گنا ملتا ہے اور جو نماز خانہ کعبہ کے سامنے باجماعت پڑھی جائے اس کا ثواب ستائیس لاکھ ملتا ہے کیونکہ جماعت کا اجر انفرادی نماز سے ستائیس گنا ہے۔

تیسری فضیلت

خانہ کعبہ کی تیسری فضیلت یہ ہے کہ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ یعنی تمام جہانوں کا قبلہ ہے کہ اسی سمت پر سب نماز ادا کرتے ہیں خانہ کعبہ بمنزلہ مرکزی نقطہ کے ہے اور روئے زمین پر نمازیوں کی صفوف بمنزلہ دوائر کے ہیں جو اس مرکز کو احاطہ کیے ہوئے ہیں اور ظاہر ہے کہ نمازیوں میں بہت سے اولیاء اور عباد مخلصین اور ہزاراں ہزار بلکہ لاکھوں آسمان اور زمین کے فرشتے بھی ہوتے ہیں جن کے انوار و برکات میں تعاکس اور توارد بھی ہوتا ہے اور انوار و تجلیات کا یہ توارد اور تعاکس ہزاراں ہزار خیر و برکت اور ہزاراں ہزار ہدایت کا بھی سبب ہے اور خانہ کعبہ کے ذاتی انوار و برکات ان کے علاوہ ہیں۔ جب روئے زمین کی تمام مسجدیں اور تمام صفوف سمت کعبہ کی طرف متوجہ ہو کر نمازیں ادا کریں گے تو اس محاذات اور مسامتت کی وجہ سے خانہ کعبہ کے انوار و تجلیات روئے زمین کی مسجدوں اور نمازیوں کی صفوں کو بجلی کی رو کی طرح یکدم منوّر اور روشن کریں گے۔

چوتھی فضیلت

یہ ہے کہ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ یعنی خود اس گھر میں اس کی حرمت اور عظمت کی روشن نشانیاں موجود ہیں جس نے اس کی بے حرمتی کا ارادہ کیا وہ ہلاک ہوا جیسے اصحاب فیل اور جس نے اس جگہ جا کر بیماری وغیرہ کے لیے دعا مانگی اُس کی دعا قبول ہوئی اور حجاج نے جو مکہ پر چڑھائی کی سو اس کا مقصد حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو گرفتار کرنا تھا خانہ کعبہ کی بیحرمتی اور اہانت مقصود نہ تھی۔

پانچویں فضیلت یہ ہے کہ اس میں مقام ابراہیم ہے مقام ابراہیم سے وہ پتھر مراد ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کی تعمیر کی تھی اس پتھر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم مبارک کے نشان تھے حق تعالےٰ نے اسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے نرم کر دیا تھا۔

چھٹی فضیلت یہ ہے کہ جو شخص خانہ کعبہ کے حدود یعنی حرم میں داخل ہوا تو دنیا میں قتل سے اور آخرت میں عذاب سے مامون ہوا۔

ساتویں فضیلت یہ ہے کہ اس گھر کا حج فرض ہے یہ بھی اس گھر کی شرافت اور بزرگی پر دلالت کرتا ہے تمام انبیاء سابقین اسی کا حج کرتے چلے آئے اور نہایت ذوق و شوق کے ساتھ تلبیہ پکارتے ہوئے اس کی زیارت کے لیے حاضر ہوتے رہے بیت المقدس کا حج کبھی فرض نہیں ہوا۔

لطائف و معارف

۱۔ اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ ۔میں علماء کا اختلاف ہے کہ اوّل سے کیا مراد ہے آیا باعتبار زمانہ کے اولیت مراد ہے یا باعتبار شرف اور فضیلت اور رتبہ کے اوّلیّت مراد ہے۔

صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت سے یہ منقول ہے کہ حق تعالےٰ نے زمین میں سب سے پہلے خانہ کعبہ کی جگہ کو پیدا کیا اور باقی تمام زمین اس کے نیچے سے بچھائی گئی۔ یعنی باعتبار زمانہ کے اوّلیت مراد ہے۔ اور بعض یہ کہتے ہیں کہ یہ اوّلیت باعتبار شرف اور فضیلت کے ہے زمانہ کے لحاظ سے نہیں یعنی باعتبار برکت اور ہدایت کے یہ پہلا گھر ہے جیسا کہ لفظ مُبٰارَکاً وَّھُدًی لِّلْعٰالَمِیْنَ اس پر دلالت کرتا ہے یعنی برکت اور ہدایت کے لحاظ سے سب سے اوّل اور سب سے افضل اور سب سے مقدم خانہ کعبہ ہے۔ تحقیق یہ ہے کہ مقصود اصلی تو خانہ کعبہ کی افضلیت بیان کرنا ہے کہ خانہ کعبہ بیت المقدس سے افضل اور اشرف ہے اور ظاہر ہے کہ یہ مقصد جب حاصل ہوگا کہ جب اوّلیت سے شرف اور فضیلت کے اعتبار سے اوّلیت مراد ہو محض زمانہ کے اعتبار سے اوّلیت و شرف اور فضیلت کا مدار نہیں بن سکتی۔ البتہ زمانہ کی اولیّت و شرف اور فضیلت کی اولیت کے لیے مؤید ضرور ہو سکتی ہے اس لیے کہ اولیت زمانیہ۔ اولیت رتبیہ کے منافی اور مباین نہیں خانہ کعبہ کی جگہ باعتبار زمانہ کے بھی اوّل ہے اور باعتبار شرف اور فضیلت کے بھی اوّل ہے لہٰذا ثابت ہو گیا کہ خانہ کعبہ بیت المقدس سے باعتبار زمانہ کے اوّل ہے اور باعتبارِ فضیلت کے بھی اوّل ہے۔

اسرارِ قبلہ

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی۔ بانی دارالعلوم دیوبند قدس اللہ سرہٗ نے خاص اس موضوع پر قبلہ نما کے نام سے ایک مستقل تحریر لکھی ہے جو علم لدنی کے حقائق و معارف کا گنجینہ اور اسرار و لطائف کا ایک خزینہ ہے ہم اس مقام پر نہایت اختصار کے ساتھ اس کا خلاصہ مع اضافہ شواہد ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔ اصل مضمون حضرت مولانا قاسم رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور شواہد کا اضافہ اس ناچیز کی طرف سے ہے۔ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ۔

حق جل شانہٗ نے انسان کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا اور عبادت کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ اپنے معبود کے سامنے اپنے عجز و نیاز کا اظہار کرے اور آداب عبودیت بجا لائے اس لیے ضروری ہوا کہ عابد اور معبود میں آمنا سامنا ہو اور آمنا سامنا ہونے کے لیے بظاہر مکان اور جہت درکار ہے اور اللہ تعالیٰ جہت اور مکان سے پاک اور منزہ ہے کیونکہ وہ تو خود جہت اور مکان اور زمان کا خالق ہے اور انسان جسم اور روح سے مرکب ہے سو عبادت روحانی کے لیے تو کسی جہت اور مکان کی ضرورت نہیں اس لیے کہ روح مکانی نہیں روح خداوند ذوالجلال کی بے چونی اور بےچگونی کا نمونہ ہے جیسا کہ حدیث میں ہے خلق اللہ آدم علیٰ صورتہٖ اس لئے روح کی عبادت کے لیے قلبی اور معنوی توجہ کافی ہے کسی قبلہ اور جہت کی ضرورت نہیں۔

البتہ عبادت جسمانی بدون تقابل جہت متصور نہیں اور انسان چونکہ مقید فی الجہۃ ہے اس لیے اس کو یہ حکم دینا کہ جہت سے علیحدہ ہو کر عبادت کیا کرو تو یہ تکلیف مالایطاق ہے اور فقط روحانی عبادت کافی نہیں بلکہ روح اور جسم دونوں ہی مکلف ہیں روحانی عبادت کی طرح جسمانی عبادت بھی فرض اور لازم ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ روح تو عبادت کی مخاطب ہو اور جسم معطل رہے اور یہ بھی مناسب نہیں کہ ہر شخص جس طرف چاہے سجدہ کر لیا کرے۔ اور ہر ایک اپنا جُدا قبلہ بنائے اس لیے خداوند کریم نے ایک جہت مقرر فرما دی تاکہ ایک سمت متعین ہو جائے اور ملت کے انتظام میں فرق نہ آئے۔ کیونکہ جو جہت اللہ کی طرف سے مقرر ہوگی اس میں کسی کو رد و بدل کی گنجائش نہ ہوگی باقی رہا یہ امر کہ اس خاص سمت کی تعیین کی وجہ کیا ہے سو وہ اللہ ہی کو معلوم ہے اور اگر یہ اجازت ہوتی کہ جس طرف کو جس کا جی چاہے وہ سجدہ کر لیا کرے تو اس میں انتظام اور اتفاق کی کوئی صورت نہ تھی۔ اور ظاہر ہے کہ اتفاق ایک نہایت محمود اور پسندیدہ چیز ہے۔

حق جل شانہٗ کی ذات چونکہ بے چون و چگون ہے اس لیے وہ کسی حد میں محدود اور مقید نہیں۔

البتہ اس کی کوئی تجلی اور کوئی پرتو کسی محدود اور مقید پر پڑ سکتا ہے جیسے آفتاب کا عکس اور پرتو آئینہ پر پڑتا ہے ہر شخص جانتا ہے کہ آئینہ فقط ایک مظہر اور نمائش گاہ ہے محل قید نہیں آئینہ کا آفتاب کو اپنے آغوش میں لے لینا قطعاً محال ہے البتہ آفتاب آئینہ میں جلوہ گر ہو سکتا ہے جیسے آسمان آنکھ کی پتلی میں جلوہ گر ہوتا ہے مگر انعکاس کی ایک شرط تو یہ ہے کہ آئینہ صاف و شفاف ہو دوسری شرط یہ ہے کہ آفتاب کے مقابل ہو بغیر تقابل کے انعکاس ممکن نہیں۔ اسی طرح حق جل شانہ کی ذات بے چون وچگون کو سمجھو کہ وہ حدود اور قیود سے پاک اور منزہ ہے مگر کسی جہت اور مکان اور کسی محدود شئ میں اس کی تجلی ممکن ہے۔

کتاب و سنت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عرش اور پانی حق جل شانہ کی اول مخلوقات سے ہے کما قال تعالیٰ وَكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ ۔

اور اللہ جل شانہ کی سب سے بڑی تجلی عرش پر ہے اور اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى میں اسی تجلی کی طرف اشارہ ہے عرش کے معنی تخت اور بلند مقام کے ہیں اور استواء کے معنی استقرار اور تمکن کے ہیں۔

اور ظاہر ہے کہ آیت میں ظاہری معنی قطعاً مراد نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کوئی جسم نہیں جو تخت پر بیٹھے اور قرار پکڑے بلکہ استواء علی العرش سے اس کی شانِ احکم الحاکمینی کو بیان کرنا ہے جیسا کہ تخت نشینی کا لفظ حکومت اور اقتدار کے لیے بطور کنایہ مستعمل ہوتا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے احکم الحاکمینی اور اس کے تسلط تام اور تدبیر عام کو استواء علی العرش کے لفظ سے تعبیر کیا گیا کہ اس کی احکم الحاکمینی اور شہنشاہی ایسی راست اور ہموار ہے کہ اس میں کسی قسم کی مزاحمت اور کسی قسم کی گڑبڑ کا امکان اور واہمہ بھی نہیں خلاصہ یہ کہ عرشِ عظیم اس ربِ عظیم کی شان احکم الحاکمینی کا ایک تجلی گاہ اور نمائش گاہ ہے۔ معاذ اللہ خدائے بے چون وچگون کی جائے قرار اور محل استقرار نہیں غرض یہ کہ عرش عظیم اللہ تعالیٰ کی اوّل مخلوق ہے۔

عرش کے بعد اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے زمین کو پیدا فرمایا اور اس کے آسمان کو پیدا کیا جیسا کہ سورۂ بقرہ میں ہے هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ اور اسی طرح سورۂ حٰم سجدہ میں مصرح ہے ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ الآیۃ سورۂ بقرہ اور سورۂ حٰم سجدہ کی ان آیات سے صاف ظاہر ہے کہ پہلے زمین کو پیدا کیا اور پھر آسمان کو اور قیاسِ عقل بھی اسی کو مقتضی ہے کہ پہلے زمین پیدا ہو اور آسمان بعد میں اس لیے کہ حق تعالیٰ نے زمین کو فرش اور آسمان کو سقف (چھت) فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ تعمیر چھت کی جانب سے شروع نہیں ہوتی بلکہ فرش کی جانب سے ہوتی ہے۔ اور زمین میں حق جل شانہ نے سب سے پہلے خانہ کعبہ کی جگہ کو پیدا فرمایا اور

پھر باقی زمین اسی جگہ سے بچھائی گئی اور پھیلائی گئی کعبہ زمین کا ٹکڑا کرۂ ارض کا مرکزی نقطہ ہے جو ٹھیک وسط ارض میں واقع ہے جیسا کہ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا اس پر دال ہے وکما یدل علیہ قولہ تعالٰی وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا اور ایک روایت میں ہے کہ اول پانی تھا اور اس پانی پر عرش کبریائی تھا پھر اس پانی میں سے جہاں اس جگہ خانہ کعبہ ہے ایک بلبلا سا اٹھا اور جھاگ نمودار ہوئی اس سے زمین کی بنا شروع ہوئی۔

یہ روایت بھی خانہ کعبہ کی اولیّت پر دلالت کرتی ہے اور اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ اس جگہ کا عرش اور عرش کے پانی سے خاص تعلق ہے۔

اور جس طرح خانہ کعبہ آبادی میں اوّل ہے اسی طرح ویرانی میں بھی اوّل ہے کہ قیامت کے وقت یہی ٹکڑا سب سے پہلے ویران ہوگا جیسا کہ یہ آیت جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ اس پر دلالت کرتی ہے کیونکہ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ کا مطلب یہ ہے کہ جب تک یہ گھر قائم ہے جبھی تک بنی آدم کا بھی اس عالم میں قیام ہے اور جس دن یہ ویران ہوگا تو تمام کارخانۂ عالم بھی ویران ہو جائے گا کیونکہ بدلالت آیت خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا الآیۃ یہ بات عیاں ہے کہ زمین و آسمان سب بنی آدم کے لیے ہیں جب بنی آدم ہی نہ ہوں گے تو زمین و آسمان ہی کس کے لیے رہیں گے گھاس دانہ گھوڑوں تک رہتا ہے جب وہ نہیں رہتے تو اسے ہی کون رکھتا ہے. جب دارالخلافہ آباد کیا جاتا ہے تو اوّل مکانات شاہی کے لیے کوئی جگہ تجویز ہوتی ہے. اور اس کی بناڈالی جاتی ہے اس کے بعد امراء اور وزراء اور رعایا کے مکانات بنتے ہیں اور جب دارالخلافہ بحکم شاہی کسی مصلحت سے ویران کیا جاتا ہے تو اوّل بادشاہ اپنے مکانات کو چھوڑتا ہے اور اس کی اتباع میں پھر خواص اور عوام اپنے اپنے مکانات چھوڑ کر اُس کے پیچھے ہوتے ہیں معلوم ہوا کہ محل سرائے جس طرح تعمیر میں اوّل ہے اسی طرح تخریب میں بھی اوّل ہے۔

پس اسی طرح خانہ کعبہ کو بمنزلہ قصر شاہی یا خیمۂ شاہی خیال فرمایئے اور کیوں نہ ہو وہ تجلی گاہ ربّانی اور آئینۂ جمال یزدانی ہے اس لیے اُس کو بنانے میں بھی اوّل رکھا اور ویرانی عالم کے وقت بھی اس کو اوّل رکھیں گے چنانچہ آیت اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا اُس کی اولیت تعمیر پر دلالت کرتی ہے اور آیت جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ گھر لوگوں کے قیام اور بقاء کا باعث ہے اس کی اوّلیت ویرانی پر دلالت کرتی ہے اس لیے حاصل اشارۂ قرآنی یہ ہوا کہ جب تک یہ گھر قائم ہے لوگ بھی اس عالم میں قائم ہیں اور جس روز یہ گھر ویران ہوگا اس روز عالم کو خراب اور ویران سمجھو۔

خانہ کعبہ عرش کی محاذات میں ہے

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خانہ کعبہ عرشِ عظیم کی محاذات میں ہے۔

ذکر عبدالرزاق عن ابن جریج عن عطاء وابن المسیب وغیرھما ان اللہ عزوجل اوحی الی آدم اذا ھبطت ابن لی بیتا ثم احفف بہ کما رأیت الملائکہ تحف بعرشی الذی فی السماء۔
(تفسیر قرطبی ص۱۲۰ ج ۲)

امام عبدالرزاق نے ابن جریج اور عطاء اور سعید بن المسیب وغیرہ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت آدمؑ کی طرف وحی بھیجی کہ اے آدم جب تم زمین پر اترو تو میرے لیے ایک گھر بناؤ اور پھر اس کا طواف کرو جیسا کہ تم نے فرشتوں کو میرے عرش کا طواف کرتے دیکھا ہے۔

وفی روایۃ عن ابن عباس قال لما اھبط آدم من الجنۃ الی الارض قال لہ یاآدم اذھب وابن لی بیتا نطف بہ واذکرنی عندہ کما رأیت الملائکۃ تصنع بعرشی
(تفسیر قرطبی ص۱۲۱ ج۲)

اور ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب آدم علیہ السلام جنت سے زمین پر اتارے گئے تو اللہ تعالےٰ نے ان سے یہ فرمایا اے آدمؑ تم جاؤ۔ اور زمین پر میرے لیے ایک گھر بناؤ اور اس کا طواف کرو اور اس کے سامنے میرا ذکر کرو جیسا کہ تم نے فرشتوں کو میرے عرش کا طواف کرتے دیکھا ہے۔

پس جبکہ خانہ کعبہ عرش عظیم کی محاذات میں ہے تو عرش عظیم کے انوار اور تجلیات خانہ کعبہ میں منعکس ہوں گے اور اگر یہ کہا جائے کہ عرش عظیم اور خانہ کعبہ کے درمیان بیت المعمور واقع ہے (جو ساتویں آسمان پر فرشتوں کا قبلہ ہے) وہ درمیان میں حائل ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ اس کی حیلولت خانہ کعبہ پر عرش عظیم کی تجلی سے مانع نہیں اس لیے کہ بیت المعمور ایک صاف وشفاف آئینہ کی طرح ہے اور ٹھیک عرش عظیم کی محاذات میں واقع ہے تو تقابل میں کوئی فرق نہ آئے گا اور نہ تعاکس انوار میں کوئی خلل آئے گا اگر آفتاب کے سامنے یکے بعد دیگرے دو صاف وشفاف آئینے بالکل ایک دوسرے کی محاذات میں ہوں تو انعکاس میں کوئی فرق نہ آئے گا۔

مساجد خانہ کعبہ کی محاذات میں ہیں

جب یہ معلوم ہوگیا کہ خانہ کعبہ عرش عظیم کی محاذات میں ہے اور یہ سب کو معلوم ہے کہ روئے زمین کی تمام مسجدیں خانہ کعبہ کی سمت پر واقع ہیں تو اس محاذات اور مسامتت کی وجہ سے خانہ کعبہ اور مساجد کے درمیان میں ایک معنوی تعلق اور ربط قائم ہو جائے گا جیسے بجلی کی تاروں کا کسی مرکز سے تعلق ہوتا ہے پس اس معنوی تعلق کی بناء پر خانہ کعبہ اور مساجد کے انوار وتجلیات میں توارد اور تعاکس ہوگا۔ اِدھر کے انوار اُدھر جائیں گے اور اُدھر کے انوار اِدھر آئیں گے اور انعکاس کے معنی لغت میں لوٹ کر آنے کے ہیں پس خانہ کعبہ بمنزلہ مرکزی نقطہ کے ہوگا اور اقطار عالم میں مساجد کی صفوف بمنزلہ دوائر

محیط یا بمنزلہ خطوط دائرہ ہوں گی جن کا منتہی وہی مرکزی نقطہ ہو گا جس کو خانہ کعبہ کہتے ہیں جیسے بجلی کے تار کسی مرکز سے متعلق ہوتے ہیں تو بیک وقت تمام قمقمے روشن ہو جاتے ہیں اس طرح عرش سے فرش تک اور فرش سے عرش تک آسمانوں اور روئے زمین کی تمام مسجدوں کے انوار و تجلیات میں عجیب قسم کا تجاذب اور تعاکس ہو گا۔

تعمیر بیتُ المقدّس

حدیث میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السّلام نے بحکم خداوندی اول خانہ کعبہ تعمیر کیا اور پھر بحکم خداوندی چالیس سال بعد بیت المقدس کو تعمیر کیا۔

جس سے معلوم ہوا کہ خانہ کعبہ اور بیت المقدس میں چالیس سال کا تفاوت ہے بظاہر اس تفاوت کی وجہ یہ ہے کہ خانہ کعبہ بمنزلہ ایوان شاہی کے ہے اور خداوند ذوالجلال کی شانِ احکم الحاکمین اور شانِ ارحم الراحمین اور شانِ محبوبی کا مظہر اور تجلی گاہ ہے۔

اور بیت المقدس بمنزلہ ایوان وزراء اور دیوان حکام اور بمنزلہ عدالت کے ہے جو اس کی شان عدل اور قہر کا مظہر اور تجلی گاہ ہے۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ عدالت اور ایوان وزراء محل شاہی سے کچھ فاصلہ پر ہوتا ہے اس لیے قبلۂ ثانی (بیت المقدس) کی عمارت خانہ کعبہ کی عمارت سے کچھ فاصلہ پر رکھی گئی۔ اہل نظر کا خیال ہے کہ شان عدل۔ شان ارحم الراحمین سے چالیس درجہ فروتر ہے اس لیے خانہ کعبہ کی تعمیر کے چالیس سال بعد بیت المقدس کی تعمیر ہوئی اور بیت المقدس خانہ کعبہ سے چالیس منزل کے فاصلہ پر شمال کی جانب میں واقع ہے پس عجب نہیں کہ اس حدیث میں اسی تفاوت کی طرف اشارہ ہو اور غالباً یہی وجہ ہے کہ انبیاء سابقین کے دور میں بیت المقدس نماز کا تو قبلہ رہا مگر انبیاء سابقین۔ حج خانہ کعبہ ہی کا کرتے رہے کیونکہ خانہ کعبہ شان محبوبی کا مظہر اور تجلی گاہ ہے اور حج کے تمام افعال سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ سارا عاشقانہ عمل کسی محبوب کی رضا جوئی کے لیے ہے اور ہر سال حج میں جو اجتماع ہوتا ہے اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص کسی جمال بے مثال کا دیوانہ اور پروانہ بنا ہوا ہے نہ سر پر عمامہ اور ٹوپی ہے اور نہ پیر میں کوئی موزہ اور جراب ہے اور نہ بدن پر قمیص اور پاجامہ ہے اور نہ کوئی سلا ہوا کپڑا ہے بدن پر صرف ایک ازار اور ایک چادر ہے نہ کوئی خوشبو اور عطر ہے دمبدم خدا کو پکار رہا ہے نہ مرد کو عورت سے مطلب اور نہ عورت کو مرد سے مطلب بہر حال خانہ کعبہ خانہ محبوبیت ہے اور بمنزلہ محل سرائے شاہی کے ہے اور بیتُ المقدس بمنزلہ عدالت اور کچہری کے ہے جو فقط مظلومین کی دادرسی اور ظالمین کی سزا کے لیے ہوتی ہے۔

اور چونکہ خانہ کعبہ عرش عظیم کی محاذات میں ہے اس لیے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خانہ کعبہ کی برکات اور تجلیات کبھی اُس سے جُدا نہیں ہوتیں اس لیے کہ خانہ کعبہ کی نسبت قرآن کریم میں لفظِ مبارکاً آیا ہے کہ برکت خانہ کعبہ کی صفت ذاتیہ ہے اور بیت المقدس کے بارہ میں بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیت المقدس کی برکات عوارض کی طرح ممکن الانفصال ہیں خانہ کعبہ کی طرح لازم الاتصال نہیں یہی

وجہ ہے کہ بیت المقدس چند بار مخالفوں اور بیدینوں کے ہاتھوں سے خراب اور برباد ہوا اور خانہ کعبہ پر باوجود مخالفین کی کثرت اور شوکت کے آج تک اس کی نوبت نہیں آئی کہ اس کا ایک پتھر بھی مسمار کرنے کی نیت سے اکھاڑ سکے جیساکہ اصحاب فیل کا قصہ اس کا شاہد ہے اس لیے کہ اس کی برکات ذاتی ہیں اور وہ بمنزلہ محل سرائے اور دیوان خاص کے ہے اس لیے اس کی نگہبانی ہمیشہ کے لیے ضروری ہے۔

خلاصہ یہ کہ خانہ کعبہ جس طرح آبادی میں اول ہے اسی طرح ویرانی اور بربادی میں بھی اس کا اوّل ہونا ضروری ہے کہ سارے عالم کی ویرانی اور بربادی کی ابتداء اسی سے ہو اور ایسی ہی جگہ قبلہ بنانے کے لیے لائق ہے جو ہر اعتبار سے اول ہو اور انوار و تجلیات کا مبداء بھی وہی ہو اور منتہیٰ بھی وہی ہو اور ایسے قبلہ کے لیے اوّل ہی درجہ کا نبی اور اوّل ہی درجہ کی امت چاہیئے کہ جو کمالات یزدانی اور عنایات ربانی کا مبداء اور منتہیٰ ہو اور ایسا نبی سوائے خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اور ایسی امت سوائے امت محمدیہ کے اور کوئی نہیں جو کمالات علمیہ یعنی علوم و معارف میں اور کمالات عملیہ یعنی عبدیت اور عبودیت میں سب سے اول ہے اور کمالات عبودیت اس پر ختم ہیں لہٰذا ایسے نبی اور ایسی امت کا قبلہ بھی وہی جگہ ہونی چاہیئے کہ جو انوار ربّانی اور تجلیات یزدانی کا مبداء اور منتہیٰ اور مرکزی نقطہ ہو۔

۳۔ بیت اللہ شریف۔ اس خاص بیت اللہ کا نام اس وقت تک ہے جب تک وہ اس خاص مکان اور خاص جَوّ (خلاء) کے ساتھ مقید رہے چنانچہ اگر اس کے پتھروں کو اٹھا کر دوسری جگہ رکھ دیں تو وہ بیت اللہ نہیں ممکن ہے کہ کوئی یہ خیال کرے کہ بیت اللہ ایک کوٹھا ہے جب اس کو منہدم کر دیا جائے تو بس حج نہ ہوگا بلکہ اُس زمین کا نام بھی نہیں چنانچہ اگر تحت الثریٰ تک وہاں کی مٹی اٹھا کر دوسری جگہ ڈال دی جائے تب بھی بیتُ اللہ موجود ہے پس بیت اللہ درحقیقت اُس بُعدِ مجرّد کا نام ہے جو تحت الثریٰ سے عنان سماء تک ہے نہ وہ کوٹھا بیت اللہ ہے اور نہ وہ زمین بیت اللہ ہے چنانچہ اگر کوئی بیتُ اللہ شریف کے اوپر یا کسی مکان کے اوپر نماز پڑھے جو بیت اللہ سے بلند ہو تو اُس کی نماز بلاشُبہ درست ہے۔

۴۔ یہاں سے اس اعتراض کا جواب بھی ہوگیا جو بعض غیر قوموں نے کیا ہے کہ مسلمان بھی بت پرستی کرتے ہیں یعنی کعبہ کی طرف سجدہ کرتے ہیں۔

تقریر جواب ہم خانۂ کعبہ کی عبادت اور پرستش نہیں کرتے اور نہ ہم خانہ کعبہ کو معبود اور مسجود سمجھتے ہیں ہم عبادت صرف خدا کی کرتے ہیں البتہ منہ قبلہ کی طرف کرتے ہیں چنانچہ لفظ استقبال کعبہ اور لفظ بت پرستی خود اس پر شاہد ہے۔ استقبال کے معنی صرف اس کی طرف منہ کرنے کے ہیں اور بت پرستی کے معنی یہ ہیں کہ بت معبود ہیں ہاں اگر اہل اسلام کعبہ پرستی کے قائل ہوتے تو اعتراض بجا تھا۔ دوّم یہ کہ اہلِ اسلام کے نزدیک نماز کے صحیح ہونے کے لیے فقط کعبہ کی طرف منہ ہوجانا کافی ہے استقبال کی نیت کی بھی ضرورت نہیں مقصود معبود ہے اس کی

نیّت ضروری ہے۔ جہت قبلہ اس کا وسیلہ ہے اور وسیلہ کی نیت ضروری نہیں۔ معاذ اللہ اگر خانہ کعبہ کی عبادت ہوتی تو معبود کی نیت ضروری ہوتی۔ سوّم یہ کہ نماز کے شروع سے لے کر اخیر تک کوئی لفظ بھی ایسا نہیں جو خانہ کعبہ کی تعظیم پر دلالت کرے شروع سے اخیر تک ہر لفظ اور ہر فعل حق تعالیٰ کی تعظیم اور کبریائی اور اس کی حمد و ثناء اور تسبیح و تقدیس ہی پر دلالت کرتا ہے اوّل سے اخیر تک خانہ کعبہ کا نام تک نہیں آتا اور بت پرستی میں ان پتھروں اور مورتوں کی تعظیم ہوتی ہے جن کو آپ مہادیو اور شب وغیرہ بتاتے ہیں غرض یہ کہ بت پرستی کو نماز سے کیا نسبت ہے ع

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

چہارم یہ کہ خانہ کعبہ ان اینٹوں اور پتھروں کا نام نہیں اور نہ انہدامِ کعبہ کے بعد نماز موقوف ہو جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ جس زمانہ میں خانہ کعبہ اور اس کی دیواریں منہدم ہوئیں نماز بدستور قدیم جاری رہی اگر دیوار کعبہ مسجود و معبود یا مقصود ہوتی تو اس زمانہ میں نماز موقوف رہتی بہت ہوتا تو یہ کہ بعد تعمیر ایام گزشتہ کی عبادت قضا کی جاتی اور بت پرستی میں ظاہر ہے کہ بت ہی معبود اور مسجود اور مقصود ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ کسی شوالے یا مندر سے بتوں کو اٹھا کر کہیں اور رکھ دیں تو پھر سارے فرائض وہیں ادا ہوتے ہیں۔ مکان اوّل کو کوئی نہیں پوچھتا ؎

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

اور یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص خانہ کعبہ کی چھت پر نماز پڑھے تو اس کی نماز درست ہے اگر کعبہ مسلمانوں کا معبود ہوتا تو اُس کے اوپر چڑھ کر نماز درست نہ ہوتی اس لیے کہ خانہ کعبہ اب اس کے سامنے نہیں نیز معبود پر چڑھنا گستاخی ہے۔ معترضین نے اپنے اوپر قیاس کیا ہوگا کہ وہ گائے اور بیل کو دیوتا اور معبود بھی سمجھتے ہیں پھر ان پر سوار بھی ہوتے ہیں اور سامان بھی لادتے ہیں اور اگر دیوتا جلدی جلدی نہیں چلتا تو پیچھے سے اُسکے ڈنڈے بھی مارتے ہیں۔ ع

بریں عقل و دانش بباید گریست

پنجم خانہ کعبہ کو اہل اسلام بیت اللہ کہتے ہیں۔ اللہ یا خدا نہیں کہتے اور ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مکان کی طرف جاتا ہے تو مکین مقصود ہوتا ہے اور وہاں جاکر جو آداب و نیاز بجالاتا ہے تو ہر شخص اُس آداب و نیاز کو صاحب خانہ کیلئے سمجھتا ہے جیسے تخت کی طرف جھک کر سلام کرتا تو وہ سلام صاحبِ تخت کو ہوتا ہے خود تخت کو نہیں ہوتا اور بت پرست اپنے بتوں کو خانۂ خدا یا تخت خدا نہیں سمجھتے بلکہ وہ بت خود مقصود اور معبود ہوتے ہیں اور ان کو مہادیو یا شب یا گنیش وغیرہ سمجھ کر اُن کی عبادت کرتے ہیں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس اللہ سرہٗ کی تحریر کا خلاصہ ختم ہوا تفصیل کے لیے حضرات اہلِ علم قبلہ نما کی مراجعت فرمائیں۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم

قُلْ يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِـَٔايَٰتِ ٱللَّهِ ۖ

تو کہہ اے اہل کتاب ! کیوں منکر ہوتے ہو اللہ کے کلام سے ؟

وَٱللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا تَعْمَلُونَ ﴿٩٨﴾ قُلْ يَٰٓأَهْلَ

اور اللہ کے روبرو ہے جو کرتے ہو ۔ تو کہہ اے اہلِ

ٱلْكِتَٰبِ لِمَ تَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ مَنْ ءَامَنَ

کتاب کیوں روکتے ہو ؟ اللہ کی راہ سے ، ایمان لانے والے

تَبْغُونَهَا عِوَجًا وَأَنتُمْ شُهَدَآءُ ۗ وَمَا ٱللَّهُ

کو ، ڈھونڈتے ہو اس میں عیب ، اور تم خبر رکھتے ہو ۔ اور اللہ

بِغَٰفِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٩٩﴾

بے خبر نہیں تمہارے کام سے ۔

ملامت اہل کتاب بر کفر و اغواء

قال تعالیٰ قُلْ يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ لِمَ تَكْفُرُونَ .... الیٰ .... وَمَا ٱللَّهُ بِغَٰفِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۔

(ربط) گزشتہ آیات میں یہود کے شبہات کا جواب دے کر یہ ثابت کر دیا گیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دینِ ابراہیمی پر ہیں اور خانہ کعبہ ہی اوّل معبد اور بناءِ ابراہیمی ہے اب ان آیات میں اہل کتاب کو ملامت کی جاتی ہے کہ حق واضح ہو جانے کے بعد تمہارا عجب حال ہے کہ خود بھی قبول حق سے محروم ہو اور دوسروں کو بھی راہ حق سے ہٹانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہو اسلام میں جھوٹے اور فرضی شکوک نکال نکال کر لوگوں کو یہ باور کرانا چاہتے ہو کہ اسلام سیدھا راستہ نہیں بلکہ ٹیڑھا ہے اللہ تعالیٰ تمہاری ان سازشوں سے غافل نہیں چنانچہ فرماتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ اے اہلِ کتاب کیوں منکر ہوتے ہو اللہ کی نشانیوں کے جن سے خانہ کعبہ کا قبلۂ ابراہیمی ہونا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ملت ابراہیمی پر ہونا خوب واضح اور روشن ہے اور تم کو یقین ہے کہ دین محمدی بالکل سچ ہے اور کعبہ قبلۂ ابراہیمی ہے اور اس کا حج فرض ہے پھر اس علم اور یقین کے بعد تم کیوں انکار کرتے ہو اور اللہ گواہ ہے اس چیز پر جو تم کر رہے ہو لہٰذا حق

کا چھپانا تم کو مفید نہ ہوگا اور آپ اُن سے یہ بھی کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب تم کیوں کوشش کرتے ہو اللہ کی راہ یعنی دین اسلام سے روکنے اور ہٹانے کی اس شخص کو جو ایمان لانے کا ارادہ کر چکا ہے تم اس راستہ میں کجی ڈھونڈتے ہو یعنی اس سیدھے راستہ میں فرضی شبہے نکال کر یہ بتانا چاہتے ہو کہ یہ راستہ کج ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دین حق میں جھوٹ موٹ کے عیب نکالتے رہتے ہو تاکہ مسلمانوں کے دلوں میں شکوک پیدا ہو جائیں اور یہ سمجھنے لگیں کہ یہ راستہ سیدھا نہیں حالانکہ تم خود گواہ ہو کہ دین اسلام اللہ تعالے کی سیدھی راہ ہے پس اس میں عیب کہاں سے آیا۔ اور جو کام تم کرتے ہو یعنی لوگوں کو خدا کی راہ سے روکنا اللہ اس سے غافل نہیں وہ ضرور تمہیں اس کی سزا دے گا پہلی آیت میں اُن کا عمل کفر تھا جو ظاہر تھا اس لیے پہلی آیت کو وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ پر ختم فرمایا۔ اور دوسری آیت میں ان کا عمل، مسلمانوں کو حیلہ اور مکر کے ذریعہ اسلام سے روکنا تھا جو مخفی اور پوشیدہ تھا اس لیے دوسری آیت کو وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ پر ختم فرمایا ہر آیت میں وہی الفاظ استعمال فرمائے جو ان کے عمل کے مناسب تھے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ

اے ایمان والو! اگر تم مانو گے، بعضے

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ

اہل کتاب کی بات، تو پھر کر دیں گے تم کو ایمان لائے

كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ

پیچھے منکر۔ اور تم کس طرح منکر ہو؟ اور تم پر پڑھی جاتی ہیں

اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ۭ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ

آیتیں اللہ کی اور تم میں اس کا رسول ہے۔ اور جو کوئی مضبوط پکڑے اللہ کو،

فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ ع

وہ پہنچا سیدھی راہ پر۔

۱۵ ع ۱۰ ۱

مسلمانوں کو اہلِ کتاب کے دھوکہ میں نہ آنیکی نصیحت

قال تعالےٰ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِیْعُوْا .... الیٰ .... فَقَدْ ھُدِیَ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ٥

(ربط) گزشتہ آیات میں یہ بیان تھا کہ اہلِ کتاب طرح طرح کے حیلوں اور مکاریوں سے مسلمانوں کو بہکانے اور گمراہ کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں اب ان آیات میں مسلمانوں کو اس امر کی تفہیم اور فہائش کی جاتی ہے کہ اہل کتاب کے دھوکہ میں نہ آئیں اور ان کی بات نہ مانیں ورنہ وہ تمہیں رفتہ رفتہ اسلام سے پھیر کر کافر بنا دیں گے۔

شانِ نزول

ان آیتوں کا شانِ نزول یہ ہے کہ شماس بن قیس یہودی جس کو مسلمانوں سے غایت درجہ حسد تھا ایک دن اس کا انصار کی ایک مجلس پر گذر ہوا جس میں انصار کے دونوں قبیلوں اوس اور خزرج کے لوگ شیر وشکر ہوئے بیٹھے تھے اور آپس میں محبت اور اُنس کے ساتھ باتیں کر رہے تھے حالانکہ اسلام سے پہلے ان دونوں قبیلوں میں غایت درجہ عداوت تھی اور ان دونوں قبیلوں میں جنگ عظیم ہوتی تھی۔ اسلام کی برکت سے وہ عداوت جاتی رہی تھی اور اب کوئی اس کا اثر باقی نہ رہا تھا اس یہودی کو مسلمانوں کا محبت اور اتفاق کے ساتھ ایک جگہ بیٹھنا سخت ناگوار گزرا آخر اُس نے ان کے پاس بیٹھ کر وہ لڑائیاں یاد دلائیں جو زمانۂ جاہلیت میں ان دونوں قبیلوں میں واقع ہوئی تھیں۔ اور ان لڑائیوں کے متعلق شعراء نے جو اشعار کہے تھے وہ بھی انہیں کچھ پڑھ کر سنائے اس سے ان دونوں قبیلوں کو ایسا جوش آیا کہ تلواریں سونت کر کھڑے ہوگئے۔ یہ خبر آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو پہنچی آپ اسی وقت مع ان مہاجرین وانصار کے جو اس وقت آپ کی خدمت میں موجود تھے اُن کی مجلس میں تشریف لائے اور یہ فرمایا کہ کیا تم لوگ پھر جاہلیت کی باتوں کی طرف جاتے ہو حالانکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں اور خدا تعالےٰ نے تم کو اسلام سے عزت عطا فرمائی اور تمہارے دلوں میں الفت عطا فرمائی آپ کے اس ارشاد کے بعد سب اپنی حرکت پر نادم ہوئے اور فوراً ہتھیار ڈال دیئے اور ایک دوسرے سے گلے ملے اس پر اللہ تعالےٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں اے مسلمانو تم اہل کتاب کا کہنا نہ مانو اگر تم بعض اہلِ کتاب کی بات مانوگے تو یہ تم کو ایمان کے بعد کافر بنا کر چھوڑیں گے کیونکہ حسد رکھتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ جیسے خود کافر ہیں ایسے ہی تم بھی کافر ہو جاؤ اور تم کیسے کفر کروگے حالانکہ تم پر اللہ کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں اور تم میں خدا کا پیغمبر موجود ہے کہ جو تم کو وعظ ونصیحت کرتے رہتے ہیں اور تمہارے شبہوں کو زائل کرتے

رہتے ہیں جس کے بعد غلط فہمی کی کوئی گنجائش نہیں اور جو مضبوط پکڑے اللہ کو یعنی اللہ کی کتاب کو اور اس کے رسول کی تلقین اور ہدایت کو اور اس پر عمل کرے پس تحقیق رہنمائی کی گئی اس کی سیدھی راہ کی طرف کہ اب اس کو شبہات سیدھے راستہ سے نہ ہٹا سکیں گے۔

فائدہ آیت کَیْفَ تَکْفُرُوْنَ۔ میں کفر سے عام معنی مراد ہیں جو کفر اعتقادی اور کفر عملی دونوں کو شامل ہے اس لیے کہ مسلمانوں کی نااتفاقی اور باہمی قتال و جدال عملی کفر ہے کیونکہ نااتفاقی مسلمان کو کفر کے قریب پہنچا دیتی ہے اور قاعدہ عقلیہ ہے القریب من الشئ یا خذ حکمہ کہ جو جس سے قریب ہوا اسی کا حکم لے لیتا ہے قرآن کریم محاورات کے مطابق نازل ہوا ہے اور محاورہ میں جو شخص جس قوم کے افعال کرتا ہے اس پر اسی قوم کا اطلاق کرتے ہیں جیسے کمینہ حرکت کرنے والے کو کہتے ہیں کہ تُو تو چمار ہے اور کبھی کہتے ہیں کہ تُو تو گدھا ہے یعنی تیری یہ حرکت چمار اور گدھے جیسی ہے تنفیر (یعنی نفرت دلانے کے لیے یہ عنوان اختیار کیا گیا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ یہ شخص حقیقۃً چمار ہو گیا بلکہ مراد صرف یہ ہوتی ہے کہ عملاً چمار اور گدھا ہو گیا اسی طرح یہاں مراد یہ ہے کہ قتال و جدال کرنے والا عملاً کافر ہے گو اعتقاداً مومن ہے پس جیسا کہ چمار اور حمار کی دو قسمیں ہیں ایک حقیقی چمار جس کی ذات ہی چمار ہو ایک عملی چمار جو چمار دل جیسے کام کرے۔

اسی طرح کافر کی بھی دو قسمیں ہیں ایک حقیقی کافر جو اعتقادی طور پر کفر کا مرتکب ہو دوسرے عملی کافر جو کافروں جیسا عمل کرتا ہو یہ تقسیم محاورات کے بالکل موافق ہے کوئی دقیق بات نہیں مگر معتزلہ اور خوارج نے اس محاورہ کو نہیں سمجھا اور کفر کو حقیقی معنی پر محمول کر کے حکم لگا دیا کہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب حقیقۃً کفر ہے یا گناہ کبیرہ کے ارتکاب سے حقیقۃً ایمان سے خارج ہو جاتا ہے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ حَقَّ

اے ایمان والو! ڈرتے رہو اللہ سے جیسا

تُقَاتِهِۦ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ ﴿١٠٢﴾

چاہیے اس سے ڈرنا۔ اور نہ مریو مگر مسلمان

وَٱعْتَصِمُوا۟ بِحَبْلِ ٱللَّهِ جَمِيعًا وَلَا

اور مضبوط پکڑو رسی اللہ کی سب مل کر اور

تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ

پھوٹ نہ ڈالو۔ اور یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر جب تھے تم

اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ

آپس میں دشمن۔ پھر الفت دی تمہارے دلوں میں، اب ہو گئے اس کے فضل سے

اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ

بھائی۔ اور تم تھے کنارے پر ایک آگ کے گڑھے کے،

فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ

پھر تم کو اس سے خلاص کیا۔ اسی طرح کھولتا ہے اللہ تم پر نشانیاں اپنی شاید تم

تَهْتَدُوْنَ ﴿١٠٣﴾ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى

راہ پاؤ۔ اور چاہیئے کہ رہیں تم میں، ایک جماعت بلاتے نیک

الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ

کام پر اور حکم کرتے پسند بات کو اور منع کرتے ناپسند کو۔

وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿١٠٤﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ

اور وہی پہنچے مراد کو۔ اور مت ہو ان کی طرح جو پھوٹ

تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَھُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ

گئے اور اختلاف کرنے لگے بعد اس کے کہ پہنچ چکے ان کو حکم صاف۔

وَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿١٠٥﴾ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ

اور اُن کو بڑا عذاب ہے۔ جس دن سفید ہوں گے بعضے منہ

وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ

اور سیاہ ہوں گے بعضے منہ، سو وہ جو سیاہ ہوئے منہ اُن کے،

أَكَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ

کیا تم کافر ہو گئے ایمان میں آکر اب چکھو عذاب بدلہ اس

تَكْفُرُونَ ﴿۱۰۶﴾ وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي

کفر کرنے کا ؛ اور وہ جو سفید ہوئے منہ ان کے سو

رَحْمَةِ اللَّهِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۱۰۷﴾ تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ

رحمت میں ہیں اللہ کی، وہ اس میں رہ پڑے ؛ یہ حکم ہیں اللہ

نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۗ وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِّلْعَالَمِينَ ﴿۱۰۸﴾

کے، ہم سناتے ہیں تجھ کو تحقیق۔ اور اللہ ظلم نہیں چاہتا جہان والوں پر ؛

وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَإِلَى اللَّهِ

اور اللہ کا مال ہے جو کچھ ہے آسمان اور زمین میں - اور اللہ تک

تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿۱۰۹﴾ ع ۱۱ ۸ ۲

رجوع ہے ہر کام کی ؛

مسلمانوں کو تقویٰ اور اتباعِ شریعت پر متفق رہنے کی تاکید اکید اور پچھلی امتوں کی طرح افتراق اور اختلاف کی ممانعت

قال تعالٰے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ .... الٰے .... وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ہ

(ربط) گزشتہ آیت میں حق تعالٰے نے باہمی قتال و شقاق کو تَكْفُرُونَ یعنی کفر سے تعبیر فرمایا اب آئندہ آیت میں تقویٰ اور اعتصام بحبل اللہ یعنی اتفاق اور اتحاد اور اسلامی مواخات کا حکم دیتے ہیں۔ اور اتفاق اور اتحاد کا ایک دستور العمل بتلاتے ہیں وہ یہ کہ اول تقویٰ اور اسلام پر مداومت اور استقامت کا حکم دیا پھر اعتصام بحبل اللہ کا حکم فرمایا کہ سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑو پھر یہ ارشاد فرمایا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ الخ جس میں حکم دیا کہ اتفاق اور اتحاد کی نعمت کو یاد کرو۔

اور اس نعمت کو اور اس کی برکات کو یاد کرکے موازنہ کرو کہ پہلے تمہاری کیا حالت تھی اور اب کیا حالت ہے اور باہمی شقاق اور قتال میں کیا کیا مصیبتیں اور ذلتیں اٹھائیں اور اسلام کی بدولت جو تم کو اتفاق کی نعمت ملی اس میں تم کو کیا کیا راحتیں اور عزتیں ملیں چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے جیسے چاہیئے اس سے ڈرنا جتنا تم سے ممکن ہو اس میں کوتاہی نہ کرو اور دشمنوں کے ورغلانے سے حسد اور فخر میں مت پڑو اور حاسدوں کے یاد دلانے سے گزشتہ عداوتوں کا خیال کرکے اسلامی اخوت اور مودت اور ایمانی محبت والفت کو مکدر نہ کرو اور سوائے اسلام کے اور کسی حالت پر ہرگز جان نہ دینا یعنی مرتے دم تک اسلام پر قائم رہنا۔ اسلام دین اور دنیا کی نعمتوں کا سرچشمہ ہے اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑے رہو۔ یعنی قرآن کریم اور دین اسلام اور شریعت کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہو جس طرح رسی کو پکڑ لینا اوپر سے گرنے سے بچاتا ہے اور نیچے سے اوپر تک پہنچنے کا ذریعہ بن جاتا ہے اسی طرح قرآن کریم اور دین اسلام کو مضبوط پکڑنا۔ بندہ کو خدا تک پہنچاتا ہے اور آگ میں گرنے سے بچاتا ہے اور خدا کی رسی اس قدر مضبوط ہے کہ ٹوٹ تو نہیں سکتی لا انفصام لہا۔ البتہ غفلت کی بنا پر ہاتھ سے چھوٹ سکتی ہے۔ غرض یہ کہ سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑو۔ اور متفرق اور پراگندہ مت ہو۔ یعنی خدا کی رسی پکڑنے والوں سے کبھی جدا اور علیحدہ نہ ہونا بلکہ ہمیشہ اُن کے ساتھ رہنا تاکہ تم بھی ان کے ساتھ مل کر خدا تک پہنچ جاؤ جو شخص خدا کی رسی کو چھوڑ دے گا وہ اوپر سے نیچے گرے گا۔ اور خدا کی رسی پکڑنے والے اوپر پہنچ جائیں گے اور چھوڑنے والا ہلاکت اور ذلت اور حسرت کے گڑھے میں ہوگا اور یاد کرو تم اللہ کے اُس انعام اور احسان کو جو تم پر مبذول ہوا کہ جب تم اسلام سے پہلے ایک دوسرے کے دشمن تھے اور باہم برسرپیکار تھے پھر خدا نے تم کو اسلام کی توفیق دے کر تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی پس ہوگئے تم اللہ کے فضل سے بھائی بھائی اور برسوں کی عداوت مبدل بالفت ہوگئی یہ تو دنیوی نعمت ہوئی اب آئندہ آیت میں اُخروی نعمت کا ذکر فرماتے ہیں اور تم جہنم کے گڑھے کے کنارہ پر کھڑے تھے کہ جہنم میں جانے کے لیے صرف مرنے کی دیر تھی کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے بچا لیا یہ دینی اور اُخروی نعمت ہوئی کہ تم شرک اور بت پرستی اور گندے عقائد اور اعمال کی وجہ سے دوزخ کے کنارہ پر آگئے تھے اس میں گرنے کے لیے صرف مرنے کی دیر تھی اگر تم اس وقت مر جاتے تو سوائے دوزخ کے کوئی ٹھکانہ نہ تھا ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد کی کہ تمہیں اسلام کی توفیق دے کر دوزخ کے گڑھے سے بچا لیا پس تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرکے ان کی قدر کرو اور شکر کرو اور شکر یہی ہے کہ حبل اللہ کو مضبوط پکڑے رہو اور یہود کے اغواء سے اسلام کو نہ چھوڑو جس کی برکت سے تم کو یہ نعمتیں ملی ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنی نشانیاں بیان کرتا ہے تاکہ تم سیدھے راستہ پر چلتے رہو اور گمراہی کے گڑھے میں نہ گرو۔ اور جس طرح تم خدا کی رحمت سے گمراہی کے گڑھے سے نکل گئے ہو اسی طرح تم میں سے ایک ایسی جماعت ہونی چاہیئے کہ جو اپنے بھائیوں کو آگ کے گڑھے سے نکالنے کی کوشش

کرے جس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ دوسروں کو نیکی کی طرف بلائیں اور اچھے کاموں کی ہدایت کریں اور بُرے کاموں سے منع کریں اور ایسے ہی لوگ جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہیں مراد کو پہنچنے والے ہیں اور جو ایسا نہیں کرتے وہ سراسر نقصان اور خسارہ میں ہیں معروف وہ ہے جسکو شریعت اور کتاب و سنت پہچانتی ہو اور منکر وہ ہے جسکو شریعت کا علم نہ جانتا ہو کہ یہ کیا بلا ہے۔

ف گزشتہ آیتوں میں اللہ تعالٰی نے اہل کتاب کے دو عیب بیان فرمائے۔ یَآ اَھْلَ الْکِتٰبِ لِمَ تَکْفُرُوْنَ اے اہل کتاب تم خود کیوں کفر کرتے ہو۔ دوم یہ کہ تم دوسروں کو کافر بنانے کی کیوں کوشش کرتے ہو۔ کما قال تعالٰی یَآ اَھْلَ الْکِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الخ اہل کتاب کے ان دونوں عیبوں کے بیان کرنے کے بعد اس کے بالمقابل حق تعالٰی مسلمانوں کو دو باتوں کا حکم دیتے ہیں اوّل یہ کہ تم خود تقویٰ اور اسلام پر قائم رہو دوم یہ کہ دوسروں کو خیر اور نیکی کی دعوت دو اور لوگوں کو راہ راست پر لانے کی کوشش کرو اور اُن لوگوں کے مشابہ اور مانند نہ بنو جو حق سے جدا ہو گئے اور اللہ کی رسی کو چھوڑ کر بہتّر فرقے بن گئے اور اختلاف کرنے لگے بعد اس کے کہ اُن کے پاس اللہ کی طرف سے صریح اور واضح احکام آچکے تھے یعنی خدا کی صریح آیتیں اور واضح ہدایتیں آجانے کے بعد اپنی نفسانی خواہشوں سے دین میں اختلاف ڈالا اور مختلف فرقے بن گئے جاننا چاہیئے کہ تفرق اور اختلاف وہ ممنوع اور منہی عنہ ہے جو شریعت کے ایسے صریح احکام میں جن میں کسی قسم کا اشتباہ نہ ہو ان میں اختلاف کرنے لگو اور اُس اختلاف کا منشا محض نفسانیت ہو ایسا اختلاف بلاشبہ ممنوع ہے البتہ جو امور اجتہادی ہوں اور شریعت میں اُن کا حکم صاف اور صریح نہ ہو اور ادلۂ شرعیہ بظاہر باہم متعارض معلوم ہوتی ہوں تو ایسے امور میں تحقیق حق کے لیے اختلاف کرنا ممنوع اور منہی عنہ نہیں بلکہ عین رحمت ہے صحابہ کرام اور پھر تابعین اور ائمہ مجتہدین کا کوئی اختلاف شریعت کے کسی صریح اور واضح حکم میں نہیں بلکہ وہ اجتہادی مسائل میں ہے جو ان میں سے صواب کو پہنچا اس کے لیے دو اجر ہیں اور جس سے کوئی اجتہادی خطا ہوئی اس کے لیے ایک اجر ہے حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اختلاف صحابہ و تابعین پر مستقل کتاب لکھی ہے اس کو دیکھ لیا جائے اور ایسے لوگوں کے لیے جو آیات بینات اور احکام واضحات کے آجانے کے بعد تفریق اور اختلاف کریں بڑا عذاب ہے اس لیے کہ آیات بینات کے بعد اختلاف کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ صریح اور واضح حکم پر اتفاق واجب اور لازم ہے تاویل کا محل آیات متشابہات ہیں یعنی جو آیات محتمل الدلالت ہیں ان میں تاویل اور توجیہ کی گنجائش ہے۔ اور جو آیات محکمات ہیں یعنی واضح الدلالۃ ہیں اور ان کی مراد واضح ہے ان میں تاویل نہیں چلتی اُس روز یعنی قیامت کے دن بعضے چہرے سفید اور روشن ہوں گے جنہوں نے دنیا میں نور حق کا اتباع کیا ہوگا اور دلائل اور براہین کی روشنی میں چلے ہوں گے اور بعضے چہرے سیاہ ہوں گے جنہوں نے دنیا میں باطل کی ظلمتوں اور نفسانی خواہشوں کا اتباع کیا ہوگا ہر ایک کو اس کے حال کے مناسب جزا ملے گی پس جن لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے ان سے بطور ملامت یہ کہا جائے گا کیا تم لوگوں نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا۔ یعنی آیات محکمات اور آیات بینات میں طرح طرح کی تاویلیں کیں اور دین میں تفرقہ برپا کیا۔ بدعت چونکہ مظلم اور تاریک ہے اور اس کا

رنگ سیاہ ہے اس لیے اس ظلمت کے اتباع کرنے والوں کے چہرے سیاہ ہوں گے بدعت کی باطنی ظلمت اور سیاہی آنکھوں سے دکھلا دی جائے گی۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ شبہ یہ ہے کہ ایمان کے بعد کفر کرنے کا کیا مطلب ہے حالانکہ ان میں بعضے اصلی کافر بھی ہیں جو ایمان لانے کے بعد کافر نہیں ہوئے۔

جواب علماء تفسیر نے اس شبہ کے مختلف جواب ذکر فرمائے ہیں بعض مفسرین یہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت منافقین کے بارہ میں نازل ہوئی اور معنی یہ ہیں کہ منہ سے کلمہ اسلام کا پڑھتے ہیں اور عقیدہ اسلام کے خلاف رکھتے ہیں اور بعض یہ کہتے ہیں کہ دعویٰ تو ایمان کا ہے اور عمل اس کے خلاف ہے۔ دعویٰ تو اتباع سنّت کا ہے مگر مبتلا بدعتوں میں ہیں اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ایمان سے وہ ایمان مراد ہے جو عہد الست کے وقت لوگوں سے ربوبیت کا اقرار لیا گیا۔ بعد میں بعض اُس عہد پر قائم رہے اور بعض منحرف ہوگئے لہٰذا جو شخص بھی دنیا میں کفر کرتا ہے۔ وہ اس ایمان کے بعد ہی کرتا ہے۔ اور عکرمہؒ اور زجاجؒ یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت اہل کتاب کے بارہ میں ہے کہ قبل از بعثت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا اقرار کرتے تھے مگر بعثت کے بعد آپ کی رسالت کے منکر ہوگئے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت مرتدین کے حق میں ہے کہ ایمان لانے کے بعد کافر ہوئے اور حق یہ ہے کہ یہ آیت عام ہے اور علی حسب المراتب سب کفر کرنے والوں کو شامل ہے۔ قیامت کے دن تمام کافروں کے چہرے سیاہ ہوں گے کسی خاص کافر کی تخصیص نہیں۔

کما قال تعالےٰ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ
وقال تعالےٰ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن اُن تمام لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے جنہوں نے اللہ پر جھوٹ بولا ہے سو جاننا چاہیئے کہ سب کافر اللہ پر جھوٹ بولنے والے ہیں کوئی کافر ایسا نہیں جو اللہ پر جھوٹ نہ بولتا ہو اس لیے کہ ہر کافر اپنے دین باطل کو دین الٰہی جانتا ہے اور جو شخص سرے ہی سے خدا تعالےٰ کے وجود کا منکر ہے وہ بھی اللہ پر جھوٹ بولتا ہے کہ اس کے بارہ میں ایک غلط اور جھوٹا اعتقاد رکھتا ہے۔

اور اگر آیت میں کفر سے عام معنی مراد لیے جائیں کہ کفر اعتقادی ہو یا عملی تو پھر اس آیت کے عموم میں اہل بدعت اور اہل ہویٰ مثل خوارج اور روافض وغیرہ بھی داخل ہوجائیں گے جیسا کہ امام رازیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ سے اس امت کے اہل بدعت اور اہل اہواء مراد ہیں (تفسیر کبیر صد ۲۳ ج ۲)

اور رافضی اور خارجی سب اس کے عموم میں داخل ہیں جو راہ سنّت کو چھوڑ کر راہ بدعت پر ہوئے
پس چکھو تم عذاب کو بسبب اس کے کہ تم کفر میں اعتقاداً یا عملاً مبتلا ہو اور وہ لوگ جن کے چہرے قیامت کے

دن سفید اور روشن ہوں گے یعنی اہل سنّت والجماعت جنہوں نے اللہ کی رسی کو اسی طرح مضبوطی کے ساتھ پکڑا جس طرح اللہ کے نبی نے بتلایا اور جس طرح صحابہ کرام کی جماعت نے اُس رسّی کو پکڑا تھا کیونکہ یہی راہ نور مبین اور مشعل ہدایت ہے اس لیے اس کے پیروؤں کے چہرے قیامت کے دن سفید اور روشن ہوں گے ایسے لوگ اللہ کی رحمت میں ہوں گے اور ہمیشہ اس میں رہیں گے. رحمت یعنی جنت میں داخل ہونا یہ بھی نعمت ہے اور اُس رحمت میں خلود اور دوام یہ دوسری نعمت ہے اس لیے دونوں نعمتوں کو الگ الگ ذکر کیا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ قیامت کے دن جن کے چہرے روشن اور سفید ہوں گے وہ اہل سنّت والجماعت کے چہرے ہوں گے. حافظ ابن کثیرؒ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ کی تفسیر میں فرماتے ہیں یوم القیامۃ حین تبیض وجوہ اھل السنۃ والجماعۃ وتسود وجوہ اھل البدعۃ والفرقۃ قالہ ابن عباس رضی اللہ عنہما۔

(تفسیر ابنِ کثیر ص ۳۹۰ ج ۱)

جس درجہ شریعت کے تبع ہوں گے اسی درجہ کا چہرہ پُرنور ہوگا یہ اللہ کی نشانیاں ہیں یعنی قرآن اور اسلام اور آپ کی نبوت کی حقانیت کے دلائل ہیں جن کو ہم آپ کے سامنے پڑھ کر سناتے ہیں حق کے ساتھ یعنی ان کا مضمون بالکل حق ہے جس میں کسی قسم کا شبہ نہیں اب جو ان دلائل کو نہ مانے اور آپ کی نبوت کا قائل نہ ہو تو یہ اس کے فہم کا قصور ہے اور اللہ تعالیٰ جہان والوں پر ظلم کرنا نہیں چاہتا یعنی ہم نے کافروں اور حق سے تفرق اور اختلاف کرنے والوں کے لیے جو عذاب تیار کیا ہے وہ ظلم نہیں بلکہ وہ ان کے اعمال قبیحہ کی سزا ہے ہم تو ان پر رحمت ہی کرنا چاہتے ہیں لیکن وہ ہماری رحمت میں داخل ہونا ہی نہیں چاہتے. اور اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے یہ خدا تعالیٰ نے اپنے ظلم کے ارادہ نہ کرنے کی وجہ بیان فرمائی ہے مطلب یہ ہے کہ ظلم تو غیر کی ملک میں تصرف کرنے کا نام ہے اور عالم وجود میں کوئی شئے ایسی نہیں جو اس کی مخلوق اور مملوک نہ ہو پھر خدا ظلم کا ارادہ کیسے کر سکتا. ہاں تمام چیزوں کا اس کی ملک ہونا اس امر کو مقتضی ہے کہ وہ اپنی مملوک چیز میں جو چاہے تصرف کرے وہ ظلم نہیں بلکہ عین عدل ہے اور بالآخر تمام امور اللہ ہی کی طرف رجوع ہوں گے یعنی مخلوق کی ابتداء بھی اسی سے ہوئی کہ ہر چیز اسی کی پیدا کی ہوئی ہے اور اسی کی ملک ہے اور اسی پر سب کی انتہاء ہے کہ سب اُسی کی طرف لوٹائے جائیں گے اور بمقتضائے حکمت و رحمت ہر کام کی جزاء اور اجر اس کے مناسب دے گا. معاذ اللہ. خدا تعالیٰ ظالم نہیں. حکیم مطلق ہے اس کا کوئی کام ظلم نہیں بلکہ عین حکمت اور عین عدل اور عین رحمت ہے.

لطائف و معارف

۱۔ اسلام سے مقصود یہ ہے کہ حق جل شانہٗ کی خوشنودی حاصل ہو جائے اور اُس کی ناراضی اور

عذاب سے نجات مل جائے مگر آج کل کے عقلمند اسلام کی طرف محض قومیت کے خیال سے توجہ کرتے ہیں غرض صرف اس قدر ہے کہ ہماری ایک قوم بن جائے اور ہمارے اندر اس سے ایک اتفاق کی شان پیدا ہو جائے۔ دین مقصود نہیں جس کی دلیل یہ ہے کہ ان میں دینی اور مذہبی رنگ نہیں ورنہ اگر یہ جذبہ مذہب کے لحاظ سے ہوتا تو مذہبی اور دینی رنگ بھی ان میں ضرور پیدا ہوتا۔ کذا فی تسہیل المواعظ ص۵ ج ۲۔ جیسے اس زمانہ کی دوسری قومیں اپنے مذہب کے ذریعہ اپنی جماعت تیار کر رہے ہیں یہ بھی انہیں کے قدم بقدم چلتے ہیں اور اسلام کے نام پر قوم تیار کرنا چاہتے ہیں جس کی بڑی علامت یہ ہے کہ ان لوگوں کو احکام شریعت سے کوئی واسطہ نہیں اور نہ آخرت کی فکر ہے۔ کذا فی تسہیل المواعظ ص۶ ج ۲۔

۲۔ جاننا چاہیئے کہ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ میں جس اتفاق کا حکم دیا گیا ہے اُس سے حق پر متفق ہونا مراد ہے اور لَا تَفَرَّقُوْا میں جس تفرق کی ممانعت کی گئی ہے اُس سے تفرق عن الحق مراد ہے یعنی حق سے جدا ہونا چوروں اور اوباشوں میں بھی اتفاق ہوتا ہے۔ مگر وہ مطلوب نہیں حضرات انبیاء کرام اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق لے کر آئے باطل پرست ان کی جان کے دشمن ہو گئے اور ہر جگہ دو دو مذہب اور دو دو فریق بن گئے کیا کوئی متنفس یہ کہہ سکتا ہے کہ معاذ اللہ حضرات انبیاء کرام نے نااتفاقی پھیلائی۔ حضرات انبیاء تو اتفاق ہی کی دعوت دینے کے لیے تشریف لائے مگر مقصود یہ تھا کہ باطل کو چھوڑ کر حق کے ساتھ متفق ہو جائیں مگر لوگوں نے معاملہ برعکس کیا ہر حکومت اتفاق کو فرض اور لازم سمجھتی ہے لیکن اُس کی مراد یہ ہوتی ہے کہ قانون حکومت کے ساتھ اتفاق کرو۔ قانون کے خلاف نہ کرو عدالتوں کا قیام اسی لیے ہے کہ اہل حق کا حق دلایا جائے اور ظالموں کو سزا دی جائے تفرقہ کا مجرم وہ شخص ہے جو قانونِ حکومت کے خلاف کرے اور جو شخص قانون حکومت کے مطابق چل رہا ہو اس کو نااتفاقی کا مرتکب نہیں کہا جا سکتا۔ عدالت میں اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ فلاں شخص نے میرے مال یا آبرو پر یہ زیادتی کی ہے تو جج کو یہ حق نہیں کہ ظالم اور مظلوم دونوں کو یہ کہہ کر عدالت سے باہر نکال دے کہ تم دونوں ملک میں تفرقہ پھیلاتے ہو یا دونوں کی زبان بندی کا حکم دے دے عدالت اگر ایسا حکم دیدے تو یہ عدل نہ ہوگا خیر سے اگر عدالت کا جج کوئی مصلح قوم اور لیڈر بھی ہو تو بحیثیت جج ہونے کے یہ نہیں کہہ سکتا کہ بس تمہارا دعویٰ نہیں سنتا جاؤ اختلاف نہ کرو متفق ہو کر رہو۔ تم لوگ میرا دماغ پریشان کرنے آئے ہو اس لیے میں تمہارا مقدمہ خارج کرتا ہوں۔ اسی طرح علماء کو سمجھو کہ وہ وکلاء کی طرح قانون شریعت کی صحیح تشریح کرتے ہیں اور ملحدین اور بے دین قانون شریعت میں ایسی تاویلیں اور تحریفیں کرتے ہیں جس سے قانون شریعت ان کی خواہشوں اور غرضوں کے مطابق بن جائے۔ علماء دین جب ان ملحدین کے ردّ اور جواب کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو بہت سے بے عقل یہ کہتے ہیں کہ علماء تفرقہ اور نااتفاقی پھیلاتے ہیں یہ نہیں دیکھتے کہ جو شخص قانون حکومت کے ایسے عجیب و غریب معنی بیان کرے جو اب تک وزراء اور حکام اور وکلاء نے نہ سمجھے ہوں ایسا شخص حکومت کی نظر میں چالاک اور عیار ہے اور مجرم ہے اور جو شخص قانون کا وہ مطلب بیان کرے کہ جس معنی کی بناء پر عدالتوں کے ججوں نے فیصلے کیے ہیں وہ شخص نااتفاقی اور تفرقہ کا مجرم نہیں

بلکہ وہ حق کے ساتھ متفق ہے۔

۳۔ آیت میں جو تفرق اور اختلاف کی مذمت اور ممانعت ہے اُس سے وہ اختلاف مراد ہے جو دین کے صریح اور واضح احکام میں محض نفسانیت کی بناء پر ہو اور اگر غیر منصوص اور ظنی مسائل میں محض تحقیق حق یعنی حق تلاش کرنے کے لیے ہو تو ایسا اختلاف مسلمانوں کے لیے رحمت ہے۔ حدیث میں ہے کہ بنی اسرائیل میں بہتّر فرقے ہوئے اور میری امت میں تہتّر فرقے ہوں گے جو سوائے ایک فرقہ کے سب کے سب جہنمی ہوں گے صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ وہ کون سا فرقہ ہوگا جو دوزخ سے محفوظ ہوگا۔

آپؐ نے ارشاد فرمایا ماانا علیہ واصحابی۔ وہ فرقۂ ناجیہ وہ فرقہ ہے جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقہ پر ہوگا۔

اہل سنت والجماعت کو اہل سنت والجماعت اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ فرقہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت اور طریقہ پر ہے اور جماعتِ صحابہ کے طریقہ پر بھی ہے جس طرح نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا راستہ اور طریقہ اللہ کے راستہ اور طریقہ سے جدا نہیں اسی طرح صحابہ کرام کا راستہ اور طریقہ نبی کریمؐ کے راستہ اور طریقہ سے جدا نہیں صراط مستقیم وہ راستہ ہے جو اللہ نے قائم کیا اور اللہ کی ہدایت کے مطابق نبیین اور صدیقین اور شہداء اور صالحین اس پر چلے۔

۴۔ فرقۂ ناجیہ کے علاوہ مخالف فرقوں کی بڑی قسمیں یہ ہیں۔

خارجؔ۔ روافضؔ۔ قدریہؔ۔ جہمیہؔ۔ مرجیہؔ۔ جبریہؔ پھر ان میں سے ہر ایک فرقہ کی شاخیں ہیں۔ جو سب مل کر بہتّر ہوتی ہیں اور یہ تمام فرقے اور ان کی شاخیں سب فرق باطلہ میں داخل ہیں امام قرطبیؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ قال ابو الفرج الجوزی فان قیل ھذہ الفرق معروفۃ (فالجواب) انا نعرف الافتراق واصول الفرق وان کل طائفۃ من الفرق انقسمت الی فرق وان لم نحط باسماء تلک الفرق و مذاھبھا فقد ظھر لنا من اصول الفرق۔ الحروریۃ القدریۃ والجھمیۃ والمرجئۃ والرافضۃ والجبریۃ وقال بعض اھل العلم اصل الفرق الضالۃ ھٰذہ الفرق الست وقد انقسمت کل فرقۃ منھا اثنتی عشرۃ فرقۃ فصارت اثنتین وسبعین فرقۃ (تفسیر قرطبی ص۱۶۰ ج۴)

اس کے بعد امام قرطبی نے تمام بہتّر فرقوں کی تفصیل فرمائی حضرات اہل علم تفسیر قرطبی کی مراجعت فرمائیں

۵۔ شاہ عبدالقادر صاحبؒ فرماتے ہیں کہ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں میں فرض ہے کہ ایک جماعت قائم رہے جہاد کرنے کو اور دین کی باتوں کا تقیّد رکھنے کو تا کہ دین کے خلاف کوئی نہ کرے اور جو اس کام پر قائم رہے وہی کامیاب ہیں اور یہ (طریقہ) کہ کوئی کسی سے تعرض نہ کرے "موسیٰ بدین خود عیسےٰ بدین خود" یہ راہ مسلمانی کی نہیں (منہ رحمہ اللہ تعالیٰ) کسی جمہوری اور متمدن حکومت میں یہ آزادی نہیں کہ لوگ قانون حکومت کے پابند اور مقید نہ رہیں اور جس کا جو چاہے وہ کر لیا کرے اسی طرح اللہ کے قانون میں یہ آزادی نہیں کہ جس حکم پر چاہے عمل کرو اور چاہے نہ کرو۔ عجیب بات ہے کہ مجازی حکومت کے احکام کی پابندی تو لازم ہو اور بندہ پر اپنے خدا کے احکام کی پابندی اور ان کی تبلیغ ضروری نہ ہو۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ

تم ہو بہتر سب امتوں سے جو پیدا ہوئے لوگوں میں حکم کرتے ہو

بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ

پسند بات پر اور منع کرتے ہو ناپسند سے اور ایمان لاتے ہو

بِاللَّهِ ط وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ط

اللہ پر۔ اور اگر ایمان میں آتے اہل کتاب تو ان کو بہتر تھا۔

مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿۱۱۰﴾ لَنْ

کوئی ہیں ان میں ایمان پر، اور اکثر وہ بے حکم ہیں :. وہ

يَضُرُّوكُمْ إِلَّا أَذًى ط وَإِنْ يُقَاتِلُوكُمْ يُوَلُّوكُمُ

تمہارا کچھ نہ بگاڑیں گے، مگر ستانا۔ اور اگر تم سے لڑیں گے تو تم سے پیٹھ

الْأَدْبَارَ قف ثُمَّ لَا يُنْصَرُونَ ﴿۱۱۱﴾ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ

دیں گے۔ پھر ان کو مدد نہ ہوگی :. ماری گئی ہے ان پر ذلّت

أَيْنَ مَا ثُقِفُوا إِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللَّهِ وَحَبْلٍ مِّنَ

جہاں دیکھے سوائے دست آویز اللہ کے اور دست آویز

النَّاسِ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ

لوگوں کے اور کما لائے غصّہ اللہ کا اور ماری ہے ان پر

الْمَسْكَنَةُ ط ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ

محتاجی۔ یہ اس واسطے کہ وہ رہے ہیں منکر اللہ کی آیتوں سے

وَيَقْتُلُونَ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ط ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوْا

اور مارتے رہے نبیوں کو ناحق۔ یہ اس سے کہ وہ بے حکم ہیں

وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿۱۱۲﴾ لَيْسُوا سَوَآءً ۗ مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ

اور حد سے بڑھتے ہیں ۔ وہ سب برابر نہیں، اہل کتاب میں ایک

أُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُونَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ

فرقہ ہے سیدھی راہ پر، پڑھتے ہیں آیتیں اللہ کی، راتوں کے وقت اور وہ

يَسْجُدُونَ ﴿۱۱۳﴾ يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَأْمُرُونَ

سجدے کرتے ہیں ۔ یقین لاتے ہیں اللہ پر اور پچھلے دن پر، اور حکم کرتے

بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُونَ

ہیں پسند بات کو اور منع کرتے ہیں ناپسند سے اور دوڑتے ہیں

فِي الْخَيْرٰتِ ۗ وَأُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِينَ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا يَفْعَلُوا

نیک کاموں پر۔ اور وہ لوگ نیک بختوں میں ہیں ۔ اور جو کریں گے

مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوهُ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيمٌۢ بِالْمُتَّقِينَ ﴿۱۱۵﴾

نیک کام، سو ناقبول نہ ہوگا۔ اور اللہ کو خبر ہے پرہیزگاروں کی ۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَآ

اور وہ لوگ جو منکر ہیں، ان کو کام نہ آدیں گے، ان کے مال، اور نہ

أَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا ۗ وَأُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ النَّارِ ۚ

اولاد اللہ کے آگے کچھ ۔ اور وہ دوزخ کے لوگ ہیں،

هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ ﴿۱۱۶﴾ مَثَلُ مَا يُنْفِقُونَ فِي هٰذِهِ

وہ اس میں رہ پڑے ۔ جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيحٍ فِيهَا صِرٌّ أَصَابَتْ حَرْثَ

دنیا کی زندگی میں اس کی مثال، جیسے ایک باؤ (ہوا) اس میں پالا (سردی) وہ مار گئی کھیتی

قَوۡمٍ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ فَاَهۡلَكَتۡهُ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنۡ

ایک لوگوں کی جنہوں نے اپنے حق میں بُرا کیا تھا پھر اس کو نابود کر گئی اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا،

اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ ﴿۱۱۷﴾

پر اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔

بیان خیریت اُمّت محمدیہ علیٰ صاحبہا الف الف

صلاۃ والف الف تحیۃ

قال تعالیٰ كُنۡتُمۡ خَيۡرَ اُمَّةٍ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ .... الیٰ .... وَلٰكِنۡ اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ ۝

(ربط) گزشتہ آیات میں مسلمانوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم تھا اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ اسی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی وجہ سے یہ امّت تمام امتوں سے بہتر ہے۔ اور قوت علمیہ اور قوت عملیہ میں کامل اور مکمل ہے چنانچہ تَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ اور تَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ میں قوت عملیہ کے کمال کی طرف اشارہ ہے اور تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ میں قوت نظریہ کے کمال کی طرف اشارہ ہے اور اسی لیے حدیث میں آیا ہے کہ اللہ کا ہاتھ جماعت (کے سر) پر ہے اور حدیث میں ہے کہ میری امت کبھی گمراہی پر متفق نہ ہوگی اسی وجہ سے تمام امّت کا اتفاق ہے کہ اس امت کے علما کا اجماع حجت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے اجماع کو عصمت عن الخطأ کا درجہ عطا فرمایا ہے علماء ربانیین فرداً فرداً تو معصوم نہیں۔ مگر اُن کا اجماع معصوم عن الخطأ ہے ہر عالم ربانی۔ علم میں انبیاء کرام کا وارث ہے مگر عصمت نبوی کی وراثت اجماع کو ملی افراد کو اس میراث سے حصہ نہیں ملا۔ یا یوں کہو کہ

شروع آل عمران میں نصرانیت کا ابطال اور اسلام کی حقانیت بیان فرمائی۔ اور پھر وَاِذۡ اَخَذَ اللّٰهُ مِيۡثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَاۤ اٰتَيۡتُكُمۡ مِّنۡ كِتٰبٍ وَّحِكۡمَةٍ الخ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا امام الانبیاء اور سید الرسل ہونا بیان کیا اور پھر اِنَّ اَوَّلَ بَيۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ الخ میں اس امت کے قبلہ کی افضلیت

اور برتری بیان کی گئی اور پھر وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰهِ جَمِيۡعًا میں اس امت کی کتاب اور شریعت کی برتری اور مضبوطی بیان فرمائی کہ وہ اللہ کی غایت درجہ مضبوط رسی ہے جس میں ٹوٹنے کا امکان نہیں البتہ غفلت کی بناء پر ہاتھ سے چھوٹ جانے کا امکان ہے اب اخیر میں اس امت مرحومہ کی افضلیت

اور برتری کا اعلان کیا جارہا ہے کہ یہ امت تمام امتوں سے افضل اور اکمل ہے اور اگر اہل کتاب اس آخری کتاب اور آخری شریعت پر ایمان لے آئیں تو وہ بھی خیرالامم میں شامل ہو سکتے ہیں مگر افسوس کہ ان میں سے سوائے چند افراد کے اکثر نافرمان ہیں صرف عبد اللہ بن سلامؓ اور نجاشیؓ شاہ حبشہ جیسے سلیم الطبع چند افراد نے حق کو قبول کیا اور خیرالامم میں داخل ہوئے اور باقی اپنے تمرد اور عناد پر قائم رہے چنانچہ فرماتے ہیں اے مسلمانو تم سب امتوں سے بہترین امت ہو جو لوگوں کی نفع رسانی کے لیئے عدم سے وجود میں نکالی گئی ہے اور تمہارے بہترین امت ہونے کی وجہ یہ ہے کہ تم نیک کاموں کی ہدایت کرتے ہو جو شریعت کے نزدیک جانے پہچانے اور مستحسن ہیں اور برے کاموں سے روکتے ہو جو شریعت میں منکر یعنی ناپسندیدہ ہیں اور شریعت ان سے بیگانہ ہے اور تم اللہ پر ٹھیک ٹھیک ایمان رکھتے ہو یعنی امت محمدیہ کو تمام امتوں پر جو شرف اور فضیلت حاصل ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ امت اس صفت میں تمام امتوں سے ممتاز ہے توحید اور اخلاق فاضلہ کی تعلیم اور فواحش اور منکرات سے زجر و توبیخ کا جو اہتمام بلیغ اس امت میں ہوا امم سابقہ میں اس کی نظیر تو کیا اس کا عشر عشیر بھی نہیں کفر کا فتنہ دفع کرنے کے لیے اس امت میں جہاد شروع ہوا اور فواحش اور منکرات کے سدباب کے لیے حدود اور تعزیرات جاری کی گئیں اور اسی طرح ایمان باللہ میں بھی یہ امت تمام امتوں سے ممتاز ہے کہ خدا کی ذات وصفات کے اعتقاد کے بارہ میں غایت درجہ متوسط اور معتدل ہے اس امت کا ایمان تشبیہ و تمثیل کے فرث (گوبر) اور دم تعطیل کے درمیان۔ لبن خالص کی طرح ہے یہود و نصاریٰ کا ایمان دنیا کے سامنے ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اور حضرت عزیرؑ کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں اور مخلوق کی صفات خالق کے لیے ثابت کرتے ہیں۔ سُبْحَانَهٗ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے اور اس نبی برحق کی تصدیق کرتے جس کو توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں تو بلا شبہ ان کے حق میں بہتر ہوتا اس لیے کہ مسلمان ہو جانے سے وہ بھی خیرالامم یعنی بہترین امت ہونے میں مسلمانوں کے شریک ہو جاتے اور من جانب اللہ ان کو دُھرا اجر ملتا۔ کما قال تعالیٰ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ لیکن ان کی توکیفیت یہ ہے کہ ان میں سے کچھ لوگ تو ایمان دار ہیں اور اکثر ان میں بدکار ہیں۔ اور اسلام کے اور مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ اور ہر وقت مسلمانوں کو ضرر پہنچانے کی فکر میں ہیں اس لیے آئندہ آیت میں مسلمانوں کی تسلی کے لیے ایک پیش گوئی فرماتے ہیں اے مسلمانو۔ یہ اہل کتاب تمہیں سوائے زبانی ایذاء رسانی کے اور کسی قسم کا تم کو ہرگز ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ کتنی بڑی کوشش کریں ۔ مگر تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے اور اگر وہ زبان درازی سے زیادہ کچھ ہمت کر کے تم سے لڑیں گے تو تمہارے مقابلہ سے پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے پھر شکست کے بعد کہیں سے بھی ان کی مدد نہ ہوگی یعنی مقابلہ میں اُن کو کبھی فتح نہ ہوگی۔ یہ یہود کے مغلوب ہونے کی پیشین گوئی ہے جو بحمد اللہ حرف بحرف پوری ہوئی کہ جب کبھی یہود اور مسلمانوں میں لڑائی ہوئی یہود پشت پھیر کر بھاگے اور مسلمانوں کے مقابلہ میں کبھی اُن کو فتح نصیب نہیں ہوئی جس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ان پر ذلت اور خواری کی مہر لگا دی گئی ہے جہاں کہیں بھی پائے جائیں گے ذلیل و خوار ہوں گے مگر اللہ کے

عہد و پیمان یا لوگوں کے عہد و پیمان کے ذریعے ذلت و خواری سے کچھ پناہ مل سکے گی لوگوں کے عہد و پیمان سے مراد یہ ہے کہ مسلمانوں سے کوئی معاہدہ یا صلح کریں یا مسلمانوں سے امن طلب کریں یا مسلمانوں کی رعیت بن کر رہیں اور جزیہ قبول کر کے مسلمانوں کی پناہ میں آجائیں تو اس وقت ان کے ساتھ یہ معاملہ نہ ہوگا بلکہ رعایا اور ذمی ہونے کی صورت میں اُن کے ساتھ وہی معاملہ ہوگا جو مسلمانوں کے ساتھ ہے۔

ف یہ معنی تو حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ کے ہوئے اور حَبْلٍ مِّنَ اللّٰہِ کے معنی بعض علماء کے نزدیک تو وہی ہیں جو حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ کے معنی بیان کئے گئے یعنی حَبْلٍ مِّنَ اللّٰہِ اور حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ دونوں سے ایک ہی شئ مراد ہے اور یہ عطف تفسیری ہے اور بعض علما کے نزدیک حَبْلٍ مِّنَ اللّٰہِ اور حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ سے علیحدہ علیحدہ شئ مراد ہے بعض کہتے ہیں کہ حَبْلٍ مِّنَ اللّٰہِ سے اسلام یعنی مسلمان ہوجانا مراد ہے یعنی ذلت سے بچنے کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ اسلام لے آئیں اور اسلام لاکر اس ذلت سے بچ جائیں اگرچہ وہ اسلام ظاہری طور پر ہو اور دوسرا طریقہ ذلت سے نکلنے کا یہ ہے کہ مسلمانوں سے کوئی معاہدہ کر کے اپنی جان و مال کی حفاظت کرلیں اور بعض علماء کے نزدیک حَبْلٍ مِّنَ اللّٰہِ سے یہ مراد ہے کہ وہ کتابی راہب ہو کر گرجا میں گوشہ نشین ہو اور اپنی عبادت میں مشغول ہو اور مسلمانوں کے خلاف جنگ میں نہ تو شریک ہو اور نہ اعداء اسلام کو مشورہ دیتا ہو تو ایسے کتابی کے متعلق اللہ کا حکم یہ ہے کہ مسلمانوں کو چاہیئے کہ جہاد میں ایسے کتابی کو قتل نہ کریں جو راہب ہو اور اپنی عبادت میں مشغول ہو اور علیٰ ہٰذا اہل کتاب کے بچوں اور عورتوں کے متعلق بھی اللہ کا حکم یہ ہے کہ مسلمان جہاد میں کافروں کے بچوں اور عورتوں کو ہرگز نہ قتل کریں صرف ان لوگوں کو قتل کریں جو مسلمانوں سے برسر پیکار رہیں اور یہ عہد اور پیمان ان کو عند اللہ نافع اور مفید نہ ہوگا اس لیے کہ یہ لوگ اللہ کے غصہ کے مستحق ہیں اور محتاجی اور خواری ان کو لازم کردی گئی اور یہ لوگ خدا کے غضب اور ذلت و مسکنت کے مورد اس لیے بنے کہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے۔ اور جان بوجھ کر نبیوں کو ناحق قتل کیا کرتے تھے اور اس کفر بآیات اللہ اور قتل انبیاء کا باعث یہ ہوا کہ یہ لوگ اللہ کی نافرمانی کرتے رہے اور حد سے آگے بڑھتے رہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دل سخت ہوگئے اور گناہوں کی کثرت سے نور ایمان بالکل جاتا رہا اس لیے اللہ کی آیتوں کے کفر اور پیغمبروں کے قتل پر آمادہ ہوگئے۔ گناہوں پر اصرار اور نافرمانی میں حد سے بڑھ جانا انسان کو کفر تک پہنچا دیتا ہے اور اس قسم کے لوگ اہل کتاب میں اگرچہ کثیر ہیں مگر سب اہل کتاب برابر اور یکساں نہیں ان بروں میں کچھ اچھے بھی ہیں اہل کتاب میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو حق پر قائم ہے جو اوقات شب میں اللہ کی آیتیں نمازوں میں پڑھتے رہتے ہیں اور وہ اللہ کو سجدہ کرتے ہیں اور دیر تک جبین نیاز زمین پر رکھتے ہیں تاکہ اللہ کا قرب حاصل ہو۔ اور قیام میں کلام خداوندی کے پڑھنے سے مناجات کی لذت حاصل ہو غرض یہ کہ ان کی نماز طول قیام اور طولِ سجود دونوں کی جامع ہوتی ہے اور اوقات شب میں عبادت کرنا دلیل اس امر کی ہے کہ یہ لوگ خدا تعالیٰ سے غافل نہیں۔ جس کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ پر ٹھیک ٹھیک ایمان رکھتے ہیں۔ اللہ کی

توحید اور تفرید ان کے دلوں میں راسخ ہے اور نیز روزِ آخرت پر یقین رکھتے ہیں آخرت کا تصور اُن کی نظروں سے اوجھل نہیں ہوتا اس لیے وہ اللہ سے غافل نہیں ہوتے۔ اور پھر یہ کہ اُن کے انوار و برکات اُن کی ذات تک محدود نہیں رہتے بلکہ دوسروں کو بھی اچھے کاموں کی ہدایت اور بُرے کاموں سے ممانعت کرتے ہیں یعنی جس طرح وہ خود راہ راست پر ہیں اسی طرح یہ چاہتے ہیں کہ دوسرے بھی راہ راست پر آجائیں اور نہایت شوق و رغبت کے ساتھ نیک کاموں میں دوڑتے ہیں تاکہ سب سے سبقت لے جائیں اور یہی اور ایسے ہی لوگ نیک بختوں میں سے ہیں جو خدا کے غضب اور ذلت اور مسکنت سے محفوظ ہیں۔ یہ آیتیں عبداللہ بن سلام رضی اور ان کے ساتھیوں کے بارہ میں نازل ہوئیں اور ایسے لوگ جو بھی نیکی کریں گے خواہ وہ دوڑ کر کریں یا آہستہ رفتار سے سو ہرگز اُس کی ناقدری نہیں کی جائے گی بلکہ ایسے اہل کتاب کو دُگنا اجر ملے گا جیسا کہ قرآن کریم میں ہے اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ اور احادیث نبویہ میں صراحۃً آیا ہے کہ جو اہل کتاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں گے ان کو دو اجر ملیں گے اور اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے پس جب پرہیزگار اس کی رحمت اور عنایت سے محروم نہیں تو خیرات میں مسارعت کرنے والے کیسے اس کی عنایات بے غایات سے محروم رہ سکتے ہیں تحقیق جن لوگوں نے کفر کیا وہ اپنے اموال اور اولاد پر نظر کر کے یہ نہ سمجھیں کہ ہم تو اللہ کے محبوب ہیں۔ جن پر یہ انعامات ہوئے اور یہ فقراء مسلمین اللہ کے معتوب ہیں اس لیے کہ قیامت کے دن اللہ کے قہر اور غضب کے دفع کرنے میں ان کے مال اور اولاد ذرہ برابر کام نہ آئیں گے غضب خداوندی سے انسان کو بچانے والا صرف ایمان اور تقویٰ ہے اور مالی صدقہ و خیرات۔ غضب خداوندی کو جب ہی بجھاتا ہے کہ جب وہ صدقہ ایمان باللہ اور ایمان بالیوم الآخر پر مبنی ہو اور اولاد بھی آخرت میں جب ہی کام آتی ہے کہ جب وہ خود بھی مؤمن ہو اور اپنے مسلمان ماں باپ کے لیے دعاء مغفرت کرے۔ کافر ماں باپ کے لیے مسلمان اولاد کی دعاء مغفرت بھی بے کار ہے اور ایسے لوگ جنہوں نے کفر کیا اور کفر پر مرے یہ دوزخی ہیں وہ ہمیشہ ہمیش اسی میں رہیں گے یہ لوگ کبھی دوزخ سے نہیں نکلیں گے البتہ جو گنہگار مسلمان گناہوں سے پاک کرنے کی غرض سے کچھ عرصہ کے لیے دوزخ میں ڈالے جائیں گے وہ ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہیں گے کچھ عرصہ کے بعد نکال لیے جائیں گے۔

ف حق جل شانہٗ نے ان آیات میں اُمتِ قائمہ کے جو اوصاف بیان فرمائے ہیں وہ اوصاف یہود کے بالکل متضاد اور مخالف ہیں اس لیے کہ یہود حق سے منحرف تھے رات و دن غفلت میں مست تھے۔ شرک اور الحاد میں مبتلا تھے یوم آخرت پر بھی ان کا ایمان گڑبڑ تھا بُری باتوں کا حکم کرتے تھے اور اچھی باتوں سے روکتے تھے اور بجائے خیرات اور حسنات کے شرور اور معاصی کی طرف سبقت کرنے والے تھے اور بجائے صالحین کے طالحین میں سے تھے۔

کفار کے نفقات اور صدقات کی مثال

اوپر کی آیتوں میں حق تعالیٰ نے یہ بیان کیا کہ قیامت کے دن کافروں کے مال ان کے کچھ کام نہ آئیں گے اس پر کسی کے دل میں یہ شبہ گذر سکتا تھا کہ بعض اوقات کافر اپنے مال سے نیک کاموں میں محتاجوں اور یتیموں اور مظلوموں کی مدد کرتے ہیں۔ صلہ رحمی کرتے ہیں پل اور سرائے کنواں بنواتے ہیں تو کیا اس قسم کے خرچوں سے کافروں کو قیامت کے دن کوئی نفع پہنچ سکتا ہے تو آئندہ آیت میں اس شبہ کا ازالہ فرماتے ہیں کہ اس قسم کے خرچوں سے بھی کافروں کو قیامت کے دن کوئی نفع نہیں پہنچ سکتا چنانچہ فرماتے ہیں کہ مثال اس چیز کی کہ جس کو یہ کفار دنیا کی اس فانی زندگی میں خرچ کرتے ہیں اس کی مثال اس ہوا کی ہے جس میں پالا یعنی ٹھہرہو وہ جا لگی ہو ان لوگوں کی کھیتی کو جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہو پس وہ اس کھیتی کو تباہ اور برباد کر گئی ہو اسی طرح کافروں کے صدقات اور خیرات بمنزلہ باغ یا کھیت کے ہیں اور اُن کا کفر بمنزلہ پالے کے ہے پس جس طرح پالا کھیتی کو تباہ کر دیتا ہے اسی طرح ان کا کفر ان کے خیرات وصدقات کو برباد اور تباہ کرنے والا ہے قیامت کے دن اُن کو اس کھیتی سے کچھ بھی پلے نہ پڑے گا اور اللہ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا لیکن وہ اپنی جانوں پر خود ہی ظلم کرتے ہیں کہ کفر اور شرک کے پالے سے اپنی آخرت کی کھیتی خراب کی اور ضرورت کے وقت کفِ افسوس ملتے رہ گئے۔

فائدہ جاننا چاہیئے کہ پالے سے ظاہراً ظالم اور غیر ظالم سب ہی کی کھیتی تباہ اور برباد ہوتی ہے لیکن آیت میں جو مثال ذکر کی گئی ہے اس میں حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا یعنی ظلم کی قید اس لیے بڑھائی کہ پالے سے دراصل کافر قوم ہی کی کھیتی تباہ اور برباد ہوتی ہے اور کامل نقصان کافر ہی کا ہوتا ہے بخلاف مسلمان کے کہ اگر اُس کی کھیتی پالے سے تباہ ہوتی ہے تو اُس کو اس مصیبت پر اور پھر اس مصیبت کے صبر پر اجر ملتا ہے اور اللہ کی طرف سے مؤمن کو جو اجر ملے گا وہ اس کھیتی سے لاکھوں درجے افضل ہوگا پس حقیقی اور کامل نقصان وہ ہے کہ جس کا کوئی بدل اور عوض نہ ہو اور ظاہر ہے کہ مسلمان کسی مصیبت میں اجر اور ثواب سے محروم نہیں رہتا۔ خلاصہ یہ کہ حق تعالیٰ نے جو ان کے صدقات وخیرات کو قبول نہیں کیا وہ اللہ کی طرف سے کوئی ظلم نہیں بلکہ انہوں نے خود اپنی جانوں پر ظلم کیا کہ اپنی صدقات وخیرات کے ساتھ کفر و شرک کو ملا لیا جس نے پالے کی طرح اُن کی تمام کھیتی کو تباہ و برباد کر ڈالا۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی بتلا دیا تھا کہ کفر اور شرک سے تمام اعمال حبط ہو جاتے ہیں۔

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً

اے ایمان والو! نہ ٹھہراؤ بھیدی اپنے

مِنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ۭ وَدُّوْا مَا

غیر کو ، وہ کمی نہیں کرتے تمہاری خرابی میں۔ ان کی خوشی ہے

عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاۗءُ مِنْ اَفْوَاهِھِمْ ښ وَمَا

تم جس قدر تکلیف پاؤ نکلی پڑتی ہے دشمنی ان کی زبان سے۔ اور جو

تُخْفِيْ صُدُوْرُھُمْ اَكْبَرُ ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ

چھپا ہے ان کے جی میں سو اس سے زیادہ ہم نے جتا دیئے تم کو پتے، اگر

كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ ھٰٓاَنْتُمْ اُولَاۗءِ تُحِبُّوْنَھُمْ وَلَا

تم کو عقل ہے ۔۔ سنتے ہو! تم لوگ ان کے دوست ہو اور وہ

يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ

تمہارے دوست نہیں، اور تم سب کتابوں کو مانتے ہو۔ اور جب تم سے ملتے ہیں

قَالُوْٓا اٰمَنَّا ښ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ

کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں۔ اور جب اکیلے ہوتے ہیں کاٹ کاٹ کھاتے ہیں تم پر انگلیاں

مِنَ الْغَيْظِ ۭ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ

دشمنی سے ۔ تو کہہ: مرو تم اپنی دشمنی میں۔ اللہ کو معلوم ہے

بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۱۹﴾ اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْھُمْ ۡ

جیوں کی بات ۔۔ اگر تم کو ملے کچھ بھلائی بری لگے

وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِھَا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا

ان کو اور اگر تم پر پہنچے برائی خوش ہوں اس سے اور اگر تم ٹھہرے رہو

وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُھُمْ شَـيْـــًٔـا ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا

اور بچتے رہو کچھ نہ بگڑے گا تمہارا ، ان کے فریب سے، جو کچھ وہ کرتے ہیں

يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ﴿١٢٠﴾

سب اللہ کے بس میں ہے ۔

تحذیر مؤمنین از اختصاص و ارتباط با دشمنانِ دین

قال تعالیٰ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِکُمْ ....الیٰ.... بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ ۔

(ربط) گزشتہ آیات میں مسلمانوں کی صفات اور کافروں کی ذمائم اور قبائح کا ذکر تھا اب ان آیات میں مسلمانوں کو ہدایت ہے کہ کافروں کے ساتھ خلا ملا نہ رکھو اور نہ ان کو اپنا رازدار بناؤ کافر تمہارے دین اور دنیا دونوں کے دشمن ہیں۔

یا یوں کہو کہ جب گزشتہ آیات میں یہ بیان کیا کہ کفر اور ظلم کی سرد ہوا نے ظالموں کے اعمال کی کھیتیوں کو تباہ و برباد کیا تو اب آئندہ آیت میں اہل ایمان کو نصیحت فرماتے ہیں کہ تم ان ظالموں سے خلط ملط نہ رکھنا۔ مبادا ان کے کفر اور ظلم کی سرد ہوا کا اثر تمہارے اعمال کی کھیتیوں کو کوئی نقصان نہ پہنچا دے چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو ایمان کا مقتضیٰ یہ ہے کہ اپنے غیروں کو اپنا رازدار اور بھیدی نہ بناؤ یعنی غیر مسلموں کو اپنا ہمدم اور رفیق اور رازدار نہ بناؤ اور اس ممانعت کی متعدد وجوہ ہیں۔ اوّل تو یہ کہ یہ لوگ فتنہ انگیزی اور تمہارے تباہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے ہر وقت اسی کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ مسلمانوں میں باہمی کوئی خرابی اور فساد پیدا ہو دوم یہ کہ ہر وقت اس کی تمنا کرتے ہیں کہ تم کسی تکلیف اور ضرر میں مبتلا ہو جاؤ ہر وقت تمہاری مصیبت کے خواہشمند رہتے ہیں یہ خواہش کبھی اُن کے دل سے زائل نہیں ہوتی۔ سوم یہ کہ ان کے دل تمہاری عداوت سے لبریز ہیں کہ بعض مرتبہ دلی بغض اور اندرونی عداوت بلا اختیار ان کے منہ سے ظاہر ہو جاتی ہے بغض اور عداوت اس درجہ پہنچا ہوا ہے کہ اس کو ضبط نہیں کر سکتے اور نہ وہ ان کے چھپانے سے چھپ سکتا ہے اندر سے اچھل کر اور اُبل کر منہ پر آ گیا ہے اور کھل گیا ہے۔ چہارم یہ کہ وہ بغض اور عداوت جو ان کے سینوں نے اپنے اندر چھپا رکھا ہے وہ اس سے کہیں زیادہ ہے کہ جو عداوت اُن سے ظاہر ہو جاتی ہے تمہیں معلوم نہیں کہ اُن کے سینوں کے اندر عداوت کتنی چھپی ہوئی ہے۔ تحقیق ہم نے تمہارے لیے صاف صاف نشانیاں بیان کر دی ہیں اگر تم کو عقل ہے تو سمجھ جاؤ کہ یہ تمہارے خیر خواہ نہیں بلکہ سخت دشمن ہیں ہرگز اس قابل نہیں کہ ان کو اپنا بطانہ یعنی دوست اور رازدار بناؤ۔ پنجم یہ کہ تم ایسے نادان اور غفلت شعار کیوں ہو کہ تم ان کو دوست رکھتے ہو اور وہ تمہیں دوست نہیں رکھتے بس اگر وہ تم سے بغض اور عداوت ہی نہ رکھتے تو فقط ان کا تم سے محبت نہ رکھنا یہ کافی تھا کہ ان کو بطانہ (رازدار) نہ بنایا جائے اس لیے کہ جس کو تم سے محبت نہ ہو اور نہ وہ تمہارا خیر خواہ تو اس کو اپنا رازدار

بنانا نادانی ہے اور چھٹی وجہ یہ ہے کہ تم اللہ کی سب کتابوں پر ایمان رکھتے ہو اور ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ تمہاری کتاب پر باوجود حقانیت کے ظاہر ہو جانے کے تمہاری ضد میں اس پر ایمان نہیں لاتے ان کو چاہیئے تھا کہ وہ تم سے محبت رکھتے کہ تم اللہ کی تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہو اور ان کی کتاب کا انکار نہیں کرتے مگر معاملہ برعکس ہوگیا کہ وہ تم سے بغض اور عداوت رکھتے ہیں پس ایسے لوگوں کو کیا اپنا دوست اور رازدار بناتے ہو ضدی اور بیجی آدمی کو رازدار بنانا سخت غلطی ہے اور ساتویں وجہ یہ ہے کہ ان کا برتاؤ اور معاملہ تم سے منافقانہ ہے مخلصانہ نہیں اس لیے کہ یہ لوگ جب تم سے ملتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور جب اکیلے ہوتے ہیں تو غیظ وغضب سے تم پر انگلیاں کاٹتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جب اپنے مجمع میں اکیلے ہوتے ہیں اور کوئی مسلمان وہاں نہیں ہوتا تو مسلمانوں کے جوش عداوت میں غصہ میں آکر دانتوں سے انگلیاں کاٹنے لگتے ہیں مسلمانوں کی دن دونی رات چوگنی قوت وشوکت اور باہمی اتحاد اور الفت اُن سے برداشت نہیں ہوتی اس لیے اپنے مجمع میں اس دلی عداوت کا اظہار کرتے ہیں. اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے کہہ دیجیے کہ تم اپنے اس غصے میں گلا گھونٹ کر اسی طرح جلتے اور مرتے رہو اور یوں ہی عمر بسر کرتے رہو یہ غصہ مرتے دم تک تمہارے ساتھ رہے گا. اور اس غیظ وغضب سے تم اسلام اور مسلمانوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اللہ تعالےٰ اپنے دوستوں پر نعمتیں پوری کریگا. تمہارا غصہ اور حسد بیکار ہے ؎

بمیر اے از حسد پیوستہ غمگین ۔۔۔ کہ جز مرگت نخواہد داد تسکین

تحقیق اللہ تعالےٰ سینوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے اور دشمنوں کے دلوں کی پوشیدہ باتیں اپنے دوستوں کو بتلا دیتا ہے اور آٹھویں وجہ یہ ہے کہ اُن کی عداوت اور حسد کا یہ حال ہے کہ اے مسلمانو اگر تم کو ذراسی کوئی بھلائی چھو بھی جائے تو انہیں بہت ہی بُری لگتی ہے سمجھ لو کہ اُن کا حسد اس درجہ پہنچا ہوا ہے ور نویں وجہ یہ ہے کہ اگر تمہیں کوئی برائی یا تکلیف پہنچے تو اس سے وہ خوش ہوتے ہیں یہ ان کی شماتت کا حال ہے اور دسویں وجہ یہ ہے کہ وہ اندرونی طور پر تمہارے خلاف سازشوں میں سرگرم ہیں جس کا علاج یہ ہے کہ اگر تم صبر اور تقویٰ پر قائم رہو یعنی ان کی ایذاؤں پر صبر کرو اور ان کی موالاۃ اور بطانہ بنانے سے پرہیز کرو تو تم کو ان کا فریب کچھ نقصان نہیں دے گا. اللہ تعالےٰ ان کے اعمال کا احاطہ کیے ہوئے ہیں. ان کے مکر کا ضرر اور اثر تم تک پہنچنے نہیں دیں گے اور اگر کسی جگہ کافروں سے تم کو کوئی ضرر پہنچے تو سمجھ لو کہ یہ صبر اور تقویٰ کی کمی کی وجہ سے پہنچا ہے. خدا تعالےٰ سے معاملہ درست رکھو تو پھر کافروں نے جو راستہ میں کانٹے بچھائے ہیں وہ سب کے سب خود بخود صاف ہو جائیں گے.

خلاصہ کلام یہ کہ جس قوم کی عداوت کا یہ حال ہو اس سے کیا خیر خواہی کی توقع ہوسکتی ہے کہ جو اس سے دوستی کی جائے اور اس کو اپنا رازدار بنایا جائے.

فائدہ فقہاء کرام نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ مسلمان حاکم کے لیے یہ جائز

نہیں کہ اہل ذمہ میں سے کسی کافر کو اپنا منشی اور پیشکار بنائے اس لیے کہ وہ کافر مسلمانوں کا خیر خواہ نہ ہوگا اور اسلامی حکومت کے راز اور امور مملکت سے اپنی ہم قوم حکومت کو مطلع کرے گا۔ بلکہ جن مسلمان وزیروں اور امیروں نے کسی غیر مسلم عورت سے نکاح کر لیا یا اس کو اپنے گھر میں رکھ لیا تو پھر اسلامی حکومت کے راز غیر مسلموں پر ظاہر ہوئے اور اسلامی حکومت کو شدید نقصان پہنچا اور ان غیر مسلم عورتوں نے مسلمان شوہر سے زائد اپنے ہم مذہب کافروں کی مصلحت کا لحاظ رکھا جیسا کہ تجربہ اور تاریخ اس کی شاہد ہے۔ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا بھی یہی مسلک تھا کہ وہ غیر مسلم منشی اور پیشکار بنانے کو ناپسند فرماتے تھے۔ اور اسی آیت سے استدلال فرماتے تھے۔

تنبیہ شریعت اسلامیہ کا یہ حکم کہ غیر مسلم کو اپنا دوست اور رازدار نہ بنایا جائے اور امور مملکت میں اس کو دخیل نہ بنایا جائے عین حق اور عین حقیقت ہے یہ امر بالکل بدیہی ہے کہ غیر مذہب والا اپنے مذہب اور اپنے اہل مذہب ہی کی خیر خواہی کرتا ہے دوسرے اہل مذہب کی خیر خواہی نہیں کرتا۔ تمام مغربی ممالک کو دیکھ لیجئے کہ وہ کبھی بھی کسی مسلمان کو وزارت اور سفارت کا منصب سپرد نہیں کرتے مگر افسوس کہ آج کل کے نام نہاد مسلمان جب اس قسم کا حکم سنتے ہیں تو اس کو تعصب اور تنگ نظری سمجھتے ہیں حالانکہ اگر ان کو اپنے حقیقی بھائی کی خیر خواہی پر اطمینان نہ ہو تو اس کو بھی اپنا بطانہ (رازدار) بنانا گوارا نہیں کرتے مگر جب خدا یہ فرماتا ہے کہ اسے مسلمانو۔ جو شخص اسلام کا اور مسلمانوں کا خیر خواہ نہ ہو بلکہ ان کا دشمن اور حاسد ہو اس کو اسلامی حکومت میں کوئی عہدہ اور منصب نہ دو۔ تو یہی لوگ خدا تعالیٰ کے اس قانون پر نکتہ چینی کرنے لگتے ہیں۔

تمام دنیا کی حکومتوں کا یہ مسلّم قانون ہے کہ حکومت میں۔ حکومت کے باغی کو کوئی عہدہ اور منصب نہیں دیا جا سکتا۔ باغی کو عہدہ دینا۔ سیاسیات ملکیہ میں بالاجماع حرام ہے پس اگر اسلام یہ کہتا ہے کہ اسلامی حکومت میں ایسے شخص کو کہ جو اسلام سے باغی ہو یعنی کافر ہو اس کو کوئی عہدہ اور منصب نہ دو تو اس پر کیوں ناک منہ چڑھاتے ہیں اپنے باغی کے لیے عہدہ دینا تو ناجائز اور حرام ہو۔ اور خدا تعالیٰ کے باغی اور سرکش کے لیے عہدہ دینا جائز ہو جس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کا باغی تو مجرم ہے اور خدا کا باغی بے قصور ہے تو اس کا مطلب تو یہ نکلا کہ معاذ اللہ آپ کی شان خداوند دوجہاں سے بڑھ کر ہے کہ اگر کوئی شخص آپ کی فانی اور مجازی حکومت سے انحراف اور بغاوت کرے تو وہ قتل اور حبس دوام کا مستحق بنے اور احکم الحاکمین سے اگر بغاوت (کفر) کرے تو اس کو وزیر بنانے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں یہ وسعت قلب نہیں بلکہ بے غیرتی ہے۔

وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ

اور جب فجر کو نکلا تو اپنے گھر سے بٹھانے لگا مسلمانوں کو لڑائی کے

لِلْقِتَالِ ؕ	وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۱﴾		اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ	
ٹھکانوں پر۔	اور اللہ سنتا جانتا ہے ؞		جب قصد کیا دو فرقوں نے	
مِنْكُمْ	اَنْ تَفْشَلَا ۙ	وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ	وَعَلَى اللّٰهِ	
تم میں	کہ نامردی کریں،	اور اللہ مددگار تھا ان کا	اور اللہ ہی	
فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾				
پر چاہیئے بھروسا کریں مسلمان ؞				

قصۂ اُحد

قال اللہ عزوجل وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ .... الخ ... فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ہ

(ربط) گزشتہ آیات میں یہ ارشاد فرمایا تھا وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا کہ اگر تم صبر کرو اور تقویٰ پر قائم رہو تو دشمنوں کا مکر تم کو ضرر نہ پہنچائے گا اب آئندہ میں قصۂ احد کو یاد دلاتے ہیں کہ اس میں تم نے صبر اور تقویٰ سے کام نہ لیا اس لیے تم کو شکست ہوئی بخلاف بدر کے کہ اس میں تم نے صبر اور تقویٰ کو اختیار کیا اس لیے باوجود بے سروسامانی کے تم کو فتح ہوئی۔ یا یوں کہو کہ گزشتہ آیات میں کافروں اور منافقوں کو رازدار بنانے کی ممانعت تھی اب ان آیات میں جنگ اُحد کے واقعہ کو ذکر کر کے کافروں اور منافقوں کے رازدار اور شریک مشورہ بنانے کے مضر نتیجہ سے آگاہ فرماتے ہیں اس لیے کہ اس لڑائی کے مشورہ میں عبداللہ بن ابی ابن سلول بھی شامل تھا جس کے ہمراہ تین سو آدمی تھے اولاً آپ کے ہمراہ نکلا اور پھر بعد میں اپنی جمعیت کو لے کر راستہ سے یہ کہہ کر واپس ہو گیا کہ یہ لڑائی نہیں بلکہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے اگر ہم اس کو واقعی جنگ سمجھتے تو آپ کے ساتھ شرکت کرتے ان کی دیکھا دیکھی انصار کے قبیلۂ خزرج میں کے بنو سلمہ اور قبیلۂ اوس میں کے بنی حارثہ نے بھی بھاگنے کا ارادہ کیا مگر اللہ تعالیٰ نے اُن کے دل مضبوط کر دیئے اور وہ میدان جنگ میں قائم رہے ان کے بارہ میں یہ آیتیں نازل ہوئیں چنانچہ فرماتے ہیں اور یاد کرو اُس وقت کو کہ جب آپ جہاد و قتال کے لیے اپنے اہلِ خانہ یعنی عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ سے برآمد ہوئے اور زرہ پہن کر باہر تشریف لے آئے اور مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو لڑائی کے ٹھکانوں پر بٹھلا دیں چنانچہ آپ اسی ارادہ سے مسلمانوں کی جمعیت کو لے کر روانہ ہوئے۔ راستہ میں سے رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی تقریباً تین سو

آدمیوں کی جمعیت ساتھ لے کر راستہ سے یہ کہتا ہوا واپس ہو گیا کہ جب میرا مشورہ نہ مانا اور دوسروں کی رائے پر عمل کیا تو ہمیں لڑنے کی کیا ضرورت ہے خواہ مخواہ اپنے کو کیوں ہلاکت میں ڈالیں یہ اس کی ایک چالاکی تھی کہ لشکر اور مسلمان بھی متزلزل ہو جائیں اور اللہ سُن رہے تھے اُس کے قول کو اور خوب جانتے تھے اس کے کید اور مکر کو کہ جس سے قریب تھا کہ بعض اہل ایمان بھی ہلاکت میں پڑ جائیں جس وقت کہ تم میں کی یعنی مسلمانوں میں کی دو جماعتوں نے یعنی بنو سلمہ اور بنو حارثہ نے یہ قصد کیا کہ ہمت ہار دیں اور اُن کے دل میں یہ خطرہ گزرا کہ عبداللہ بن ابی کی طرح وہ بھی راستہ سے واپس ہو جائیں مگر حق تعالیٰ نے ان کو اس جُبن اور نامردی سے محفوظ رکھا اور اللہ تعالیٰ ان کا کارساز اور مددگار تھا اسی کی عنایت اور کارسازی نے بنو سلمہ اور بنو حارثہ کو اس قصد سے محفوظ رکھا اور اللہ ہی پر تمام اہل ایمان کو بھروسہ کرنا چاہیئے نہ تو اپنی قوت پر اعتماد کرو اور نہ دشمن کی قوت اور کثرت سے خوف زدہ ہو جاؤ. غزوۂ بدر تم دیکھ چکے ہو کہ قریش کی قوت اور کثرت تین سو متوکلین کے مقابلہ میں کچھ بھی کارآمد نہ ہوئی۔

فائدۂ جلیلہ آیت مذکورہ وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ میں. اہل سے باجماع مفسرین و محدثین وعلماء سیرت حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ سے نکلنا مراد ہے جس سے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے وہ یہ کہ حضرت عائشہؓ طاہرہ اور مطہرہ اور سرتاپا عمل صالح تھیں اس لیے کہ خداوند علام الغیوب نے حضرت عائشہ کو نبی اکرمؐ کا اہل فرمایا اور اللہ کے رسولؐ کا اہل وہی ہو سکتا ہے جو سرتاپا عمل صالح ہو اور نوح علیہ السلام کے بیٹے کو نوح علیہ السلام کے اہل سے اسی لیے خارج کیا گیا کہ اس کے اعمال صالح نہ تھے۔
(کما قال تعالیٰ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ)

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ

اور تمہاری مدد کر چکا ہے اللہ بدر کی جنگ میں، اور تم بے مقدور تھے۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ تَقُوْلُ

سو ڈرتے رہو اللہ سے شاید تم احسان مانو ۔ جب تو کہنے لگا

لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ

مسلمانوں کو، کیا تم کو کفایت نہیں؟ کہ تمہاری مدد بھیجے،

رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ

رب تمہارا، تین ہزار فرشتے، آسمان سے

مُنْزَلِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ بَلٰٓى اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ
اُترے ہوئے ۔ البتہ اگر تم ٹھہرے رہو اور پرہیزگاری کرو اور وہ آویں

مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ
تم پر اسی دم ، تو مدد بھیجے تمہارا رب ، پانچ ہزار

مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا
فرشتے پلے ہوئے گھوڑوں پر ۔ اور یہ تو اللہ نے تمہارے دل

بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۗ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا
کی خوشی کی اور تا تسکین ہو تمہارے دلوں کو ۔ اور مدد ہے نری اللہ

مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۱۲۶﴾ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ
کے پاس سے جو زبردست ہے حکمت والا ۔ تا کاٹ ڈالے بعضے

الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ﴿۱۲۷﴾
کافروں کو ، یا ان کو ذلیل کرے کہ پھر جاویں نامراد ۔

تذکیر بقصۂ بدر

برائے اظہار تاثیرِ توکل و تقویٰ و صبر

قال اللہ تعالیٰ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ .... الیٰ .... فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ۝

اب قصۂ احد کے بعد کچھ قصۂ بدر کو ذکر کرتے ہیں کہ اس غزوہ میں جو بے مثال فتح و نصرت ظہور میں آئی وہ ظاہر اسباب میں توکل اور تقویٰ اور صبر کی برکت تھی چنانچہ فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق مدد کی تمہاری اللہ تعالیٰ نے جنگ بدر میں حالانکہ تم اس وقت بے سروسامان تھے اور دشمنوں کی نظر میں ذلیل اور خوار تھے اور ظاہر اسباب میں دشمنوں کے مقابلہ میں تمہارا ٹھہرنا اور ان پر فتحیاب ہونا ناممکن تھا مگر چونکہ اس بے سروسامانی میں تمہاری نظر خداوند ذوالجلال پر تھی اس لیے خدا نے

تم کو عزت و رفعت دی ؎

ہر کجا پستی است آب آنجا رود ہر کجا دردے دوا آنجا رود

پس تم اللہ سے ڈرو اور اس کی قوت اور قدرت پر نظر رکھو اپنی قلت اور دشمن کی کثرت کو دیکھ کر مت گھبراؤ ہم نے اپنی خاص امداد کی نعمت سے تم کو قوی کر دیا تاکہ تم اللہ کی اس تقویت اور نصرت اور اعانت کی نعمت کا شکر کرو کہ دم کے دم میں ضعیف کو قوی اور قوی کو ضعیف بنا دیا یاد کرو اس وقت کو کہ جب آپ یعنی اے نبی کریم اہل ایمان کی تقویت قلوب کے لیے یہ کہہ رہے تھے کیا یہ کفایت نہیں کرے گا کہ تمہارا پروردگار تین ہزار فرشتوں سے تمہاری امداد کرے گا جو آسمان سے خاص تمہاری امداد کے لیے اتارے جائیں ہاں کیوں نہیں یہ مقدار ضرور کافی ہو گی پھر مزید تقویت کے لیے اور مزید امداد کا وعدہ فرمایا بشرطیکہ صبر اور تقویٰ پر قائم رہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ اگر تم صبر اور پرہیزگاری پر قائم رہو اور تمہارے دشمن ایک دم تم پر آپہنچیں تو ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ تمہاری ایسے پانچ ہزار فرشتوں سے امداد کرے گا جو خاص نشان اور خاص علامت لگائے ہوئے ہوں گے۔ جس سے معلوم ہو گا کہ یہ اللہ کی خاص فوج ہے جو خاص بندوں کی امداد کے لیے بھیجی ہے لہذا تم دشمنوں کی ناگہانی فوج کو دیکھ کر ہرگز نہ گھبرانا ہماری خاص فوج تمہاری امداد کے لیے تیار ہے اور نہیں بنایا اللہ نے اس امداد کو مگر تمہاری خوشخبری کے لیے اور اس لیے کہ تمہارے دلوں کی تسکین ہو کہ دشمن کی قوت اور کثرت کو دیکھ کر گھبرا نہ جائیں ورنہ اس کی حاجت نہ تھی اس لیے کہ فتح اور نصرت حقیقت میں صرف اللہ کی جانب سے ہے جو غالب اور حکمت والا ہے وہ اگر چاہیں تو بلا اسباب اور بلا فرشتوں کے بھی فتح و نصرت عطا فرما سکتے ہیں حق تعالےٰ نے ایسا اس لیے فرمایا کہ کافروں کی ایک جماعت کو ہلاک کرے چنانچہ ۷۰ کافر جنگ بدر میں مارے گئے یا کافروں کی ایک جماعت کو ذلیل اور خوار کرے پس وہ ناکام اور نامراد ہو کر اپنے شہروں کی طرف واپس جائیں چنانچہ ستر کافر قید ہوئے اور باقی خائب و خاسر اپنی اپنی جگہ واپس ہوئے۔

ف کلمہ اَوْ یَکْبِتَھُمْ میں تقسیم کے لیے ہے تردید کے لیے نہیں مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے تمہاری مدد فرمائی تاکہ کافروں کا ایک گروہ ہلاک اور جہنم رسید ہو اور باقی ماندہ گروہ ذلیل و خوار اور ناکام اور نامراد واپس ہو۔

فائدہ جنگ بدر میں حق جل شانہ نے تین وعدے فرمائے اول ایک ہزار فرشتوں کا وعدہ فرمایا جس کا ذکر سورۃ انفال میں ہے اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ چونکہ بدر میں کفار کی تعداد ایک ہزار تھی اس لیے اس کے مناسب ایک ہزار فرشتوں کا وعدہ فرمایا پھر مسلمانوں کی پریشانی دور کرنے کے لیے تعداد تگنی کر دی گئی یعنی چونکہ کفار کی تعداد مسلمانوں سے تگنی تھی اس لیے تین ہزار فرشتوں کی امداد کا وعدہ فرمایا یہ دوسرا وعدہ ہوا بعد ازاں جب مسلمانوں کو یہ خبر پہنچی کہ کرز بن جابر مشرکین کی امداد کے لیے

ایک بڑی بھاری فوج لے کر آرہا ہے تو مسلمانوں میں ایک جدید اضطراب پیدا ہوگیا اس وقت اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کی تسکین اور تقویت قلوب کے لیے یہ وعدہ فرمایا کہ اگر کافر تم پر ٹوٹ پڑیں تو ہم پانچ ہزار فرشتے تمہاری مدد کو بھیج دیں گے بشرطیکہ تم صبر اور تقویٰ پر قائم رہو اس لیے علماء کا اس تیسرے وعدہ کے بارہ میں اختلاف ہے کہ یہ پانچ ہزار کا وعدہ واقع ہوا یا نہیں شعبیؒ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ واقع نہیں ہوا اس لیے کہ یہ وعدہ ایک شرط کے ساتھ مشروط تھا وہ یہ کہ یَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ کہ کافر تم پر ٹوٹ پڑیں اور چونکہ کرزبن جابر کا گروہ نہیں آیا اس لیے وہ شرط نہیں پائی گئی اس لیے وہ مشروط وعدہ شرط کے نہ پائے جانے کی وجہ سے واقع نہیں ہوا اور بعض علماء کا قول ہے کہ پانچ ہزار فرشتے نازل ہوئے۔ یَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ سے مقصود، تعلیق اور شرط نہ تھی بلکہ محض تاکید اور مبالغہ مقصود تھا۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ

تیرا اختیار کچھ نہیں، یا ان کو توبہ دیوے یا

يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

ان کو عذاب کرے کہ وہ ناحق پر ہیں۔ اور اللہ کا مال ہے، جو کچھ آسمان

وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ

اور زمین میں ہے۔ بخشے جس کو چاہے اور عذاب کرے

مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۹﴾

جس کو چاہے، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

ع ۱۳ / ۹ / ۴

رجوع بقصۂ اُحد

قال اللہ تعالےٰ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ ...الیٰ... وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○

غزوہ اُحد میں جب آپؐ کا دندان مبارک شہید ہوا تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ لوگ کیسے فلاح پا سکتے ہیں جنہوں نے اپنے پیغمبر کے چہرہ کو زخمی کیا ہو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی بخاری کی روایت میں ہے کہ آپ نے چند کفار کے لیے جنہوں نے مسلمانوں کو شہید کیا تھا نام بنام صبح کی نماز میں بدعا

اور لعنت شروع فرمائی اس پر آیت نازل ہوئی (اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم) آپ کو اس کام میں کچھ اختیار نہیں لعنت اور رحمت اور ہدایت اور ضلالت سب اسی کے اختیار میں ہے وہ جو چاہے کرے یا تو وہ ان پر توجہ فرمائے کہ ان کو توبہ کی توفیق دے اور جو لوگ آج آپؐ کے اور آپ کے دین کے دشمن ہیں وہ کل کو خدا کی قدرت اور مشیت سے آپؐ کے عاشق جانثار اور دین اسلام کے محافظ اور پاسبان بن جائیں یا ان کو اللہ تعالےٰ عذاب دے دنیا میں یا آخرت میں کر دنیا میں قتل ہوں اور کفر پر جمے رہیں اور کفر ہی پر مریں اور دوزخ کا ایندھن بنیں کیونکہ تحقیق یہ لوگ بڑے ظالم ہیں ایسی ہی سزا کے مستحق ہیں لہٰذا آپؐ اُن پر بد دعا نہ کریں چونکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ ان میں کے اکثر افراد آئندہ چل کر مشرف با سلام ہوں گے اس لیے یہ آیت نازل ہوئی آپؐ نے ان پر بد دعا کرنی چھوڑ دی اور اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور مالک کو اختیار ہے کہ جس کو چاہے معاف کرے اور جس کو چاہے عذاب دے کوئی شئے اس پر واجب نہیں اور اللہ تعالےٰ بڑا بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے اُس کی رحمت اُس کے غضب پر غالب ہے لہٰذا تم بد دعا میں عجلت نہ کرو چنانچہ اللہ کی رحمت اور مغفرت غالب آئی اور آپؐ کے دشمنوں کو اسلام کی ہدایت ہوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حق جل شانہ کی محبت اور کفر و شرک کی عداوت کا غلبہ تھا اس لیے آپ دشمنانِ خدا پر لعنت فرماتے مگر پردۂ قضاء و قدر میں کیا مستور ہے اس کا آپ کو علم نہ تھا۔ اس لیے حکم نازل ہوا کہ آپ ان پر لعنت نہ فرمائیں عنقریب یہ لوگ دین کے خدمت گار اور جان نثار بنیں گے۔

فائدہ (۱) اس آیت کے شان نزول میں مختلف روایتیں ہیں ایک روایت میں ہے کہ اُحد کی لڑائی میں جن لوگوں نے آپؐ کو زخمی کیا اور آپ نے اُن کے حق میں بد دعا کی اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور ایک روایت میں ہے کہ جب قبیلۂ رعل اور ذکوان نے ستر صحابہ کو شہید کر ڈالا جس کو واقعۂ بیر معونہ کہتے ہیں جب آپؐ نے ان قبائل پر بد دعا کی تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور امام احمدؒ اور امام بخاریؒ کی روایت میں ہے کہ آپ صبح کی نماز میں قومہ کے بعد دوسری رکعت میں یہ دعا کرتے اے اللہ لعنت کر۔ صفوان بن امیہ پر اور لعنت کر سہیل بن عمرو پر اور لعنت کر حارث بن ہشام پر اور چند قریش کے سرداروں کے نام لے کر بد دعا فرماتے اس پر یہ آیت نازل ہوئی حافظ عسقلانی فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ یہ واقعات اُحد ہی کے سال میں پیش آئے اور بیر معونہ کا واقعہ احد کے چار ماہ بعد صفر ۴ھ میں پیش آیا اس لیے یہ کہنا صحیح ہے کہ اس آیت کا نزول ان تمام واقعات میں ہوا۔

فائدہ (۲) حق جل شانہٗ کے دو انتظام ہیں ایک تشریعی اور ایک تکوینی تشریعی انتظام کا تعلق انبیاء کرام سے ہے اور تکوینی انتظام کا تعلق ملائکہ سے ہے یعنی

قضاء و قدر کے حکم کے مطابق انتظام ہوتا ہے اور خضر علیہ السلام کے انتظام کا تعلق بھی امور تکوینیہ سے ہے اور موسیٰ علیہ السلام نے جو خضر علیہ السلام پر اعتراض فرمایا وہ اسباب شرعیہ کی بنا پر تھا وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا اسی طرح نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا خاص خاص دشمنان اسلام پر نام بنام بددعا کرنا اسباب شرعیہ کی بنا پر تھا کہ یہ دشمنان اسلام اسی قابل ہیں کہ ان پر بددعا کی جائے مگر چونکہ قضاء و قدر میں یہ طے پا چکا تھا کہ ان لوگوں میں سے اکثر مشرف با سلام ہوں گے اس لیے حق تعالےٰ نے اس آیت کو نازل فرما کر آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں کے حق میں بددعا کرنے سے منع فرمایا یہ تکوینی انتظام تھا۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَأْكُلُوا۟ ٱلرِّبَوٰٓا۟

اے ایمان والو! مت کھاؤ سود،

أَضْعَٰفًا مُّضَٰعَفَةً ۖ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ لَعَلَّكُمْ

دونے پر دونا، اور ڈرو اللہ سے شاید تمہارا

تُفْلِحُونَ ۚ ﴿١٣٠﴾ وَٱتَّقُوا۟ ٱلنَّارَ ٱلَّتِىٓ أُعِدَّتْ

بھلا ہو۔ اور بچو اس آگ سے جو تیار ہوئی

لِلْكَٰفِرِينَ ۚ ﴿١٣١﴾ وَأَطِيعُوا۟ ٱللَّهَ وَٱلرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۚ ﴿١٣٢﴾

کافروں کے واسطے۔ اور حکم مانو اللہ کا اور رسول کا شاید تم پر رحم ہو۔

وَسَارِعُوٓا۟ إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا

اور دوڑو بخشش پر اپنے رب کی، اور جنت پر جس کا پھیلاؤ

ٱلسَّمَٰوَٰتُ وَٱلْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ﴿١٣٣﴾ ٱلَّذِينَ

ہے آسمان اور زمین، تیار ہوئی ہے واسطے پرہیزگاروں کے۔ جو

يُنفِقُونَ فِى ٱلسَّرَّآءِ وَٱلضَّرَّآءِ وَٱلْكَٰظِمِينَ ٱلْغَيْظَ

خرچ کیے جاتے ہیں، خوشی میں اور تکلیف میں اور دبا لیتے ہیں غصہ،

وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿١٣٤﴾

اور معاف کرتے ہیں لوگوں کو ، اور اللہ چاہتا ہے نیکی والوں کو۔

وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ

اور وہ لوگ کہ جب کر بیٹھیں کچھ کھلا گناہ یا برا کریں اپنے حق میں،

ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ ۠ وَمَنْ

تو یاد کریں اللہ کو ، اور بخشش مانگیں اپنے گناہوں کی۔ اور کون

يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ ۠ قف وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَىٰ

ہے گناہ بخشنا سوائے اللہ کے ؟ اور اڑتے نہ رہیں اپنے

مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿١٣٥﴾ أُولَٰئِكَ جَزَاؤُهُمْ

کیے پر ، جانتے (ہوئے) ۔ ان کی جزا ہے

مَغْفِرَةٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَجَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ

بخشش ان کے رب کی اور باغ ، جن کے نیچے

تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَنِعْمَ أَجْرُ

بہتی نہریں ، رہ پڑے ان میں ، اور خوب مزدوری ہے

الْعَامِلِينَ ﴿١٣٦﴾

کام کرنے والوں کی ۔

ترہیب وتحذیر از نارِ آخرت وترغیب بر اعمالِ جنت

قال اللہ تعالیٰ عزّ وجل يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَوٰا .... الیٰ .... وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ۝

(ربط) ظاہر میں ان آیات کا ماقبل سے کوئی تعلق معلوم ہوتا ہے اس لیے بعض علماء یہ کہتے ہیں۔

کہ یہ جُدا گانہ اور مستقل کلام ہے جس میں حق تعالیٰ نے امر و نہی اور ترغیب و ترہیب کو جمع کیا ہے اور مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کو بیان فرمایا ہے۔ اور بعض علماء نے ان آیات کا ماقبل کے ساتھ اتصال اور ربط بیان کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ گزشتہ آیات میں صبر اور تقویٰ کا حکم تھا اور کفار کے ساتھ دوستی اور خلط ملط اور اُن کو راز دار بنانے کی ممانعت تھی اب ان آیات میں پھر صبر اور تقویٰ کو بیان کرتے ہیں کہ صبر اور تقویٰ کیا چیز ہے اور صابر اور متقی کون لوگ ہیں اور ان کے کیا اوصاف ہیں جن میں سب سے پہلی سود کی ممانعت فرمائی کہ اکل حلال تقوے کی جڑ اور بنیاد ہے نیز کفار سودی کاروبار کرتے اور جو نفع حاصل ہوتا اسے لڑائیوں میں خرچ کرتے چنانچہ اُحد کی لڑائی میں جو مال خرچ کیا وہ وہی مال تھا جو اس قافلہ کی تجارت سے نفع حاصل ہوا جو بدر کے سال شام سے آیا تھا اب حق تعالیٰ مسلمانوں کو سود سے ڈراتے ہیں کہ تم کفار کی طرح یہ خیال نہ کرنا کہ ہم بھی سودی کاروبار سے جنگوں میں مدد لیں خوب سمجھ لو کہ سودی کاروبار کرنا اللہ سے جنگ مول لینا ہے مسلمان کو اس سے دور رہنا چاہیئے اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ جس طرح انفرادی ضرورت کی بنا پر قرض دے کر سود لینا حرام ہے اسی طرح اجتماعی تجارت میں بھی سودی کاروبار حرام ہے زمانۂ جاہلیت میں دونوں طرح کا سود مروج تھا۔ لوگ انفرادی طور پر بھی تجارت کرتے تھے اور اجتماعی طور پر بھی پورا قبیلہ مل کر تجارتی کاروبار کرتا تھا اس زمانہ میں اس کا نام کمپنی اور بنک ہو گیا۔ باقی حقیقت وہی ہے جو پہلے زمانہ میں تھی۔ نام بدلنے سے حقیقت نہیں بدلتی قرآن کریم نازل ہوا جس نے ہر قسم کے سود کو حرام قرار دیا خواہ وہ انفرادی تجارت پر ہو یا اجتماعی یعنی کمپنی کی تجارت پر ہو جیسا کہ کتب تفاسیر میں انفرادی اور قبائلی ربا کے واقعات بالتفصیل مذکور ہیں قرآن نے مطلق سود کو حرام قرار دیا ہے۔ خواہ وہ کسی صورت سے ہو کیونکہ ربا شریعت میں اس مالی زیادتی کا نام ہے جس کے عوض اور مقابلہ میں مال نہ ہو مثلاً ایک شخص کسی کو سو روپیہ قرض دیتا ہے اور یہ شرط لگاتا ہے کہ اگر چھ ماہ کے بعد ادا کرو گے تو اس پر ۵ روپیہ زائد لوں گا اور اگر ایک سال کے بعد ادا کرو گے تو دس۱۰ روپیہ لوں گا پس جب اس شخص نے سو روپیہ قرض کے بدلہ میں ایک سو دس روپیہ دیا تو سو روپیہ تو اصل رقم کے عوض اور مقابلہ میں ہو گئے اور یہ دس روپیہ کسی مال کے عوض اور مقابلہ میں نہیں۔ یہ سود ہوا کیونکہ یہ زیادتی کسی مال کے عوض اور بدلہ میں نہیں رہی چھ مہینہ یا سال کی مدت سو وہ کوئی مال نہیں جس کے عوض میں مال لیا جا سکے بنک کے سود میں یہی ہوتا ہے اس لیے جس طرح زمانۂ جاہلیت اولیٰ کا سود حرام تھا اسی طرح اس جاہلیت ثانیہ یعنی اس متمدن اور مہذب جاہلیت کا سود بھی قطعاً حرام ہوگا لہٰذا کسی جدت پسند کا یہ کہنا کہ شخصی ضروریات کے لیے تو سودی کاروبار حرام ہے اور اجتماعی تجارت کے لیے حلال ہے یہ قرآن و حدیث میں تحریف ہے اور یہ کہنا کہ زمانۂ جاہلیت میں صرف انفرادی ضرورتوں کے لیے سود ہوتا تھا اور اجتماعی تجارت پر سود کا رواج نہ تھا اول تو یہ غلط ہے اس لیے کہ آیت کے شان نزول سے معلوم ہو چکا کہ زمانۂ جاہلیت میں دونوں قسم کا سود رائج تھا اور اگر بالفرض یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اس زمانہ میں اجتماعی تجارت پر سود رائج

نہ تھا تو اس خاص صورت کا اس زمانہ میں موجود نہ ہونا ہمارے لیے مضر نہیں شریعت نے مطلق ربا کو حرام قرار دیا ہے جس معاملہ پر ربا کی تعریف صادق آئے گی وہ حرام ہوگا چوری اور زنا کو شریعت نے حرام قرار دیا ہے اگر وہ گزشتہ زمانہ کے طرح غیر مہذب ہو یا موجودہ تہذیب اور تمدن کے طریقہ پر کسی بڑے ہوٹل میں ہو ہر حال میں حرام ہے حلت اور حرمت کا مدار اصل حقیقت پر ہے نہ کہ کسی خاص صورت پر۔

(ربط دیگر) گزشتہ آیت میں اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتَانِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا میں قبیلہ بنو حارثہ اور بنی سلمہ کی بزدلی کا ذکر ہے کہ جہاد کے موقعہ پر نامردی دکھائی اب اس آیت میں سود کی ممانعت بیان فرماتے ہیں اشارہ اس طرف ہے کہ سود کھانے یعنی حرام مال کھانے سے نامردی اور بزدلی پیدا ہوتی ہے۔

جاہلیت میں سود کا دستور ایسا تھا جس طرح ہندوستان کے بنیے اور لالہ لوگ لیتے ہیں کہ جب قرضدار مدت معینہ پر روپیہ ادا نہ کر سکا تو قرضخواہ سود کو اصل میں شامل کر کے قرض کی مدت بڑھا دیتا اور چند روز کے لیے اس کو مہلت دے دیتا پھر اگلی قسط پر سود اور بڑھ جاتا اور قرضدار وقت پر بوجہ مجبوری نہ ادا کر سکتا تو پھر سود خوار سود کو اصل میں جمع کر کے اس پر سود لگاتا اور اسی طرح بڑھاتا رہتا یہاں تک کہ سو روپیہ قرض کے بدلہ میں ایک ہزار کی جائداد کا مالک بن جاتا اس لیے ارشاد فرمایا اے ایمان والو مت کھاؤ سود دونے پر دونا تو بر توکہ اصل سے کئی گنا زیادہ ہو جاتے مطلب یہ ہے کہ اصل قرض سے ایک پائی بھی زائد لینا حرام ہے اور صریح ظلم ہے اور کھلا ہوا بخل ہے کہ خدا کے لیے ذرہ برابر بلا معاوضہ کسی کی ہمدردی بھی گوارا نہیں اور اصل قرض سے کئی گنا زائد لے لینا اس کی قباحت اور شناعت کی تو کوئی حد نہیں اضعافاً مضاعفہ سود تو قساوت قلبی اور بے رحمی کی آخری منزل ہے۔

آیات قرآنیہ اور بے شمار احادیث نبویہ سے مطلق ربا کی کلیتہً ممانعت اور حرمت ثابت ہے اور اس آیت میں جو اضعافا مضاعفہ کا لفظ آیا وہ قید احترازی نہیں بلکہ توبیخ اور سرزنش کے لیے ہے جو اُس زمانہ میں رائج تھی جیسے کوئی نیک دل اور دیندار حاکم کسی موقعہ پر اپنے عملہ کے اُن لوگوں سے جو رشوت خوار ہوں یہ کہے کہ صاحبو زیادہ حرام نہ کھاؤ اور حد سے نہ بڑھو تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ تھوڑا حرام کھانا تو جائز ہے اور زیادہ حرام کھانا۔ ناجائز ہے۔

ایسے الفاظ مزید تقبیح اور تشنیع کے لیے بولے جاتے ہیں جیسے فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا فرمایا یعنی خدا کے لیے متعدد شریک نہ ٹھہراؤ اس کا یہ مطلب نہیں کہ خدا کے لیے ایک دو شریک ٹھہرانا تو جائز ہے اور تین چار شریک ٹھہرانا۔ ناجائز ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ خدائے برتر کا تو ایک بھی شریک نہیں مگر تم ایسے ظالم ہو کہ تم نے خدا کے لیے بہت شریک ٹھہرا رکھے ہیں کما قال تعالٰی وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗۤ اَنْدَادًا۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا۔ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ۔ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ اَيْنَ شُرَكَآءِىَ۔ ان سب آیات کا یہی مطلب ہے نزول قرآن کے وقت سود خواروں کی یہی عادت تھی کہ اضعافا مضاعفہ سود لیتے اس لیے ان کی عادت کی بنا پر اس آیت میں اُن کی توبیخ اور سرزنش کے لیے اضعافا مضاعفہ کا لفظ بڑھا دیا گیا ورنہ اَحَلَّ اللّٰهُ

اَلْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا جیسی آیات سے بصراحت مطلق ربا کی حرمت ثابت ہے اگر کسی جھوٹے کو کوئی شخص یہ کہے کہ میاں پیٹ بھر کر جھوٹ نہ بولو تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ جھوٹ بقدر ذائقہ تو جائز ہے اور پیٹ بھر کر ناجائز ہے بلکہ جھوٹ کی قباحت اور شناعت کے واضح کرنے کے لیے ایسے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔

قرآن کریم میں ہے لَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا میری آیتوں کے بدلہ میں تھوڑی قیمت نہ لو سو اس کا یہ مطلب نہیں کہ آیات قرآنیہ میں تحریف کر کے زیادہ قیمت لینا تو جائز ہے اور کم قیمت لینا حرام اور ناجائز ہے آیات الٰہیہ کے مقابلہ میں ہفت اقلیم کی دولت بھی ہیچ ہے پس جس طرح اس آیت میں ثمن قلیل کی قید عار دلانے کے لیے ہے اسی طرح آیت ربوا میں اضعافا مضاعفہ کی قید عار دلانے کے لیے ہے۔ خوب سمجھ لو۔ خلاصۂ کلام یہ کہ اضعافا مضاعفہ کی قید احترازی نہیں بلکہ اُس زمانہ کے رسم و رواج کے مطابق جو ظالم اور بے رحم اضعافا مضاعفہ سود لیتے تھے اُن کی توبیخ اور سرزنش کے لیے اور اُن کو عار اور شرم دلانے کے لیے بڑھائی گئی ورنہ اگر یہ قید احترازی لی جائے تو مطلب آیت کا یہ ہو جائے گا کہ جب تک سود اصل رقم سے کم از کم سہ چند نہ ہو جائے اس وقت تک تو حلال ہے یعنی جب تک سو کا سود دو سو ننانوے تک رہے اس وقت تک تو وہ سود حلال ہے اور جب سود پورا تین سو ہو جائے تب حرام ہو گا غرض یہ کہ از روئے قرآن و حدیث ربا مطلقاً اور کلیتہً حرام ہے اضعافا مضاعفہ ہو یا غیر اضعافا مضاعفہ ہو قلیل ہو یا کثیر ہو اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم کامیاب ہو فلاح اور کامیابی سود نہ لینے میں ہے اور ڈرو اس آگ سے جو خاص کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ سود خوار جہنم کے اس طبقہ میں رکھے جائیں گے جو خاص کافروں کے لیے تیار کیا گیا ہے اور فرمانبرداری کرو خدا کی اور پیغمبر کی جو تم کو سود خواری سے منع کرتے ہیں تاکہ تم پر رحم ہو یعنی اگر تم اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے مطابق حاجت مندوں کو بلا سود قرض دو گے تو اللہ تم پر رحم کرے گا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور اے ایمان والو اس آگ سے تو بچا گو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے اور اپنے پروردگار کے سامان مغفرت کی طرف دوڑو اور بہشت کی طرف دوڑو جس کا عرض یعنی پھیلاؤ آسمان اور زمین ہے یعنی اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ کی طرف دوڑو جن سے حسب وعدۂ خداوندی جنّت ملتی ہے۔ تیار کی گئی ہے یہ جنت متقی اور پرہیزگاروں کے لیے۔ حق تعالےٰ نے اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ بصیغۂ ماضی فرمایا یعنی جنت متقیوں کے لیے تیار ہو چکی ہے اور یہ نہیں فرمایا کہ تُعَدُّ للمتقین کہ جنّت آئندہ زمانہ میں متقیوں کے لیے تیار کی جائے گی تاکہ معلوم ہو جائے کہ جنّت تیار ہو چکی ہے انسان کی فطرت میں ہے کہ رغبت اور میلان موجود شئی کی طرف ہوتا ہے معدوم کی طرف نہیں ہوتا اس لیے ماضی کا صیغہ استعمال فرمایا تاکہ جنّت کی طرف کشش ہو اور تقویٰ اور پرہیزگاری کو دل چاہے۔

اب آئندہ آیت میں متقین کی دو قسمیں بیان فرماتے ہیں ایک محسنین اور دوسرے تائبین۔

قسم اوّل اعلیٰ درجہ کے متقی وہ لوگ ہیں کہ جو آسائش اور سختی خوشی اور تکلیف میں خدا کی راہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں یعنی بڑے سخی اور کریم ہیں اور غصّہ کے پی جانے والے یعنی صابر اور حلیم اور بردبار ہیں اور لوگوں کی تقصیر کو معاف کرنے والے بلکہ مزید برآں اور نیکی سے پیش آنے والے اور اللہ تعالےٰ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے کہ جنہوں نے اپنی قوت شہویہ اور قوت غضبیہ کو قوت روحانیہ اور عقلیہ کے تابع کر دیا ہے۔

قسم دوم اور دوسرے درجہ کے متقی وہ لوگ ہیں کہ جب کبھی وہ کوئی برا کام کر بیٹھتے ہیں یا اپنی جانوں پر کوئی ظلم کر گذرتے ہیں تو فوراً اللہ کی عظمت وجلال کو یاد کرتے ہیں اور اللہ تعالےٰ سے اپنے گناہوں کی معافی اور بخشش چاہتے ہیں کیونکہ اُن کو خوب معلوم ہے کہ کون ہے جو اللہ کے سوا گناہوں کو معاف کر سکے اور جو گناہ اُن سے صادر ہو جاتا ہے جان بوجھ کر اس پر اصرار نہیں کرتے۔ بلکہ نادم اور شرمسار رہتے ہیں ایسے لوگوں کی جزاء بخشش اور معافی ہے اُن کے پروردگار کی جانب سے اور باغات ہیں کہ جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں اور یہ لوگ ان میں ابدالآباد تک رہیں گے اور نیک کام کرنے والوں کا کیا ہی اچھا اجر اور ثواب ہے یہ اجر اور بدلہ تائبین کا ہے اور قسم اوّل کے متقی یعنی محسنین کو مقام محبوبیت حاصل ہے اس لیے محسنین کے لیے کسی اجر اور ثواب کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ فقط وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ پر آیت کو ختم فرمایا مقام محبوبیت کے بعد اجر و ثواب کا کیا ذکر۔

حکایت بیان کیا جاتا ہے کہ کسی بادشاہ کے غلام سے کوئی نازیبا حرکت صادر ہوئی جس پر بادشاہ کو غصّہ آگیا اور غلام کو سزا دینے کا ارادہ کیا تو غلام نے عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین اللہ تعالیٰ متقین کی صفات میں فرماتا ہے وَالْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ یعنی غصہ کو پی جانے والے۔ بادشاہ نے کہا کظمت غیظی۔ میں اپنے غصّہ کو پی گیا۔ پھر غلام نے کہا اے امیر المؤمنین اور پھر اللہ تعالےٰ یہ فرماتا ہے وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ یعنی لوگوں کی خطائیں معاف کرنے والے بادشاہ نے کہا عفوت عنک میں نے تیرا قصور معاف کیا۔ بعد ازاں غلام نے عرض کیا اے امیر المؤمنین اللہ تعالےٰ اس کے بعد فرماتا ہے۔ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ یعنی اللہ تعالےٰ احسان کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے بادشاہ نے کہا احسنت الیك فاعتقتك میں نے تیرے ساتھ احسان کیا اور تجھے آزاد کیا۔ جا تو اللہ کے لیے آزاد ہے

فائدہ (۱) علماء نے لکھا ہے کہ صغیرہ پر اصرار کرنے سے صغیرہ کبیرہ ہو جاتا ہے رفتہ رفتہ طبیعت گناہ سے مانوس ہو جاتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بڑے بڑے گناہوں پر دلیر ہو جاتا ہے۔ اللھم احفظنا من ذٰلكَ آمین

فائدہ (۲) بمقتضائے بشریت اگر ۷۰ مرتبہ بھی گناہ سرزد ہو جائے مگر سرزد ہو جانے کے بعد اس سے بیزار اور شرمسار ہو جائے اور خدا سے استغفار کرے تو اللہ اس کو معاف کر دے گا اور اصرار یہ ہے کہ بے کھٹکے گناہ کرتا رہے اور خدا کی نافرمانی پر ایسا بے باک ہو جائے کہ معصیت

سے اس کو ندامت اور خجالت بھی نہ ہو تو یہ حالت خطرناک ہے جس طرح اپنی عبادت اور زہد اور تقویٰ پر غرہ اور ناز تباہی کا سامان ہے اسی طرح گناہوں پر بے باکی اور دلیری بھی تباہی کا سامان ہے۔

قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ سُنَنٌ ۙ فَسِيۡرُوۡا

ہو چکے ہیں تم سے آگے دستور سو پھرو

فِى الۡاَرۡضِ فَانۡظُرُوۡا كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ

زمین میں تو دیکھو کیسا ہوا آخر

الۡمُكَذِّبِيۡنَ ﴿۱۳۷﴾ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَ هُدًى

جھٹلانے والوں کا ۔ یہ بیان ہے لوگوں کے واسطے اور ہدایت

وَّمَوۡعِظَةٌ لِّلۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۱۳۸﴾ وَلَا تَهِنُوۡا وَلَا

اور نصیحت ڈر والوں کو ۔ اور سست نہ ہو اور نہ

تَحۡزَنُوۡا وَاَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۳۹﴾

غم کھاؤ اور تم ہی غالب رہوگے اگر تم ایمان رکھتے ہو ۔

اِنۡ يَّمۡسَسۡكُمۡ قَرۡحٌ فَقَدۡ مَسَّ الۡقَوۡمَ قَرۡحٌ مِّثۡلُهٗ ؕ

اگر تم نے زخم پایا تو وہ لوگ بھی پا چکے ہیں زخم ایسا ہی۔

وَتِلۡكَ الۡاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيۡنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعۡلَمَ

اور یہ دن بدلتے لاتے ہیں ہم لوگوں میں اور اس واسطے

اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَيَتَّخِذَ مِنۡكُمۡ شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ

کہ معلوم کرے اللہ جن کو ایمان ہے اور کرے بعضے تم میں شہید ۔ اور اللہ

لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۱۴۰﴾ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ

چاہتا نہیں ناحق والوں کو ۔ اور اس واسطے کہ نکھارے اللہ

اٰمَنُوْا وَ يَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا

ایمان والوں کو اور مٹا دے منکروں کو ۔ کیا تم کو خیال ہے ؟ کہ داخل ہو جاؤ

الْجَنَّةَ وَ لَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَ

گے جنت میں، اور ابھی معلوم نہیں کیے اللہ نے، جو لڑنے والے ہیں تم میں ، اور

يَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۲﴾ وَ لَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ

معلوم کر لے ثابت رہنے والے ۔ اور تم تو آرزو کرتے تھے مرنے کی ،

قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ص فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۱۴۳﴾ ع ۱۴ ع ۱۴ ۵

اس کی ملاقات سے پہلے ۔ سو اب دیکھا تم نے اس کو آنکھوں کے سامنے ۔

وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ج قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ط

اور محمد تو ایک رسول ہیں ہو چکے پہلے اس سے بہت رسول ۔

اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ ط وَ

پھر کیا اگر وہ مر گیا یا مارا گیا تم پھر جاؤ گے الٹے پاؤں اور جو

مَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا ط وَ

کوئی پھر جائے گا الٹے پاؤں وہ نہ بگاڑے گا اللہ کا کچھ ۔ اور

سَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَ مَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ

اللہ ثواب دے گا بھلا ماننے والوں کو ۔ اور کوئی جی مر

تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ط وَ مَنْ يُّرِدْ

نہیں سکتا بغیر حکم اللہ کے ، لکھا ہوا وعدہ ۔ اور جو کوئی

ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ج وَ مَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ

چاہے گا بدلہ دنیا کا ، اس میں سے دیں گے اس کو اور جو کوئی چاہے گا بدلہ

الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ؕ وَسَنَجْزِی الشّٰكِرِیْنَ ﴿۱۴۵﴾

آخرت کا، اس میں سے دیں گے اُس کو اور ہم ثواب دیں گے احسان ماننے والوں کو ۔

رجوع بسوئے قصۂ اُحد و تسلیۂ اہلِ اسلام بہ گونہ گوں

قال اللہ تعالےٰ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ..... الےٰ ..... وَسَنَجْزِی الشّٰكِرِیْنَ ه

(ربط) گزشتہ آیت میں واقعۂ اُحد کا بیان تھا۔ اب پھر قصۂ اُحد کی طرف رجوع فرماتے ہیں۔ جس میں مسلمانوں کی ہزیمت کے اسباب کو بھی بیان فرمایا کہ صبر اور تقویٰ اور اطاعت رسولؐ میں تقصیر کی وجہ سے فتح کے بعد تم کو یہ ہزیمت پیش آئی مگر ساتھ ہی ساتھ بار بار تسلی بھی دی گئی کہ تم مت گھبراؤ فی الحال اگرچہ کفّار کو غلبہ ہوا مگر انجام کار تم ہی غالب رہو گے اور بار بار حضرات صحابہؓ کی اس لغزش کے عفو اور معافی کا اعلان فرمایا تاکہ حضرات صحابہ کرام کے ٹوٹے ہوئے دِل دوبارہ جڑ جائیں اور محبین اور مخلصین کو جو بمقتضائے بشریت لغزش کی وجہ سے اضطراب اور بے چینی لاحق ہوئی ہے وہ مبدل بسکون و اطمینان ہو جائے اور قیامت تک ان محبین اور مخلصین (یعنی حضرات صحابہؓ) کے طاعنین (خوارج اور روافض) کی زبانوں پر مہر لگا دی جائے کہ خداوند ذوالجلال کے عفو اور اعلان رضاء کے بعد کسی کی مجال نہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے عاشقوں کی لغزش کو زبان پر لاسکے جس کی راہ میں لغزش ہوئی تھی۔ اس نے وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ کا اعلان کر دیا۔ اب بھی اگر کوئی صحابہ کرام کو معاف نہیں کرتا تو صحابہ کرام کی بلا سے جو خدا تعالےٰ کی معافی کے بعد بھی معاف نہ کرے خدا تعالےٰ اسے معاف نہ کرے گا۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں۔ تحقیق گذر چکے ہیں تم سے پہلے بہت سے واقعات یعنی تم سے پہلے بھی مسلمانوں اور کافروں کے درمیان لڑائیاں ہوئیں۔ اور ان میں کبھی کبھی مسلمانوں کو تکلیفیں بھی پہنچی ہیں لیکن انجام بخیر ہمیشہ انہیں کا ہوا ہے پس زمین میں چل کر دیکھ لو کہ رسولوں کے جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا ان کی تباہی اور بربادی کے آثار اب بھی موجود ہیں کما قال تعالےٰ فَتِلْكَ بُیُوْتُهُمْ خَاوِیَةً ؕ الخ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ الخ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِیْنٍ وغیرہ اور یہ مضمون مذکور عام لوگوں کے لیے بیان شافی اور اظہار حقیقت ہے اور خاص خدا سے ڈرنے والوں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے جو خدا تعالےٰ کی ہدایتوں اور نصیحتوں پر عمل کرتے ہیں اور اے مسلمانو! تم اس وقت کی ہنگامی پسپائی سے ملول و مایوس ہو کر نہ ہمت ہارو اور نہ آئندہ جہاد میں سستی کرو اور جو شہید ہو گئے ہیں ان پر غمگین اور آزردہ خاطر نہ ہو اس وقت اگرچہ کافروں نے غلبہ پا لیا ہے لیکن اخیر فتح تمہاری ہی ہو گی اور بالآخر باطل کے مقابلہ میں حق مظفر و منصور اور غالب ہو کر رہے گا اور تم ہی بلند اور غالب رہو گے اگر تم پورے مومن اور ٹھیک ٹھیک ایمان کے مقتضیٰ پر چلتے رہو اور

اطاعت رسولؐ سے ذرہ برابر انحراف نہ کرو اگر تم کو اس لڑائی میں یعنی معرکۂ اُحد میں کوئی زخم لگا ہے تو جماعت کفار کو بھی معرکۂ بدر میں ایسا ہی ایک زخم لگ چکا ہے باوجود اس کے وہ تم سے لڑنے میں ضعیف اور سُست نہیں پڑے تو تم کیوں سُست پڑتے ہو تم سے تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے اور ان سے کوئی وعدہ نہیں پھر تم کیوں حق کی حمایت میں ہمت ہارتے ہو اور علاوہ ازیں یہ دن لوگوں میں ہم باری باری سے پھیرتے رہتے ہیں. یعنی حق تعالیٰ بمقتضائے حکمت۔ فتح و شکست کے دنوں کو لوگوں میں بدلتے رہتے ہیں کبھی اہلِ حق۔ اہلِ باطل پر فتح پاتے ہیں اور کبھی اس کے برعکس ہوتا ہے جس میں اس علیم و حکیم کی بے شمار حکمتیں۔ اور مصلحتیں ہیں اور اس غزوۂ احد میں۔ مسلمانوں کو کافروں کے ہاتھ سے تکلیف پہنچانے میں بھی چند مصلحتیں ہیں ایک تو یہ کہ سچے ایمان والوں کو منافقین سے ممتاز اور الگ کر دے۔ اہل اخلاص اور اہل نفاق دونوں کا رنگ صاف صاف اور جدا جدا نظر آنے لگے اور پکے اور سچّے مسلمانوں کا جھوٹوں اور کچوں سے التباس نہ ہو جائے اگر ہمیشہ اہلِ ایمان اور اہلِ حق ہی کو غلبہ اور فتح ہوا کرے تو لوگ ایمان لانے پر مجبور ہو جائیں گے اور ایمان اختیاری نہ رہے گا اور دوسری مصلحت یہ ہے کہ تم میں سے بعض کو شہید بنائے یعنی تم میں سے بعض کو درجہ شہادت کا عطا کرے اگر ہمیشہ غلبہ اہل ایمان کو ہو تو پھر شہادت کا رتبہ کہاں سے ملے اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو یعنی ناحق والوں کو دوست نہیں رکھتا پس اگر کسی وقت کافر تم پر غالب آگئے تو اُس سے یہ نہ سمجھنا کہ خدا تعالیٰ کو اُن سے محبت ہے تم مطمئن رہو۔ ہر حال میں محب اور محبوب تم ہی ہو اور تیسری مصلحت یہ ہے کہ اہل ایمان کو نکھار دے یعنی گناہوں کا میل کچیل اُن سے صاف کر دے اس لیے کہ مصائب و آلام سے اخلاص اور اعمال کا تزکیہ اور تجلیہ اور تصفیہ ہو جاتا ہے اور شہادت سے تو سوائے قرض کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور چوتھی مصلحت یہ ہے کہ کافروں کو مٹائے یہ دو طرح سے ہوگا ایک تو یہ کہ جب اہل حق اور خدا کے دوستوں پر ظلم اور تعدی ہوگا تو قہر خداوندی جوش میں آئے گا اور شدت کے ساتھ اپنے دوستوں کا اپنے دشمنوں سے انتقام لے گا دوسرے یہ کہ کافر اپنی اس عارضی فتح پر مغرور اور مسرور ہو کر ان کی جرأت بڑھے گی اور دل کھول کر اور پوری تیاری اور پورے لاؤ لشکر کے ساتھ دوبارہ مسلمانوں سے مقابلہ اور مقاتلہ کے لیے آئیں گے اس وقت حق تعالیٰ ان کو پوری شکست دیں گے جیسا کہ جنگ میں ایک فریق از خود اس لیے پسپا ہوتا ہے کہ پلٹ کر اور سنبھل کر اپنے دشمن پر اس طرح حملہ کروں کہ دشمن محاصرہ میں آجائے اور کسی طرح ہمارے چنگل سے نکل نہ سکے پس یہ پسپائی صورۃً شکست ہوتی ہے مگر حقیقت میں عین فتح ہوتی ہے۔ اور غنیم ظاہر میں اگرچہ فتحیاب ہو رہا ہے لیکن درحقیقت موت کے منہ میں جا رہا ہے حق جل شانہٗ اپنے پیغمبروں کے دشمنوں کو اس طور سے ہلاک کرتے ہیں وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ۔

خلاصۂ کلام یہ کہ حق تعالیٰ نے ان آیات میں ان مسلمانوں کو جو جنگ احد میں شریک تھے سُستی اور کم ہمتی کی ممانعت فرمائی اور وقتی طور پر جو شکست پیش آئی تھی۔ تسلّی کے لیے اس کی

حکمتیں اور مصلحتیں بیان فرمائی اب آئندہ آیات میں اپنے محبین و مخلصین کی ایک شکایت ہے اور ایک ان کو نصیحت ہے شکایت تو یہ ہے کہ تم خود پہلے سے یہ تمنا کرتے تھے کہ کاش ہم کو بھی جنگ بدر کی طرح کوئی موقعہ ملے کہ ہم بھی اصحاب بدر کی طرح خدا کی راہ میں مقتول اور شہید ہوں پس جب یہ موقعہ سامنے آیا تو پھر کیوں گھبرائے اور نصیحت یہ ہے کہ بغیر جہاد اور صبر کے سعادت اخروی نصیب نہیں ہوسکتی چنانچہ فرماتے ہیں کیا تم نے یہ خیال کرلیا ہے کہ جنت میں داخل ہوجاؤ اور اس کے اعلیٰ مقامات اور بلند درجات پر فائز ہوجاؤ حالانکہ ابھی تک اللہ تعالےٰ نے ممتاز نہیں کیا اُن لوگوں کو کہ جو تم میں سے مجاہد ہیں اور نہ جُدا کیا صابرین کو یعنی کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ محض مسلمان ہونے کی بنا پر بغیر جہاد کیے اور بغیر تکلیف اٹھائے ہی جنّت میں داخل ہوجاؤ خوب جان لو کہ جب تک حق تعالےٰ تمہارا امتحان لے کر مجاہدین کو غیر مجاہدین سے اور صابرین کو غیر صابرین سے لوگوں کی نظر میں واضح طور پر جدا اور ممتاز نہ کردے اس وقت تک درجات عالیہ کی تمنا ایک خیال خام ہے اور شدائد و مصائب کو دیکھ کر تمہارے پائے استقامت میں کیوں تزلزل آیا حالانکہ تحقیق تم تو موت کے سامنے آنے سے پہلے ہی موت کی تمنا اور آرزو کرتے تھے تم ہی نے شوق شہادت میں جنگ احد کے وقت یہ مشورہ دیا تھا کہ مدینہ سے باہر نکل کر لڑنا چاہیئے پس تم نے اپنی تمنا اور آرزو یعنی موت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا پس جب تمہاری تمنا تمہارے سامنے آگئی تو پھر پیچھے کیوں ہٹتے ہو اور کیوں کمزوری دکھلاتے ہو۔

اُحد کی لڑائی میں کافروں کے ناگہانی حملہ کی وجہ سے بعض مسلمانوں کے قدم ہٹ گئے اور عین اُس ہنگامہ میں کسی شیطان نے پکار کر یہ کہہ دیا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) مقتول ہوگئے اس خبر وحشت اثر سے مسلمانوں کے ہوش اڑ گئے اور پاؤں اکھڑ گئے اور ہمتیں ٹوٹ گئیں اس وقت بعض کمزور مسلمانوں کی زبانوں سے یہ نکلا کہ کاش عبداللہ بن ابی۔ ہمارے لیے ابوسفیان سے امان حاصل کرلے اور بعض منافقوں نے کہا کہ اگر محمدؐ نبی ہوتے تو قتل نہ کئے جاتے اب تم اپنے بھائیوں میں شامل ہوجاؤ اور اپنے پرانے دین کی طرف لوٹ جاؤ اس وقت حضرت انس بن مالکؓ کے چچا حضرت انس بن النضرؓ نے کہا کہ اگر محمدؐ قتل ہوگئے تو کیا ہوا۔ رَبِّ محمدؐ تو زندہ ہے اسے تو موت نہیں رسول اللہؐ کے بعد تم زندگی کو لیکر کیا کروگے جس چیز پر آپ کافروں سے لڑے تم بھی اسی بات پر ان سے لڑو اور جس بات پر آپ نے جان دے دی تم بھی اسی پر جان دے دو۔ یہ کہہ کر آگے بڑھے اور حملہ کیا یہاں تک کہ لڑتے لڑتے شہید ہوگئے رضی اللہ عنہ اس پر حق تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور نہیں ہیں محمد صلے اللہ علیہ وسلم مگر ایک رسول یعنی پیغمبر خدا ہیں خدا نہیں کہ جن پر موت اور فناء کا آنا محال ہو تحقیق آپ سے پہلے بہت سے رسول گذر چکے پس اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم مرجائیں یا شہید ہو جائیں تو کیا تم الٹے پاؤں پھر اپنے کفر کی طرف واپس ہوجاؤ گے پیغمبر کے قتل کی خبر سُنکر پائے استقامت میں تزلزل آجانا تمہاری شان رفیع کے لحاظ سے نمونۂ ارتداد ہے۔ ابن الفارض رحمہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں۔

وَلَوْ خَطَرَتْ لِیْ فِیْ سِوَاكَ اِرَادَۃٌ ۔۔ عَلٰی خَاطِرِیْ یَوْمًا حَکَمْتُ بِرِدَّتِیْ

اے میرے محبوب اگر میرے دل میں تیرے سوا کا کسی وقت کوئی خیال اور خطرہ بھی آجائے تو میں اسی وقت اپنے مرتد ہونے کا حکم لگاؤں گا۔

عاشق صادق کے دل میں محبوب کے سوا کا خطرہ آنا یہ ارتداد فی المحبت ہے اور جو شخص اپنے ایڑیوں کے بل اپنے گزشتہ دین کی طرف واپس ہو جائے گا تو اللہ کا کچھ نہیں بگاڑے گا بلکہ اپنا ہی کچھ بگاڑے گا اور اللہ تعالے ضرور انعام دیں گے شکر گذاروں کو شاکرین سے وہ لوگ مراد ہیں جو اسلام اور ایمان اور ہدایت کی نعمت کے شکر گزار ہیں۔

اور رسولؐ کی زندگی میں اور رسولؐ کی وفات کے بعد دین حق پر قائم ہیں اور خدا کے لیے اور دین کی حفاظت کے لیے کسی حال میں جہاد سے سستی نہیں کرتے کیونکہ اُن کا عمل رسولؐ کے لیے نہیں ہے کہ اس کی وفات کے بعد وہ عمل جاتا رہے بلکہ خالص اللہ کے لیے ہے جس کو کبھی موت اور فنا نہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ اس آیت میں شاکرین سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اُن کے ساتھی مراد ہیں جو دین پر قائم اور ثابت رہے اور ابوبکر صدیق امیر الشاکرین تھے۔ (روح المعانی ص۶۷ ج۴) اس آیت میں تمام صحابہ کرام کو محبانہ عتاب ہے کہ اصل معبود اور مقصود وہ حی لایموت ہے اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں جو واسطہ فی العبودیت ہیں واسطہ کے اُٹھ جانے سے پائے استقامت میں کیوں تزلزل آیا۔ امیر الشاکرین یعنی صدیق اکبرؓ نے جب خطبہ دیا تو سب کو تسلی ہوگئی اور وقتی طور پر جو اضطراب پیش آیا تھا وہ دور ہوگیا اور امیر الشاکرین (صدیق اکبرؓ) نے جب فتنۂ ارتداد میں راہ استقامت اختیار کی اور مرتدین سے جہاد و قتال کیا تو اللہ نے اُن کو اس کی جزاء دی یعنی فتح دی۔

اب آگے فرماتے ہیں کہ موت ہر ایک کی مقدر ہے وقت سے پہلے کوئی مر ہی نہیں سکتا۔ لہٰذا اسباب موت کے جمع ہو جانے سے جہاد و قتال میں کوئی کمزوری اور پستی نہ آنے پائے اور نہ کسی بڑے یا چھوٹے کی موت کی خبر سُن کر مایوس اور بددل ہو کر بیٹھ رہنا چاہیئے چنانچہ فرماتے ہیں کسی شخص کے لیے یہ ممکن نہیں کہ بغیر حکم خداوندی مر جائے موت نوشتۂ خداوندی ہے اور مقید بقید وقت ہے لہٰذا جہاد میں جی چرانے اور پرہیز کرنے سے کوئی فائدہ نہیں کوئی شخص اپنے مقررہ وقت سے پہلے نہیں مر سکتا اگرچہ وہ ساری عمر ہلاکت کے مقامات اور جنگ کے میدانوں میں گھسا رہے۔ اور جو شخص دنیا کا نفع چاہے گا ہم اس کو دنیا میں سے کچھ دیں گے اور جو شخص آخرت کا نفع چاہے گا ہم اس کو آخرت کے منافع میں سے دیں گے اور شکر گذاروں اور احسان ماننے والوں کو ضرور بالضرور انعام دیں گے شاکرین سے وہ لوگ مراد ہیں جو اللہ تعالے کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہیں اور جہاد جو کہ ایک نعمت الٰہی ہے اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ثابت قدم رہے اور دشمن کے مقابلہ سے نہیں ہٹے ایسے لوگوں کو خاص انعام ملے گا۔

یعنی دین بھی ملے گا اور دنیا بھی ملے گی۔ دین اُن کے دل میں ہوگا اور دنیا اُن کے قدموں میں ہوگی۔
ان آیات میں اشارہ اس طرف ہے کہ جہاد میں فقط دنیوی منفعت پر نظر نہ ہونی چاہیئے۔ یہ کام منافق کا ہے کہ جس کا مطمح نظر فقط دنیاوی نفع ہو اور مؤمن مخلص وہ ہے کہ جس کا مطمح نظر خاص آخرت ہو اور اصلی مطمح نظر تو آخرت ہو اور تبعاً کچھ مال غنیمت بھی مطلوب ہو تو مضائقہ نہیں لیکن یہ مقام رخصت ہے مقام عزیمت نہیں عجب نہیں کہ اس آیت میں اُن لوگوں پر تعریض ہو جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف حکم مورچہ چھوڑ کر مال غنیمت جمع کرنے کے لیے پہاڑ سے نیچے اُتر آئے تھے اور جو کوہ استقامت تھے وہ پہاڑ پر آپ کے حکم کے مطابق ثابت قدم رہے یہ حضرات اصحاب عزیمت تھے اور جو لوگ پہاڑ سے اُتر کر مجاہدین کے ساتھ مال غنیمت کے جمع کرنے میں آکر شریک ہوئے وہ اصحاب رخصت تھے اور یہ نیچے اترنے والے اگرچہ عزیمت کے لحاظ سے کم تھے مگر سارے عالم سے بالا اور برتر تھے۔

آسمان نسبت بہ عرش آمد فرود ∴ لیک بس عالی است پیش خاک تود

فوائد ولطائف

۱۔ اُحد کی لڑائی میں ایک کافر نے پکار کر یہ کہہ دیا کہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مار آیا۔ اور آپ صلے اللہ علیہ وسلم کے بہت زخم آئے تھے جس سے بہت خون آیا تھا ضعف کی وجہ سے ایک گڑھے میں گر گئے۔ مسلمانوں نے آپ کو نہ دیکھا اس لیے اُن کو آپ کی شہادت کا یقین ہو گیا محبین وعاشقین کے تو اس خبر سے ہوش اُڑ گئے اور پاؤں اکھڑ گئے اور بعض منافقین یہ کہنے لگے کہ جب محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) قتل ہو گئے تو ہمیں اسلام چھوڑ کر اپنے قدیم مذہب کی طرف واپس ہو جانا چاہیئے۔ اور انس بن النضر رضی اللہ عنہ نے یہ کہا کہ اگر محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) مقتول ہو گئے تو ربِّ محمدؐ تو مقتول نہیں ہوا جس چیز پر آپ نے جان دی اسی پر ہم کو جان دے دینی چاہیئے۔
اسی اثناء میں جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ضعف سے کچھ افاقہ ہوا اور ہشیار ہوئے تو آپ نے آواز دی۔ الیّ عباد اللہ۔ انا رسول اللہ۔ میری طرف آؤ اے اللہ کے بندو! ۔ میں اللہ کا رسول ہوں کعب بن مالک رضؓ نے مسلمانوں کو للکار کر آواز دی یا معشر المسلمین اے گروہ مسلمین تم کو بشارت ہو۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یہاں موجود ہیں تمام صحابہ سمٹ کر آپ کے قریب جمع ہو گئے۔

۲۔ اس پر اللہ تعالے نے یہ آیت نازل فرمائی اور بتلا دیا کہ اللہ کا رسول زندہ رہے یا نہ رہے دین اللہ کا ہے اس پر قائم رہنا اور اشارہ اس طرف ہے کہ آئندہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم

کی وفات کے بعد کچھ لوگ مرتد ہو جائیں گے اور جو قائم رہیں گے ان کو بڑا ثواب ہوگا چنانچہ اسی طرح ہوا کہ بہت سے لوگ حضرت کے بعد مرتد ہوئے اور حضرت صدیقؓ نے ان کو پھر مسلمان کیا اور بعضوں کو مارا۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

۴۔ میدان اُحد میں نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے بہ نفس نفیس خود مجاہدین کی صفوں کو مرتب فرمایا صفیں درست کرنے کے بعد پہاڑ کا ایک درہ باقی تھا جہاں سے یہ اندیشہ تھا کہ دشمن۔ لشکر اسلام پر عقب سے حملہ آور ہو جائے اس جگہ پر آپؐ نے پچاس تیراندازوں کا ایک دستہ مقرر فرمایا جن پر عبد اللہ بن جبیرؓ کو امیر مقرر فرمایا اور یہ ہدایت فرمائی کہ تم اپنے اس مرکز کو کسی حال میں نہ چھوڑنا مسلمان خواہ غالب ہوں یا مغلوب حتیٰ کہ اگر تم یہ دیکھو کہ جانور ہم کو اچک کر لے جا رہے ہیں (یعنی کافر ہم پر غالب آ رہے ہیں) تو تم اپنی جگہ پر قائم رہنا یہاں تک کہ میں تمہارے پاس آدمی بھیجوں۔

اس ہدایت کے بعد جنگ شروع ہوئی اور مجاہدینِ اسلام نے شجاعت کے جوہر دکھلائے اور اس بے جگری سے کافروں کا مقابلہ کیا کہ کافروں کو سوائے راہ فرار کے کوئی راستہ نظر نہ آیا حق تعالےٰ نے جو فتح و نصرت کا وعدہ کیا تھا وہ پورا کر دکھایا مشرکین شکست کھا کر بُری طرح بھاگے۔ مجاہدین نے مالِ غنیمت پر قبضہ کرنا شروع کر دیا۔

پہاڑ پر سے جب اُن پچاس تیراندازوں نے یہ منظر دیکھا کہ کافر بھاگ چکے ہیں اور مسلمان مالِ غنیمت کے جمع کرنے میں مشغول ہیں تو سمجھے کہ فتح مکمل ہوگئی اب یہاں ٹھہرنا ضروری نہیں عبد اللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیا تم کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک یاد نہیں رہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ تم کسی حال میں اپنی جگہ سے نہ ہلنا انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ مطلب نہ تھا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس حکم سے جو منشا تھا وہ پورا ہوگیا اب یہاں ٹھہرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ خیال کر کے نیچے اتر آئے اور مالِ غنیمت جمع کرنے میں مسلمانوں کے ساتھ شریک ہوگئے حضرت عبد اللہ بن جبیرؓ اور اُن کے چند رفقاء نے کہا کہ تم کو اختیار ہے ہم نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق اپنی جگہ سے نہیں ہٹیں گے چنانچہ عبد اللہ بن جبیرؓ اور ان کے گیارہ ساتھی درہ کی حفاظت پر باقی رہ گئے۔

مشرکین کے سواروں کا رسالہ اُس وقت خالد بن ولید کے زیر کمان تھا (جو ابھی تک مشرف باسلام نہ ہوئے تھے) انہوں نے دیکھا کہ درہ خالی ہے پلٹ کر درہ کی جانب سے حملہ کر دیا۔ دس بارہ تیرانداز ایک پورے رسالہ کے یلغار کی تاب نہ لا سکے تاہم عبد اللہ بن جبیرؓ اور ان کے رفقاء نے پورا مقابلہ کیا اور بالآخر جام شہادت نوش کیا۔

مسلمان مجاہدین۔ اپنے عقب سے مطمئن تھے ناگہاں مشرکین کا پورا رسالہ اور ایک فوجی دستہ ان کے سروں پر جا پہنچا اور سامنے سے مشرکین کی فوج بھاگی جا رہی تھی وہ یہ منظر دیکھ کر پلٹ پڑی۔ اب مسلمانوں کی جماعت دو طرف سے گھر گئی پیچھے سے سواروں کا دستہ آ گیا اور آگے سے پیادوں کی فوج واپس آ گئی اور خوب زور کے ساتھ مقابلہ ہوا جس میں بہت سے مسلمان شہید اور زخمی ہوئے اسی افراتفری

میں عبداللہ بن قمیئہ نے ایک بھاری پتھر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم پر پھینکا جس سے حضورؐ کا دندان مبارک شہید ہوا اور چہرۂ انور زخمی ہوا ابن قمیئہ نے چاہا کہ آپؐ کو قتل کردے مگر مصعب بن عمیرؓ جن کے کے ہاتھ میں اسلام کا جھنڈا تھا انھوں نے حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت اور آپؐ کی طرف سے مدافعت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا زخم کی شدّت کی وجہ سے آپؐ ایک گڑھے میں گر گئے اور صحابہ کی نظروں سے پوشیدہ ہوگئے کسی شیطان نے یہ آواز لگادی کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) قتل کردیئے گئے الی آخر القصہ ناظرین اس واقعہ کو یاد رکھیں کیونکہ آئندہ آیات میں اس واقعہ کے اجزاء کی طرف بار بار اشارہ ہے اُن آیات کا سمجھنا اس واقعہ کے جاننے پر موقوف ہے اس لیے اس واقعہ کا استحضار ضروری ہے۔

وَكَأَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ فَمَا وَهَنُوْا

اور بہت نبی ہیں جن کے ساتھ ہو کر لڑے ہیں بہت خدا کے طالب۔ پھر نہ ہارے ہیں

لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا

کچھ تکلیف پہنچنے سے اللہ کی راہ میں، اور نہ سُست ہوتے ہیں نہ دب گئے ہیں۔

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ

اور اللہ چاہتا ہے ثابت رہنے والوں کو ۔ اور کچھ نہیں بولے، مگر یہی کہا کہ

قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا

اے رب ہمارے بخش ہمارے گناہ، اور جو ہم سے زیادتی ہوئی ہمارے کام میں،

وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾

اور ثابت رکھ قدم ہمارے اور مدد دے ہم کو منکر قوم پر ۔

فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ

پھر دیا ان کو اللہ نے، ثواب دنیا کا بھی، اور خوب ثواب آخرت کا

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ ع ۱۵/۵/۶

اور اللہ چاہتا ہے نیکی والوں کو ۔

ذکرِ استقلال مجاہدین اُممِ سابقہ

قال تعالےٰ وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ۔۔۔ الیٰ۔۔۔۔ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

(ربط) گزشتہ آیات میں مسلمانوں کی کمزوری پر شکایت اور ملامت کا ذکر تھا اب ان آیات میں یہ ذکر کرتے ہیں کہ پہلے زمانہ میں بھی انبیاء سابقین کے ساتھ ہو کر بہت سے اللہ والوں نے کافروں سے جہاد و قتال کیا اور امت کے سامنے اُن کے نبی شہید بھی ہوئے لیکن وہ لوگ ثابت قدم رہے اور خوف زدہ اور سُست نہیں ہوئے تم کو بھی ایسا ہی چاہیئے اور تم تو خیر الامم ہو تم کو تو اُن سے بڑھ کر صبر اور استقامت کا ثبوت دینا چاہیئے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور کتنے ہی نبی گزرے ہیں کہ جن کے ساتھ ہو کر خدا پرستوں اور اللہ والوں نے کافروں کے ساتھ جہاد و قتال کیا مگر ان تکلیفوں کی وجہ سے جو اُن کو خدا کی راہ میں پہنچیں ان سے گھبرا کر نہ تو انہوں نے ہمت ہاری اور نہ جہاد و قتال میں سُست پڑے اور نہ دشمن کے سامنے جھکے اور نہ اُس سے دبے اور نہ اس کے سامنے کوئی عاجزی ظاہر کی جیسے جنگ اُحد میں بعض منافقین کہنے لگے کہ کاش کوئی ہمارے لیے ابو سفیان سے امان حاصل کر لے اور اللہ تعالےٰ شدائد اور مصائب میں صبر کرنے والوں اور ثابت قدم رہنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔ پس جس طرح ان لوگوں نے تکلیفوں کی وجہ سے ہمت نہیں ہاری اور باوجود نبی کے شہید ہو جانے کے اپنے دین کو نہیں چھوڑا جیسے نبی کی زندگی میں دین حق کی اشاعت میں کوشش کرتے رہے ویسے ہی اُن کی شہادت کے بعد بھی کرتے رہے اس لیے وہ اللہ کے محبوب بنے پس تمہیں اُن کے حال سے عبرت پکڑنی چاہیئے اور ان اللہ والے مجاہدین کے صبر و استقامت کا یہ عالم تھا کہ ایسی مصیبت کے وقت قدم تو کیا لڑکھڑاتے۔ زبان میں بھی لغزش نہیں آئی اور ایسے نازک وقت میں بجائے مخلوق کی طرف جھکنے کے اپنے خالق اور مالک کی طرف جھکے۔ اور اس نازک وقت میں کچھ نہیں بولے مگر یہی کہا کہ اے ہمارے پروردگار ہماری تمام تقصیرات کو اور اس کام میں ہماری تمام زیادتیوں کو معاف فرما اور دشمنوں کے مقابلہ میں ہم کو ثابت قدم رکھ ہمارا صبر اور ہماری ثبات قدمی آپ کی تائید اور اعانت پر موقوف ہے بندۂ عاجز اپنے حَوْل و قوت سے جادۂ صبر و استقامت پر قائم نہیں رہ سکتا ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ پس اے پروردگار تو اپنی رحمت و عنایت سے ہم کو ثابت قدم رکھ خدانخواستہ ایسا نہ ہو کہ تکالیف و مصائب کی وجہ سے قدم لڑکھڑا جائیں اور کافر قوم کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما اور ہمیں فتح دے پس اللہ تعالےٰ نے اُن کو دنیا کی بھی جزا دی یعنی دشمن کے مقابلہ میں اُن کی مدد کی اور اُن کو فتح دی اور ملک کی سرداری اور عزت عطا کی اور آخرت کا بھی ان کو اچھا بدلہ دیا کہ خدا تعالےٰ اُن سے خوش ہوا اور انہیں اس کا قرب نصیب ہوا اور جنت کی وہ نعمتیں جو نہ کسی کی آنکھ نے

دیکھی اور نہ کسی کان نے سنی اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کا خطرہ گزرا اور آخرت کے ثواب کو اچھا اس لیے فرمایا کہ آخرت کے ثواب میں کسی شر اور ضرر کی آمیزش نہیں پھر یہ کہ آخرت کا ثواب باقی ہے اور دنیا کا فانی عاقل کا کام یہ ہے کہ باقی کو فانی پر ترجیح دے اور اللہ تعالیٰ نیکوکاروں یعنی مخلصوں کو محبوب رکھتا ہے اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ مصائب و شدائد میں توبہ و استغفار میں لگ جائے بسا اوقات مصیبت کے آنے میں گناہوں کو کچھ دخل ہوتا ہے۔

غم چو آمد زود استغفار کن
غم بامر خالق آمد کار کن

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ

اے ایمان والو! اگر تم کہا مانو گے

كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا

منکروں کا، تو تم کو پھیر دیں گے الٹے پاؤں پھر جا پڑو گے

خٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ

نقصان میں۔ بلکہ اللہ تمہارا مددگار ہے اور اس

خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿۱۵۰﴾ سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا

کی مدد سب سے بہتر ہے۔ اب ڈالیں گے ہم کافروں کے دل میں

الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ

ہیبت، اس واسطے کہ انہوں نے شریک ٹھہرایا اللہ کا جس کی اُس نے سند نہیں اُتاری۔

وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَ

اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور بُری بستی ہے بے انصافوں کی۔ اور

لَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ

اللہ تو سچ کر چکا تم سے اپنا وعدہ جب تم لگے ان کو کاٹنے اس کے حکم سے۔

حَتّٰىٓ اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ

جب تک کہ تم نے نامردی کی، اور کام میں جھگڑا ڈالا ، اور بے حکمی کی،

مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ

بعد اس کے کہ تم کو دکھا چکا تمہاری خوشی کی چیز۔ کوئی تم میں چاہتا تھا دنیا

الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ

اور کوئی تم میں چاہتا تھا آخرت - پھر تم کو الٹ دیا

عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ

ان پر سے، اس واسطے کہ تم کو آزماوے۔ اور وہ تو تم کو معاف کر چکا - اور اللہ فضل

فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۲﴾ اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ

رکھتا ہے ایمان والوں پر ⁘ جب تم چڑھے جاتے تھے اور پیچھے نہ

عَلٰٓى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِىْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ

دیکھتے تھے کسی کو، اور رسول پکارتا تھا تم کو پیچھاڑی میں پھر تم کو تنگ

غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ

کیا بدلہ تمہارے تنگ کرنے کا تو غم نہ کھایا کرو، جو ہاتھ سے جاوے اور جو

اَصَابَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵۳﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ

سامنے آوے اور اللہ کو خبر ہے تمہارے کام کی ⁘ پھر تم پر اتاری

عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً

تنگی کے بعد اُونگھ، کہ گھیر رہی تھی تم میں بعضوں کو، اور

مِّنْكُمْ ۙ وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ

بعضوں کو فکر پڑا تھا اپنے جی کا خیال کرتے تھے

بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۭ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا

اللہ پر، جھوٹے خیال جاہلوں کے ۔ کہتے تھے کچھ بھی کام

مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ۭ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ۭ

ہے ہمارے ہاتھ ؟ تو کہہ سب کام ہے اللہ کے ہاتھ

يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ۭ يَقُوْلُوْنَ

اپنے جی میں چھپاتے ہیں جو تجھ سے ظاہر نہیں کرتے ۔ کہتے ہیں

لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا ھٰهُنَا ۭ

اگر کچھ کام ہوتا ہمارے ہاتھ، تو ہم مارے نہ جاتے اس جگہ۔ تو کہہ اگر

قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ

تم ہوتے اپنے گھروں میں البتہ باہر نکلتے جن پر لکھا تھا

عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا

مارے جانا اپنے پڑاؤ پر - اور اللہ کو آزمانا تھا جو

فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ

کچھ تمہارے جی میں ہے، اور نکھارنا تھا جو کچھ تمہارے دل میں ہے اور اللہ

عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۵۴﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ

کو معلوم ہے جی کی بات :. جو لوگ تم میں ہٹ گئے

يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ

جس دن بھڑیں دو فوجیں ، سو ان کو ڈگایا شیطان نے کچھ

بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۭ اِنَّ

ان کے گناہ کی شامت سے ۔ اور ان کو بخش چکا اللہ بے شک

ع ۱۶ ۷

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿١٥٥﴾

اللہ بخشنے والا ہے تحمل رکھتا ہے۔

ترہیب مومنین از قبول مشورۂ کفار و منافقین

قال تعالیٰ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِیْعُوا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ۔۔۔۔ الیٰ ۔۔۔۔ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ ۰

(ربط) گزشتہ آیات میں خدا پرستوں اور اللہ والوں کی راہ اور طریق پر چلنے کی ترغیب تھی۔ اب ان آیات میں اعداء اللہ بد باطنوں کے کہا ماننے سے منع فرماتے ہیں تاکہ مسلمان ہشیار رہیں اور اُن کے دھوکہ میں نہ آئیں چنانچہ فرماتے ہیں اے مسلمانو اگر تم کافروں کا کہا مانوگے اور ان کے مشورہ پر عمل کروگے تو یہ تم کو الٹے پاؤں کفر کی طرف پھیر دیں گے تو پھر تم دنیا اور آخرت کے خسارہ اور نقصان میں جا پڑوگے اگر تم کافروں کی پناہ میں آگئے اور ان کی حکومت قبول کر لی جیسا کہ بعض منافقین تم کو مشورہ دیتے ہیں خوب سمجھ لو کہ اس میں دنیا اور آخرت کا خسارہ اور دونوں جہان کی ذلت ہے ان کو ہرگز اپنا دوست اور معین و مددگار نہ سمجھو۔ بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارا کارساز اور مددگار ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جب ابوسفیان اُحد سے واپس ہونے لگا اور ہُبل بت کی جے" پکاری اور یہ کہا کہ لنا العزّیٰ ولا عُزیٰ لکُم تو آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حکم دیا کہ یہ جواب دو۔ اللہ مولانا و لا مولی لکُم اور اللہ تعالیٰ ہی سب سے بہتر مدد کرنے والا ہے پس اے مسلمانو تم اللہ کی مدد پر بھروسہ کرو۔ ابوسفیان اور عبداللہ بن ابی کی مدد کا خیال بھی دل میں نہ لاؤ۔ یہ تو تمہارا امتحان تھا اب دیکھو کہ ہم کافروں کے دل میں تمہارا رُعب اور تمہاری ہیبت ڈالتے ہیں جس سے تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ خیر الناصرین کس طرح بغیر قتال کے مدد کرنے پر قادر ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ تم گھبراؤ نہیں اب ہم عنقریب کافروں کے دلوں میں تمہاری ہیبت اور دہشت ڈالیں گے کہ ان کا ظاہری کرّوفر کچھ کام نہ آئے گا اور باوجود تمہارے کمزور اور زخمی ہونے کے پلٹ کر تم پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں کر سکیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب ابوسفیان اور مشرکین۔ احد سے مکہ کی طرف واپس ہوئے تو راستہ میں خیال آیا کہ جب ہم نے مسلمانوں کو شکست دے دی تھی تو بلا کام تمام کیئے ہم کیوں واپس ہوئے اب چل کر مسلمانوں کا بالکل کام تمام کر دینا چاہیئے جب یہ ارادہ پختہ ہو گیا تو یکایک اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں میں ایسا رعب ڈالا کہ دوبارہ حملہ کی ہمت نہ ہوئی آگے فرماتے ہیں کہ کافروں کی مرعوبیت کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے خدا تعالیٰ کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک کیا جن کی شرکت پر کوئی دلیل اور حجت نہیں اور جو شخص اپنے دین پر بغیر دلیل کے اعتقاد رکھتا ہو اس کو کبھی سکون و اطمینان نہیں نصیب ہو سکتا وہ ہمیشہ خلجان اور اضطراب میں رہتا ہے اور وہمیات

کا اتباع کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ وہمیات کی اتباع سے قلب میں قوت نہیں آتی وہمیات کا اتباع کرنے والا ہر وقت وہمی خطرات سے ڈرتا رہتا ہے۔ شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں وہ چور ہیں اللہ کے اور چور کے دل میں ڈر ہوتا ہے اس واسطے اللہ تعالیٰ اُن کے دل میں ہیبت ڈالے گا۔ انتہی

یہ تو مشرکین کی دنیا کا حال ہے اور آخرت میں اُن کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور ظالموں کا ٹھکانہ بہت ہی بُرا ہے۔

فائدہ جاننا چاہیئے کہ یہ حکم غزوۂ احد کے ساتھ مخصوص نہیں مسلمان اگر حقیقی معنی میں مسلمان ہوں تو کافر ضرور اُن سے مرعوب ہوں گے کافروں کا مرعوب ہونا ایمان اور اُس کے آثار پر موقوف ہے لہٰذا آج کل جو مسلمانوں کی دہشت کافروں کے دل میں نہیں دیکھی جاتی۔ سو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں لفظ اسلام کا موجود ہے اور معنی اسلام اور ایمان کے مفقود ہیں خاص کر مغرب زدہ ذہنیتیں اسلامی عقائد اور اعمال سے بالکل بے بہرہ ہیں اور ان کا ظاہر و باطن مغربیت کے رنگ میں رنگین ہے۔ یورپ ان کو اپنا عاشق متملق سمجھتا ہے اور ظاہر ہے کہ معشوق عاشق سے کیوں ڈرے گا۔

ایک شبہ اور اُس کا جواب

اب آگے شبہ کا جواب دیتے ہیں کہ جب اُس خیر الناصرین نے اُحد میں امداد اور اعانت کا وعدہ فرمایا تھا تو پھر یہ ہزیمت اور شکست کیسے ہوئی اس کے جواب میں حق تعالیٰ نے آئندہ آیت نازل فرمائی۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے تم کو اپنا وعدہ سچ کر دکھایا جبکہ تم کافروں کو ابتدائی حملہ میں اس کے حکم سے گھانس کی طرح کاٹ رہے تھے۔ یعنی حق تعالیٰ نے تم سے جو فتح و نصرت کا وعدہ کیا تھا وہ پورا کر دیا ابتداء جنگ میں تم نے کافروں کو کھیت کی طرح کاٹ کے رکھ دیا۔ یہاں تک کہ جب تم نے بزدلی کی اور پیغمبر خدا نے جو تم کو حکم دیا تھا کہ اس مرکز پر جمے رہنا اُس میں تم نے اختلاف کیا بعض نے کہا کہ ہم کو یہیں جما رہنا چاہیئے اور اکثر نے یہ کہا کہ اب یہاں ٹھہرنے کی ضرورت نہیں فتح مکمل ہوگئی اور کافر پشت پھیر کر بھاگ رہے ہیں اس لیے ہم کو چل کر مال غنیمت جمع کرنا چاہیئے اور حکم رسول کی تم نے نافرمانی کی بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو تمہاری محبوب چیز آنکھوں سے دکھلائی یعنی فتح و نصرت تم میں سے کوئی دنیا کا مال و منال یعنی غنیمت کو چاہتا تھا اگرچہ وہ دنیا حلال ہی کیوں نہ ہو اور کوئی تم میں سے آخرت کا طلب گار تھا پس اکثر لوگ پہاڑ سے اتر آئے اور مال غنیمت جمع کرنے میں مشغول ہو گئے۔ مشرکین نے اسی درہ کے راستہ سے فوراً مسلمانوں پر حملہ کر دیا پھر اللہ تعالیٰ نے تم کو ان کافروں سے پھیر دیا اور تم کو فتح کے بعد شکست دی تاکہ تمہارا امتحان کرے کہ ان شدائد اور مصائب میں کون اسلام پر قائم رہتا ہے اور کون

اس کا ساتھ چھوڑتا ہے۔

ف عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں اس آیت (مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا) کے نازل ہونے سے یہ وہم وگمان بھی نہ تھا کہ ہم میں کوئی آدمی دنیا کا طالب بھی ہے (تفسیر ابن کثیر ج ۱) اور البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے تمہاری اس لغزش کو بالکل معاف کر دیا اور اللہ تعالیٰ ایمان اور اخلاص والوں پر بڑا فضل فرمانے والے ہیں اور حق تعالیٰ نے جب ان کی غلطی کو معاف کر دیا تو کسی خارجی اور رافضی کو اُن کی اس لغزش پر کسی قسم کی طعن وتشنیع جائز نہیں یاد کرو اُس وقت کو جب تم خوف اور دہشت کی وجہ سے دور بھاگے جا رہے تھے اور پیچھے مڑ کر بھی کسی کو نہیں دیکھتے تھے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تم کو پسِ پشت پکار رہے تھے۔ الیَّ عباد اللہ الیّ عباد اللہ میری طرف آؤ اے اللہ کے بندو۔ میری طرف آؤ اے اللہ کے بندو پس اللہ تعالیٰ نے اس کی پاداش میں تم کو غم پر غم دیا یعنی کئی طرح کے غموں میں مبتلا کیا ایک غم دشمن کے غالب آنے کا ایک غم اپنے مارے جانے اور زخمی ہونے کا اور ایک غم نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کے زخمی ہونے اور دندان مبارک کے شہید ہونے کا اور ایک غم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے قتل کی جھوٹی خبر کے مشہور ہونے کا اور ایک غم فتح کے بعد شکست ہو جانے کا اور ایک غم منافقین کی شماتت کا اور اس غم پر غم دینے کی حکمت اور مصلحت یہ تھی کہ آئندہ کے لیے تم میں پختگی پیدا ہو جائے اور یہ بات دلوں میں بیٹھ جائے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے کسی حال میں عدول نہ چاہیئے حتیٰ کہ تم کندن بن جاؤ اور صبر کے اس درجہ عادی ہو جاؤ کہ آئندہ[1] کو غم نہ کیا کرو ان چیزوں پر جو تمہارے ہاتھ سے جاتی رہیں اور نہ غم کیا کرو اُن تکلیفوں پر جو تمکو پہنچیں یعنی تمہارے دلوں سے دنیا کی محبت ایسی اُٹھ جائے کہ نہ اقبال پر خوش ہوا کرو اور نہ ادبار پر غم کیا کرو۔ دنیاوی منافع اور مضرتوں کا وجود اور عدم تمہاری نظروں میں یکساں ہو جائے۔ ہر حال میں مشیت الٰہی پر راضی رہا کرو اور ایلام دوست بہ از انعام دوست کو پیش نظر رکھا کرو اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے اس کو خوب معلوم ہے کہ تمہاری کیا نیت تھی۔ اس وقت کی شکست سے گھبراؤ مت۔ انجام تمہارا فتح ونصرت پر ہوگا اور پھر حق تعالیٰ نے اس غم کے بعد تمہارا غم دور کرنے کے لیے تم پر ایک امن نازل کیا یعنی ایک اونگھ اتاری جو تم میں سے ایک گروہ کو گھیر رہی تھی یہ مؤمنین مخلصین کا گروہ تھا۔ جن پر ایک دم حق تعالیٰ نے غنودگی طاری کر دی لوگ کھڑے کھڑے اونگھنے لگے یہاں تک کہ بعض صحابہ کی یہ حالت ہوئی کہ تلوار اٹھاتے تھے اور گر جاتی تھی اس نیند

---

[1] بعض علماء کا قول یہ ہے کہ لکیلا میں لا زائدہ ہے اور معنی یہ ہیں کہ ہم نے تم کو غم پر غم دیا تاکہ اس منفعت کے فوت ہونے کا تم کو رنج ہو جو تمہارے ہاتھ سے جاتی رہی اور اسی طرح اس تکلیف کا تم کو رنج ہو جو تم کو پہنچی کیونکہ یہ تمہاری نافرمانی کی سزا ہے جس سے مقصود محض تمہاری تنبیہ وتادیب ہے۔ واللہ اعلم۔

سے مسلمانوں کے دلوں سے کفار کا رعب نکل گیا۔ یہ غنودگی من جانب اللہ ایک نوع کی سکینت اور طمانیت تھی جو حق تعالےٰ کے محض فضل و رحمت سے اس ہنگامہ میں مؤمنین مخلصین کے قلوب پر نازل ہوئی یہ کیفیت عین اس وقت پیش آئی جب کہ مسلمانوں کی لاشیں خاک و خون میں تڑپ رہی تھیں اور حضور پُرنور ؐ کے قتل کی خبر سے رہے سہے ہوش و حواس بھی جاتے رہے تھے اس وقت کی یہ نیند۔ بیداری کا پیام تھا اور اس امر کی بشارت تھی کہ اضطراب اور پریشانی دور ہوئی اور سکون اور اطمینان کا وقت آگیا اب مطمئن ہوکر راہِ خدا میں جہاد کرو قاعدہ ہے کہ انسان کو نیند اسی وقت آتی ہے کہ جب اس کو پورا امن اور اطمینان حاصل ہو خوف وہراس کے وقت نیند نہیں آتی پس دشمن کے مقابلہ پر میدان جنگ میں نیند کا آنا مسلمانوں کے حق میں ایک نعمتِ الٰہی تھا جس میں اُن کی فتح کا راز مضمر تھا کیونکہ اُن کو اس اونگھ سے چند فائدے پہنچے ایک تو یہ کہ دشمن کا خوف وہراس دل سے دور ہوا دوم یہ کہ رفقاء کے مقتول و مجروح ہونے کا جو قلق اور صدمہ تھا وہ ہلکا ہوا۔ سوم یہ کہ جنگ کا جو تعب اور تکان تھا وہ سب یک لخت دور ہو گیا۔ اور از سر نو تازہ دم ہوگئے اور دشمن کے مقابلہ میں دلیر ہوگئے یہ حال تو مؤمنین مخلصین کا تھا۔ اور بعضوں یعنی منافقوں کو اپنی جانیں بچانے کی فکر اور اسی کا غم لگا ہوا تھا وہ اطمینان اور امن کی نیند سے بالکل محروم تھے انہیں تو یہ فکر تھی کہ یہاں سے کس طرح جان بچا کر نکلیں. حق تعالےٰ نے مسلمانوں پر تو اونگھ نازل کر کے اُن کے دلوں سے دشمنوں کا خوف دور کر دیا۔ منافقین پر نیند نہ طاری کی اس لیے ان پر دشمنوں کا خوف مستولی رہا اور خوف کی وجہ سے منافقوں کو اپنی جانوں کی فکر پڑگئی حق تعالےٰ کے ساتھ جاہلانہ اور احمقانہ ناحق بدگمانی کرنے لگے کہ اللہ تعالےٰ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے جو فتح و نصرت کے وعدے کیے تھے وہ کہاں گئے۔ ظاہری حالت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کا قصہ ختم ہوا جیسا کہ دوسری آیت میں ہے بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ یَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا الآیۃ منافقین کو خدا تعالےٰ کے وعدوں پر وثوق نہ تھا صرف غنیمت کی لالچ سے جنگ میں شریک ہو گئے تھے کہتے یہ تھے کہ آیا ہمارا بھی اس کام میں کچھ اختیار ہے۔ بظاہر تو مطلب یہ تھا کہ تقدیر کے سامنے تدبیر نہیں چلتی۔

سو حق تعالےٰ نے اس کی واقعیت بیان کرنے کے لیے ارشاد فرمایا آپ ان کے جواب میں کہہ دیجئے کہ بے شک سب اختیار اللہ کے ہاتھ میں ہے یہ جواب تو منافقین کے الفاظ کے ظاہری معنی کے اعتبار سے تھا اب آئندہ آیت میں یہ بیان فرماتے ہیں کہ اس قول سے منافقین کے دل میں کیا نیت تھی اور ان کا دلی مطلب کیا تھا اس قول سے انکاری مطلب یہ تھا کہ اگر ہماری رائے پر چلتے اور مدینہ سے باہر جاکر نہ لڑتے تو ہم مقتول نہ ہوتے آئندہ آیت میں اس قول سے ان کی نیت اور دلی مطلب مع جواب کے مذکور ہے چنانچہ فرماتے ہیں چھپاتے ہیں یہ منافقین اپنے دلوں میں وہ باتیں جو صراحۃً ظاہر نہیں کرتے ظاہر میں تو یوں کہتے ہیں کہ اگر اس کام میں ہمارا کچھ اختیار ہوتا تو ہم اس جگہ پر نہ مارے جاتے یہ

کلام ظاہر کے لحاظ سے ٹھیک ہے کہ تقدیر کے سامنے تدبیر نہیں چلتی مگر دلی مطلب ان کا یہ تھا کہ اگر ہمارے مشورہ پر عمل کرتے اور مدینہ سے باہر نکل کر نہ لڑتے اور ہماری کچھ شنوائی ہوتی تو ہم کیوں مارے جاتے تو اے نبی کریم آپؐ اُن کے دلی مطلب کے جواب میں کہہ دیجئے کہ اے مدعیان تدبیر اختیار اگر تم اپنے گھروں میں بھی مامون و مطمئن بیٹھے ہوئے ہوتے تو جن کی تقدیر میں قتل لکھا ہوا تھا تو وہ خود بخود اپنے قتل گاہوں کی طرف نکل پڑتے ان کا گمان یہ ہے کہ اگر مدینہ میں اپنے گھروں میں بیٹھے رہتے اور میدان اُحد میں نہ نکلتے تو نہ مارے جاتے سو یہ گمان غلط ہے. قضاء و قدر بند کوٹھریوں سے نکال کر قتل کے لیے میدان میں لا کر کھڑا کر دیتی ہے لہٰذا منافقین کا مسلمانوں کو یہ الزام دینا کہ انھوں نے ہم کو لا کر سروایا ہے غلط ہے موت تو کسی حال میں ٹلتی نہیں البتہ بہترین موت وہ ہے کہ جو خدا کی راہ میں آئے اور بڑا ہی خوش نصیب ہے کہ جو بہادروں کی موت مرے اور خدا کی راہ میں شہید ہو جائے.

خلاصۂ کلام یہ کہ حق جل شانہٗ نے غزوۂ اُحد میں مسلمانوں کے ساتھ جو معاملہ فرمایا اس میں بے شمار حکمتیں اور مصلحتیں ہیں منجملہ ان کے یہ ہے کہ اللہ کی قضا و قدر ظاہر ہو اور جس کے لیے شہادت کی مبارک موت مقدر ہے اس کو شہادت کی کرامت و عزت حاصل ہو اور تاکہ تمہارے سینوں میں جو چیز پوشیدہ ہے اس کا امتحان لے کہ ان میں کس درجہ کا ایمان و اخلاص ہے مصیبت کے وقت اخلاص اور نفاق ظاہر ہو جاتا ہے اور تاکہ اس شکست سے تمہارے دلوں میں جو کچھ کھوٹ ہے اس کو نکھار دے جیسے آگ سونے کے میل کچیل کو دور کر دیتی ہے خدا تعالیٰ کے آزمانے کے معنی یہ ہیں کہ جو بات اس کے علم ازلی میں ہے وہ سب پر ظاہر ہو جائے اور نکھارنے کے معنی یہ ہیں کہ اُحد کے مصائب سے ان کو یہ علم ہو جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ یکدم فتح شکست سے بدل جاتی ہے تو ان کے دلوں میں جو نافرمانی کا کچھ کھوٹ ہے وہ بالکل جاتا رہے اور نظر بالکلیہ اسباب ظاہری سے اُٹھ جائے اور دل توجہ الی غیر اللہ سے منزہ ہو جائے اور اس طرح خالص کندن بن جائیں.

اور اللہ خوب جانتا ہے جو سینوں میں چھپا ہوا ہے مطلب یہ ہے کہ اسے کسی آزمائش کی حاجت نہیں مگر آزمانے میں اس کی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں جن کا نہ اظہار ضروری ہے اور نہ جاننا ضروری ہے.

شاہ عبدالقادر قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں. اس شکست میں جن کو شہید ہونا تھا ہو چکے اور جن کو ہٹنا تھا ہٹ گئے اور جو میدان میں باقی رہ گئے ان پر اونگھ آئی اس کے بعد رعب اور دہشت دفع ہو گیا. اور اتنی دیر حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو غشی رہی پھر جب ہوشیار ہوئے سب نے حضرت کے پاس جمع ہو کر پھر لڑائی قائم کی اور سست ایمان والے کہنے لگے کچھ بھی کام ہمارے ہاتھ ہے ظاہر یہ معنی کہ اس شکست کے بعد کچھ بھی ہمارا کام بنا رہے گا یا بالکل بگڑ چکا یا یہ معنی کہ اللہ نے چاہا سو کیا ہمارا کیا اختیار اور نیت میں یہ معنی تھے کہ ہماری مشورت پر عمل نہ کیا جو اتنے لوگ مرے اللہ نے دونوں معنوں کا جواب فرما دیا اور بتایا کہ اللہ کو اس میں حکمت منظور تھی تاکہ صادق اور منافق معلوم ہو جائیں (موضح القرآن)

تحقیق تم میں سے جن لوگوں نے پشت پھیری جس دن کہ مسلمانوں اور کافروں کی دو جماعتیں باہم مقابل ہوئیں. یعنی احد کے روز سو جزایں نیست کہ ان کا یہ بھاگنا کفر و ارتداد کی بنار پر نہ تھا بلکہ ان کی ایک لغزش تھی کہ شیطان نے بعض اعمال کی نحوست اور شامت کی وجہ سے اُن کا قدم پھسلا دیا مسلمانوں کا قدم تو ٹھک ہی راہ پر جارہا تھا مگر اس درمیان میں مورچہ کو چھوڑ کر غنیمت پر دوڑے تو اس معصیت کی نحوست سے شیطان کو موقع مل گیا اس لیے کہ شیطان کا داؤ اس وقت چلتا ہے جب انسان کوئی گناہ کر بیٹھتا ہے خلاصہ یہ کہ ان کا بھاگنا بمقتضائے بشریت لغزش قدم تھی معاذ اللہ دیدہ و دانستہ کوئی نافرمانی نہ تھی۔ شیطان ایسے ہی محبین ومخلصین کی تاک میں رہتا ہے کبھی کچھ داؤ چل بھی جاتا ہے۔ اور تحقیق اللہ تعالیٰ نے اپنے ان محبین ومخلصین کی اس لغزش کو بالکل معاف کر دیا تحقیق اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے اور بردبار ہیں کہ نہ دنیا میں کوئی سزا ہے اور نہ آخرت میں کوئی مواخذہ اور نہ باز پرس ہے تمام عالم کو حق تعالیٰ نے سنا دیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی خطا بالکلیہ معاف کر دی اب کسی کی یہ مجال نہیں کہ ان پر طعن یا ملامت کرے حق تعالیٰ کی معافی کے بعد جو ان پر طعن کرے گا وہ مجرم اور قصوروار ٹھہرے گا۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ

اے ایمان والو! تم نہ ہو ان کی طرح

كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا

جو منکر ہوئے اور کہتے ہیں اپنے بھائیوں کو جب سفر کو نکلیں

فِى الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا

ملک میں ، یا ہوں جہاد میں ، کہ اگر رہتے ہم پاس نہ مرتے اور

مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۚ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً

نہ مارے جاتے کہ اللہ اس سے ڈالے افسوس

فِىْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا

ان کے دل میں . اور اللہ ہے جلاتا اور مارتا - اور اللہ تمہارے

تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۵۶﴾ وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِىْ سَبِيْلِ

کام دیکھتا ہے . اور اگر تم مارے گئے اللہ کی راہ

اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ

ہیں، یا مر گئے، تو بخشش اللہ کی اور مہربانی بہتر ہے

مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَى اللّٰهِ

اس سے جو وہ جمع کرتے ہیں اور اگر تم مر گئے یا مارے گئے اللہ ہی پاس

تُحْشَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

اکٹھے ہوں گے ۔

ممانعت از مشابہت کفّار

قال تعالیٰ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا .... الیٰ .... لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ۰

(ربط) گزشتہ آیات میں منافقین کا یہ مقولہ نقل فرمایا تھا لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا۔ یہ مقولہ اُن منافقین کا تھا جو جنگ اُحد میں شریک تھے جس کی تردید گذر چکی اب ان آیات میں اسی قسم کا ایک اور مقولہ منافقین کا ذکر کرتے ہیں وہ مقولہ یہ ہے لَوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا۔ لیکن یہ مقولہ ان منافقین کا ہے کہ جو جنگ میں شریک نہ تھے چونکہ اس قسم کے اقوال سے کمزور مسلمانوں کے دلوں میں وساوس پیدا ہونے کا اندیشہ تھا اس لیے حق تعالیٰ آئندہ آیات میں مسلمانوں کو ایسے اقوال اور احوال میں کافروں کی مشابہت اور موافقت سے منع فرماتے ہیں کہ مبادا ایسی باتوں کے سننے سے ایمان والوں کا قدم نہ پھسل جائے ۔ یا یوں کہو کہ پہلی آیت میں شیطان جنّی کے بہکانے سے قدم کا ڈگمگانا اور پھسلنا مذکور تھا اور اس آیت میں شیاطین الانس کے بہکانے کا ذکر ہے کیوں کہ شیاطین الانس یعنی کفّار اور منافقین۔ شیاطین الجن کے اخوان اور بھائی ہی تو ہیں چنانچہ فرماتے ہیں۔ اے ایمان والو تم اُن لوگوں کے مشابہ اور مانند نہ بنو جو حقیقت میں کافر ہیں اگرچہ ظاہراً اپنے کو مسلمان کہتے ہیں یعنی منافق ہیں۔

اور حدیث میں ہے من تشبہ بقوم فھو منھم۔ جو شخص جس قوم کے مشابہ بنے وہ اللہ کے نزدیک اسی قوم میں شمار ہوگا اور تشبہ میں درجات ہیں کبھی تشبہ کامل ہوتا ہے اور کبھی ناقص جس درجہ کا تشبہ ہوگا اسی درجہ کی وعید اس پر مرتب ہوگی اور اپنے بھائیوں کے حق میں جب کہ وہ ملک میں بغرض تجارت وغیرہ سفر میں نکلتے ہیں اور اتفاق سے وہاں مر جاتے ہیں یا جہاد میں ہوتے ہیں اور

وہاں شہید ہو جاتے ہیں تو ان کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ اگر یہ لوگ ہمارے پاس ٹھہرے رہتے اور سفر اور جہاد میں نہ جاتے تو نہ مرتے اور نہ قتل ہوتے اور بھائیوں سے مراد یا تو نسبی بھائی ہیں کیونکہ جنگ اُحد میں جو لوگ شہید ہوئے وہ کسی نہ کسی کافر کے رشتہ دار اور برادری ہی کے لوگ تھے یا میل ملاپ کے بھائی ہیں یا اس وجہ سے کہ منافقین ظاہر میں مسلمان بنے ہوئے تھے اس لیے مسلمانوں کو اپنا بھائی کہہ دیا یا ان کو باعتبار ہم جنس اور بنی آدم ہونے کے بھائی کہا۔

حق تعالیٰ کافروں کے اس قول کو بیان کر کے فرماتے ہیں کہ اس قسم کا قول ان کے لیے ذرہ برابر مفید نہیں بلکہ اس کا انجام[1] یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کی اس سخن کو ان کے دلوں میں حسرت اور افسوس کا سبب بنائے گا۔ یعنی ان باتوں کا نتیجہ سوائے حسرت کے کچھ نہ ہوگا قتلِ اخوان کا صدمہ اپنی جگہ پر رہے گا اور اس قسم کی باتوں سے حسرت اور افسوس کے تکلیف کا اور اضافہ ہو جائے گا مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو تم ان منافقین کی باتوں پر کان نہ دھرنا اور اللہ ہی جِلاتا اور مارتا ہے۔ سفر اور جہاد کو موت میں اور وطن میں رہنے اور جہاد میں نہ جانے کو حیات میں کوئی دخل نہیں بسا اوقات وطن میں رہنے والا مر جاتا ہے اور مسافر اور مجاہد خطرات اور ہلاکت کے میدانوں سے صحیح سالم واپس آجاتا ہے گھر تو کیا۔ موت کو تو آہنی قلعہ بھی نہیں روک سکتا اور اے مؤمنو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے کہ کوئی لفظ تمہاری زبان سے کافروں کے مشابہ اور مانند تو نہیں نکلتا آگے اشارہ فرماتے ہیں کہ خدا کی راہ میں مر جانے کو موجب حسرت نہ سمجھو بلکہ اس کو موجب فرح و مسرت سمجھو اور اے مسلمانو اگر تم اللہ کی راہ میں مارے گئے یا مر گئے تو بلا شبہ اللہ کی مغفرت اور اس کی رحمت اُس مال و متاع سے کہیں بہتر ہے جسے یہ لوگ جمع کرتے ہیں۔

اس آیت سے خدا تعالیٰ کا مقصود مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دینا ہے اور یہ سمجھانا ہے کہ جہاد میں مارا جانا دنیا کی زندگی سے کہیں بہتر ہے اس لیے کہ زندگی کا فائدہ بجز اس کے کچھ نہیں کہ انسان زندہ رہ کر اپنی محنت و مشقت سے کچھ مال و متاع جمع کرے اور چند روزہ زندگی میں اس سے فائدہ اٹھائے بخلاف راہ خدا میں مارے جانے سے خدا تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت کا صلہ ملتا ہے وہ تمام دنیا کے مال و متاع سے کہیں بہتر ہے اس لیے کہ دنیا کی تمام لذتوں اور منفعتوں میں مضرتوں کی آمیزش ہے دنیا کی کوئی چیز ایسی نہیں جس میں خالص نفع ہی ہو اور نقصان نہ ہو پھر یہ کہ یہ فانی اور چند روزہ ہیں اور اگر کچھ دیرپا بھی ہوں تو ان کا جمع کرنے والا دنیا میں مہمان ہے ممکن ہے کہ جن چیزوں کو کمال محنت اور جانفشانی سے جمع کیا اُن سے فائدہ نہ اٹھا سکے اور کل سے پہلے ہی مر جائے یا وہ مال و منال اس کے پاس سے جاتا رہے لہٰذا دنیاوی مال و متاع کے فوت ہو جانے کو موجب حسرت نہ سمجھو بلکہ ترک جہاد کو موجب حسرت سمجھو اور اگر تم مر گئے یا مارے گئے خواہ خدا کی راہ میں یا کسی اور طریق سے تو ہر حالت میں تم اللہ ہی کی طرف اٹھائے جاؤ گے اور جب دونوں حالتوں میں خدا ہی کی طرف جانا ہے تو پھر خدا کی راہ میں جان دینا بہتر ہے تاکہ اس کی

[1] اشارہ اس طرف ہے کہ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ میں لام عاقبت کے لیے ہے جیسے لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا میں۔ ۱۲

مغفرت اور رحمت حاصل ہو۔

ف اوپر کی آیت میں خدا کی راہ میں مارے جانے کا مرجانے کا حکم بیان فرمایا اب اس آیت میں عام موت اور عام قتل کا حکم بیان فرمایا کہ موت خواہ کسی طرح آئے بہر حال خدا ہی کے پاس جانا ہے تو پھر خدا کی راہ میں کیوں نہ مرو کہ وہ تمہیں اس کا ثواب دے اور تمہاری جان رائیگاں نہ جائے۔

حضرت خالد بن ولیدؓ نے اپنی ساری عمر جہاد میں گذاری اور شہادت کی تمنا میں رہے مگر شہید نہ ہوئے وفات کے وقت فرمایا کہ میرے بدن پر کوئی جگہ تیر و تلوار کے زخم سے خالی نہیں مگر افسوس آج اونٹ کی طرح گھر میں بستر پر مر رہا ہوں۔

فلا نامت اعین الجنباء خدا کرے بزدلوں کی آنکھیں کبھی ٹھنڈی نہ ہوں۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

فنا فی اللہ کی تہ میں بقا کا راز مضمر ہے
جو جینا ہے تو مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ

نکتہ حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتویؒ صدر مدرس دار العلوم دیوبند فرمایا کرتے تھے کہ خالد بن ولیدؓ خوا مخواہ شہادت کی تمنا میں پڑے ہوئے تھے اُن کا شہید ہونا ناممکن تھا آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالدؓ کو سیف اللہ کا لقب دیا تھا۔ یعنی اللہ کی تلوار اور ظاہر ہے کہ اللہ کی تلوار کو کون توڑ سکتا ہے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ

سو کچھ اللہ کی مہر ہے، جو تو نرم دل ملا ان کو اور اگر

كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ۖ

تو ہوتا سخت گو اور سخت دل تو منتشر ہو جاتے تیرے گرد سے۔

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي

سو تو ان کو معاف کر، اور ان کے واسطے بخشش مانگ اور ان سے مشورت لے

الْأَمْرِ ۚ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ

کام میں۔ پھر جب ٹھہر چکا، تو بھروسا کر اللہ پر۔ اللہ چاہتا ہے

يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿١٥٩﴾ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ

توکل والوں کو ۔ اگر اللہ تم کو مدد کرے گا تو کوئی تم پر

لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ

غالب نہ ہوگا۔ اور جو وہ تم کو چھوڑ دے گا پھر کون ہے کہ تمہاری مدد کرے گا

مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿١٦٠﴾

اس کے بعد ۔ اور اللہ پر بھروسا چاہیئے مسلمانوں کو ۔

خطاب خداوند عالم بسوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

برائے عفو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

یافت

قال تعالیٰ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ.... الیٰ.... وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝

اُحد کے دن جو بعض مسلمانوں سے لغزش ہوئی تو اُس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دل رنجیدہ ہوا تو اندیشہ تھا کہ آپؐ ان کو ملامت کریں اور آئندہ اُن سے مشورہ نہ لیا کریں۔ حق تعالیٰ نے صحابہ کی سفارش فرمائی کہ آپؐ ان کا قصور معاف فرمادیں اور حسب دستور ان سے معاملات میں مشورہ کیا کریں۔ ان کی ساتھ تلطف اور نرمی کا معاملہ فرمائیں چنانچہ حضور پُرنورؐ نے جنگ اُحد سے واپسی کے بعد ان کے ساتھ نہایت نرمی کا معاملہ فرمایا اور لغزش پر کوئی ملامت نہیں کی اس بارہ میں یہ آئندہ کی آیتیں نازل ہوئیں پس اس لغزش اور عدول حکمی کے باوجود اللہ کی رحمت سے آپ اُن کے لیے نرم ہوگئے اور آپؐ نے ان کو کوئی ملامت نہیں کی اور اگر بالفرض والتقدیر خدانخواستہ آپ درشت خو اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے منتشر اور پراگندہ ہوجاتے اس لیے کہ سخت خو اور سخت دل کتنا ہی باکمال کیوں نہ ہو لوگ اس کے پاس جمع نہیں ہوتے اس صورت میں یہ لوگ آپؐ کی ہدایت اور نصیحت سے محروم ہوجاتے اور تمہاری دعوت قبول نہ کرتے اور آپؐ کا اجر بھی متبعین کی قلت کی وجہ سے کم ہوجاتا پس آپؐ کے حکم کی تعمیل میں ان سے جو کوتاہی ہوئی اُس سے درگزر کیجئے اور اس پر کوئی مواخذہ نہ کیجئے اور حق تعالیٰ کے حکم میں جو کوتاہی ہوگئی اس میں آپ ان کے لیے دعاء مغفرت کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ان کی خطا اور کوتاہی معاف فرمائے اور حسب دستور آپ اُن سے اُن کاموں میں مشورہ لیتے رہیئے جن کے بارہ میں اللہ کی طرف سے کوئی قطعی حکم نازل نہیں ہوا تاکہ آپؐ کے اس تلطف اور عنایت کو دیکھ کر یہ

شکستہ خاطر مطمئن ہو جائیں کہ حضور پُر نورؐ ہم سے راضی ہو گئے صرف معاف کر دینے سے دل مطمئن نہیں ہوتا جب تک کہ معاملہ شفقت و عنایت کا نہ کیا جائے پس مشورہ کے بعد جب کوئی بات طے ہو جائے اور آپ اس پر پختہ ارادہ فرمالیں تو اللہ پر بھروسہ کیجئے نہ کہ مشورہ پر اپنے مشورہ اور تدبیر پر اعتماد نہ کرنا بلکہ اللہ کی امداد اور تائید پر نظر رکھنا تحقیق اللہ تعالےٰ توکل والوں کو محبوب رکھتا ہے عقل کے لحاظ سے اگرچہ صحابہ کا گروہ عقلاء کا گروہ ہے اور بلاشبہ قابل مشورہ ہے مگر اعتماد اور بھروسہ اللہ پر چاہیئے نہ کہ عقلاؔ پر اس لیے کہ اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا اور اگر وہی چھوڑ دے تو پھر وہ کون ہے جو اس کی مدد چھوڑنے کے بعد تمہاری مدد کرے اور اللہ ہی پر بھروسہ چاہیئے ایمان والوں کو عقلاء کے مشورہ اور تدبیر پر بھروسہ نہ کرنا چاہیئے عقل اور عقلاء سب اس کے ہاتھ میں ہیں اسلام کی یہی تعلیم ہے کہ اسباب کو ترک نہ کریں بلکہ اُن سے کام لیں مگر اسباب کو مؤثر حقیقی نہ سمجھیں۔ مؤثر حقیقی قادر مطلق کو سمجھیں اور نظر اسی پر رکھیں اور اسباب کو واسطہ سے زیادہ کچھ نہ سمجھیں۔

فائدہ (۱) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا میں حق تعالےٰ مسلمانوں کو کافروں کے ساتھ تشبہ اور مشابہت سے منع فرماتا ہے کہ اخلاق و عادات اور لباس اور معاشرت میں اُن کے مشابہ نہ بنیں۔ حق تعالےٰ نے اس آیت میں یہ نہیں فرمایا کہ تم کافر نہ بنو بلکہ یہ فرمایا کہ تم کافروں کے مشابہ نہ بنو کافر ہونا اور چیز ہے اور کافر کے مشابہ بننا اور چیز ہے اور بادشاہ بننا اور چیز ہے اور بادشاہوں کے مشابہ اور ہم شکل اور ہم رنگ ہو جانا اور چیز ہے۔

اور حدیث میں ہے من تشبہ بقوم فھو منھم رواہ ابوداؤد عن ابن عمرؓ والطبرانی عن حذیفہؓ جو شخص کسی قوم کے مشابہ بنتا ہے پس وہ شخص انہی میں سے شمار ہوگا جیسے پاکستان کا کوئی فوجی سپاہی۔ بھارت کے فوجی سپاہی کی وردی پہن لے تو اگر مسلمان سپاہی اس کے گولی مار دے تو جرم نہ ہوگا۔ یا کوئی افسر سرکاری دفتر سے پاکستانی جھنڈا اتار کر بھارت کا جھنڈا اس پر لہرا دے تو اسی وقت قابل معزولی ہوگا اور اگر وہ افسر یہ تقریر کرنے لگے کہ میں نے صرف ایک کپڑے کا ٹکڑا اور لکڑی کا ایک ڈنڈا ہی بدل دیا ہے اس کا کیا مضائقہ ہے اس سے یہ کیسے ثابت ہوا کہ میں حکومت پاکستان کا مخالف ہوں تو کیا حکومت کے نزدیک اُس افسر کی یہ تقریر دلپذیر اُس کو معزولی سے بچا سکے گی۔

اسی طرح سمجھو کہ احکم الحاکمین یہ حکم دیتا ہے کہ جن کو ہم نے اپنی کتاب (قرآن) میں مغضوب اور ملعون اور گمراہ قرار دیا ہے ان کے تشبہ سے پرہیز کرو حیرت ہے کہ مجازی اور فانی حکومت میں تو دشمنان حکومت کا تشبہ۔ بالاتفاق قبیح اور ممنوع ہو اور احکم الحاکمین کے دشمنوں سے تشبہ کا جب ذکر آئے تو اس کو تنگ نظری سمجھیں۔ بلکہ دشمنوں کے ساتھ تشبہ کی ممانعت اور قباحت کا مسئلہ کافروں کے نزدیک بھی مسلّم ہے بھارت کے کسی سپاہی یا فوجی افسر کی یہ مجال نہیں کہ وہ مسلمانوں کا سا لباس اختیار کرے اور علیٰ ہذا کسی یورپین حکومت کے وزیر یا افسر کی یہ مجال نہیں کہ وہ جبّہ اور دستار پہن کر اجلاس کر سکے نہ معلوم ان مغرب زدہ

ذہنیتوں کی غیرت کہاں چلی گئی خوب سمجھ لو کہ اپنے مذہبی اور قومی شعار اور امتیاز کو چھوڑ کر غیر قوم کے شعار اور امتیاز کو اختیار کرنا اوّل تو بے غیرتی کے خلاف ہے دوم یہ کہ غیروں کا تشبہ عملی طور اپنی کمتری اور دوسری قوم کی برتری کے اقرار اور اعتراف کے مرادف ہے دنیا کا طریق ہے کہ ادنیٰ اعلیٰ کے اتباع کو اپنے لیے عزت و فخر سمجھتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ اپنے مذہبی اور قومی لباس کو اور اس لباس کے پہننے والوں کو ذلت اور حقارت کی نظروں سے دیکھنے لگتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ مذہب اور اہل مذہب ہی سے متنفر اور بیزار ہو جاتا ہے۔ یہ فرنگی کے ہمرنگی کے عشق کی آخری منزل ہے اس منزل پر پہنچ کر دین اور اہل دین سے تعلق ختم ہو جاتا ہے دعویٰ اسلام کا ہے اور دلدادہ ہیں مغربی تمدن اور معاشرہ کے۔ ؎

زاھدا تسبیح میں زنار کا ڈورا نہ ڈال
یا برہمن کی طرف ہو یا مسلماں کی طرف

ف (۲) حق تعالیٰ نے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو وہ عقل اور فراست عطا کی تھی جو تمام عالم کی عقل سے بالا اور اعلیٰ تھی اور آپ کو کسی کے مشورہ کی حاجت نہ تھی اور پھر نزول وحی کی وجہ سے آپؐ بالکلیہ مشورہ سے مستغنی تھے پس وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ کے حکم سے مقصود امت کی تعلیم ہے کہ امت میں مشورہ کا طریقہ جاری ہو کہ جو دینی اور دنیوی امر ایسا پیش آئے جس کے بارہ میں کوئی حکم خداوندی منصوص نہ ہو تو اس کے بارہ میں ایسے لوگوں سے مشورہ کیا جائے جو کہ مشورہ کے اہل ہوں اور جن کی رائے اور عقل۔ عقلاء کے نزدیک قابل وثوق اور اعتماد ہو۔

روی ابن مردویہ عن علی بن ابی طالب قال سئل رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم عن العزم قال مشاورۃ اھل الرأی ثم اتباعھم۔ (تفسیر ابن کثیر ص۴۲۰ ج ۱)	حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ آیت مشورہ میں فَإِذَا عَزَمْتَ سے کیا مراد ہے تو آپ نے فرمایا اہل رائے سے مشورہ کرنا اور پھر ان کا اتباع کرنا مراد ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آیت میں جو مشورہ کا حکم مذکور ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر کس و ناکس سے مشورہ کر لیا کریں بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس امر کا حکم شریعت میں منصوص نہ ہو یا تعارض ادلہ کی وجہ سے اس میں کسی قسم کا اجمال اور خفاء پیدا ہو گیا ہو تو اہل الرأی اور اصحاب الرائی سے مشورہ کریں اور اس کا اتباع کریں۔

ف (۳) اصطلاح علماء میں اہل الرآی کا لفظ زیادہ تر امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کے لیے مستعمل ہوتا ہے۔ عجب نہیں کہ اس تفسیر میں اسی طرف اشارہ ہو۔

مشورہ کی حقیقت لفظ مشورہ اور لفظ شوریٰ عربی زبان میں شُرْتُ الْعَسَلَ شَوْرًا سے ماخوذ ہے جس کے معنی چھتہ میں سے شہد نکالنے کے ہیں گویا کہ مجلس شوریٰ بمنزلہ شہد کے چھتہ کے ہے جس سے مقصود ایسی عمدہ رائے کا معلوم کرنا ہے جو عمدگی اور شیرینی میں بمنزلہ شہد کے ہو اور جس طرح شہد شفاء امراض کا کام دیتا ہے اسی طرح یہ عمدہ رائے بھی مشکلات اور مہلکات میں شفاء کا کام دے اور ندامت اور حسرت اور پریشانی اور پشیمانی سے عافیت دے حدیث میں ہے۔

المشورۃ حصن من الندامۃ وامان من الملامۃ (کتاب ادب الدنیا والدین ص۲۰۷)	مشورہ ندامت سے محفوظ رہنے کا ایک قلعہ ہے اور ملامت سے امن ہے۔

مشورہ کے فوائد مشورہ کا فائدہ یہ ہے کہ مسئلہ کے تمام پہلو روشن ہو جائیں گے اور اطراف وجوانب کی چھوٹی اور بڑی چیزیں نمودار ہو جائیں گی مجلس مشاورت میں کوئی ذی رائے اور ہوشیار زیادہ ہوگا اور کوئی صاحب تدبیر اور تجربہ کار زیادہ ہوگا کوئی شخص کتنا ہی عاقل اور ہوشیار کیوں نہ ہو مگر میدان کارزار کا تجربہ کار نہ ہو تو جنگی امور میں تنہا اس کا مشورہ نا تمام ہوگا بہتر یہ ہوگا کہ عقل اور تجربہ دونوں ہی سے مشورہ کر کے جنگ شروع کی جائے کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

الرأی کاللیل مسود جوانبہ والليل لا ينجلي الا باصباح

رائے مثل شب دیجور کے ہے کہ جس کے تمام اطراف سیاہ اور تاریک ہیں اور رات کا اندھیرا بغیر صبح کی روشنی کے زائل نہیں ہو سکتا۔

فاضمم مصابیح آراء الرجال الی مصباح رأیك تزدد ضوء مصباح

پس لوگوں کے رایوں کے چراغوں کی روشنیوں کو اپنی رائے کے چراغ کی روشنی کے ساتھ ملا لے تاکہ تیرے چراغ کی روشنی بڑھ جائے۔

مطلب یہ ہے کہ ایک چراغ کی روشنی کم ہوتی ہے اور بہت سے چراغ جل کر روشنی خوب ہو جاتی ہے اور کوئی چیز تاریکی اور اشتباہ میں نہیں رہنے پاتی بہت سے چراغوں کی روشنی تیز بھی ہوگی اور دور تک بھی پہنچے گی مگر شرط یہ ہے کہ عقل کے چراغ کو اخلاص اور تقویٰ اور امانت اور دیانت کے تیل سے روشن کیا جائے لیکن اگر خدانخواستہ کسی چراغ میں خودغرضی اور حسد اور پارٹی بندی کے تیل کا کوئی قطرہ بھی شامل ہوگیا تو اس چراغ میں سے سوائے دھوئیں کے اور کیا نمودار ہوگا۔ دھوئیں کے تاریکی کے علاوہ اس کی بدبو علیحدہ تکلیف دہ ہوگی۔ کسی بلیغ کا قول ہے۔

من حق العاقل ان یضیف الی رایہ آراء العقلاء ویجمع الی عقلہ عقول الحکماء فان الرأی الفذ ربما زل والعقل الفرد ربما ضل۔	عاقل کا فرض یہ ہے کہ اپنی رائے کے ساتھ اور عقلاء کی رائے کو بھی ملالے اور اپنی عقل کے ساتھ حکماء کی عقلوں کو جمع کرلے کیونکہ تنہا رائے بسا اوقات لغزش کھاتی ہے

(ادب الدنیا والدین ص۲۰۷)

اور تنہا عقل بسا اوقات گمراہ ہوتی ہے۔

اور حکمت کے بکھرے ہوئے موتیوں میں سے ایک موتی یہ ہے۔

المشاورة راحة لك وَتَعَبٌ على غيرك (ادب الدنیا والدین ص۲۰۷)

مشورہ تیرے لیے راحت ہے اور دوسرے پر بوجھ ہے۔

کسی عاقل کا قول ہے۔

اذا اشكلت عليك الامور وتغير لك الجمهور فارجع الى رأى العقلاء وافزع الى استشارة العلماء ولا تأنف من الاسترشاد ولا تستنكف من الاستمداد فلأن تسأل تسلم خير لك من ان تستبد وتندم۔

(ادب الدنیا والدین ص۲۰۹)

جب تجھ کو معاملات میں کوئی اشکال اور دشواری پیش آئے اور عام جمہور تجھ سے منحرف ہوجائیں تو تجھ کو عقلاء کی رائے کی طرف رجوع کرنا چاہیئے اور گھبرا کر علماء کے مشورہ کی پناہ لینی چاہیئے لوگوں سے مشورہ اور امداد طلب کرنے میں حیاء اور عار نہ کرنی چاہیئے۔ عقلاء سے پوچھ کر کوئی کام کرلینا اور آئندہ کی ندامت سے سالم ومحفوظ ہوجانا یہ بہتر ہے کہ خود رائی سے کام کرکے شرمندہ اور پشیمان ہو۔

وصف رجل عضد الدولة فقال له وجه فيه الف عين وفم فيه الف لسان وصدر فيه الف قلب۔

ایک شخص نے عضد الدولہ کی تعریف میں یہ لکھا کہ اس کے لیے ایک چہرہ ہے جس میں ہزار آنکھیں ہیں اور اس کے ایک منہ ہے جس میں ہزار زبانیں ہیں اور اس کے ایک سینہ ہے جس میں ہزار دل ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ عضد الدولہ باوجود دانشمند اور زیرک ہونے کے تنہا اپنی رائے سے کوئی کام نہیں کرتا بلکہ ہزار عاقلوں کے مشورہ سے کام کرتا ہے گویا کہ ہزار دلوں اور ہزار آنکھوں اور ہزار زبانوں سے سوچتا اور دیکھتا اور بولتا ہے۔

کسی حکیم اور دانا کا قول ہے۔

كل شيئ يحتاج الى العقل والعقل يحتاج الى التجارب ولذلك قيل الايام تهتك لك عن الاستار الكامنة

(ادب الدنیا والدین ص۲۰۷)

ہر چیز محتاج عقل ہے اور عقل محتاج ہے تجربوں کی اسی وجہ کہا گیا ہے کہ زمانہ کے تجربے پوشیدہ چیزوں کے پردے اٹھا دیتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ عقلِ فطری کے ساتھ تجربہ کا شامل ہونا ضروری ہے اس لیے کہ تجربوں کی کوئی حد اور نہایت اور غایت نہیں عقل فقط ممکنات کا ادراک کر سکتی ہے واقعات کا احاطہ نہیں کر سکتی اس لیے مشورہ جب مکمل ہوگا جبکہ عقل کے ساتھ تجربہ بھی ہو۔

اَہلیّتِ مَشورَہ

یعنی کون لوگ مشورہ کے اہل ہیں جن سے مشورہ لیا جائے

قاضی ابوالحسن بصری ماوردیؒ ادب الدنیا والدین ص۲۰۷ میں فرماتے ہیں مشورہ کا اہل وہی شخص ہو سکتا ہے جس میں یہ پانچ خصلتیں اور پانچ صفتیں موجود ہوں۔

۱۔ عقل کامل کے ساتھ تجربہ بھی رکھتا ہو۔ کثرۃ تجارت سے عقل اور فکر درست ہو جاتا ہے۔

حدیث میں ہے۔

استرشدوا العاقل ترشدوا ولا تعصوه فتندموا۔ رواہ الخطیب عن ابی ھریرۃ (فیض القدیر ص۴۸۹ ج۱)	رشد اور ہدایت اگر مطلوب ہے تو عاقل کامل سے مشورہ کرو۔ صواب کو پہنچوگے اور عاقل کی نافرمانی نہ کرنا کہ پچتاؤ گے۔

شیخ عبدالرؤف مناویؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت سے مشورہ نہ کرے اس لیے کہ حضور پُرنورؐ کا حکم یہ ہے کہ مشورہ کامل العقل سے کرو اور حدیث میں ہے کہ عورتیں ناقصات العقل والدّین ہیں یعنی عورتوں کی عقل بھی ناقص اور دین بھی ناقص ہے۔ اور حضرت عمرؓ کا فرمان ہے۔

خالفوا النساء فان فی خلافھن البرکۃ (فیض القدیر ص۲۹ ج۱)	عورتوں کا خلاف کرو ان کے خلاف میں برکت ہے۔

بلکہ حکماء کا قول ہے۔

لا تستشیروا القعود مع النساء	عورتوں کے پاس زیادہ بیٹھنے والے شخص سے بھی مشورہ مت کرو۔

۲۔ دوسری خصلت جس کا مشیر میں ہونا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ مشیر دین دار اور متقی اور پرہیز گار ہو اس لیے کہ جو شخص دیندار اور پرہیزگار نہ ہو اس کے مشورہ کا کیا اعتبار۔

حدیث میں ہے۔

من اراد امرا فشاور فیہ امرءا مسلما وفقہ اللہ لارشد امورہ رواہ الطبرانی عن ابن عباس (فیض القدیر ص۵۰ ج ۶)

جو شخص کسی کام کا ارادہ کرے اور پھر وہ کسی سچے اور پکے مسلمان یعنی متقی اور پرہیزگار سے مشورہ کرے تو توفیق خداوندی اُس کو بہترین امور کی طرف لے جائے گی۔

۳- تیسری خصلت جو مشیر میں ہونی چاہیئے وہ یہ ہے کہ مشورہ دینے والا محب ناصح ہو یعنی خیرخواہ اور ہمدرد ہو اور اس کا دل حسد اور کینہ اور بغض اور عداوت سے پاک ہو محبت اور ہمدردی اور خیرخواہی ہی صحیح مشورہ کا باعث بن سکتی ہیں بخلاف حاسد اور کینہ ور کے کہ اُس کا مشورہ تو سمِّ قاتل ہوگا اسی بنا پر بعض حکماء کا قول ہے۔

لا تشاور الا الحازم غیر الحسود واللبیب غیر الحقود وایاك ومشاورۃ النساء فان رأیھن الی الافن وعزمھن الی الوھن۔ (ادب الدنیا والدین ص۲۰۸)

مت مشورہ کرنا مگر ایسے ذی رائے اور محتاط سے جو حاسد نہ ہو اور ایسے عاقل اور دانشمند سے جو کینہ ور نہ ہو اور عورتوں کے مشورہ سے پرہیز کرنا کیونکہ ان کی رائے کا میلان فساد کی طرف ہوتا ہے اور ان کا عزم سستی اور کمزوری کی جانب ہوتا ہے

اور علی ہذا اگر مشیر متعدد ہوں (جیساکہ آج کل کی اسمبلی) تو ان میں یہ ضروری ہوگا کہ اسمبلی کے افراد باہمی حسد اور تنافس سے خالی ہوں ورنہ اسمبلی۔ مجلس مشاورت نہ ہوگی بلکہ مجلس منازعت اور مخاصمت ہوگی۔ لوگ تماشہ دیکھ کر واپس ہو جائیں گے۔

۴- چوتھی خصلت یہ ہے کہ مشورہ دینے والا کسی فکر اور پریشانی میں مبتلا نہ ہو اس لیے کہ جو شخص ہموم وغموم کا شکار ہو اور پریشانیوں میں مبتلا ہو اس کا قلب اور دماغ صحیح نہ ہوگا۔ اس لیے وہ صحیح مشورہ نہیں دے سکتا۔

۵- پانچویں خصلت یہ ہے کہ جس امر میں مشورہ لیا جا رہا ہے اُس سے مشیر کی کوئی نفسانی خواہش اور غرض مضمر متعلق نہ ہو خود غرض کا کوئی مشورہ قابل اعتبار نہیں "چوں غرض آمد ہنر پوشیدہ شد" یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں ماں باپ کی شہادت اولاد کے حق میں۔ اور زوجین کی شہادت ایک دوسرے کے حق میں۔ اور غلام کی شہادت آقا کے حق میں معتبر نہیں مانی گئی کیونکہ اغراض اور منافع باہم مشترک ہیں۔ یہ شہادت خود غرضی کے شائبہ سے خالی نہیں اس لیے معتبر نہیں۔

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ؕ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ

اور نبی کا کام نہیں کہ کچھ چھپا رکھے، اور جو کوئی چھپاوے گا وہ

بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا

لاوے گا اپنا چھپایا دن قیامت کے ۔ پھر پورا پاوے گا ہر کوئی اپنا

كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿١٦١﴾ اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ

کمایا اور ان پر ظلم نہ ہو گا ۔ کیا ایک شخص جو تابع ہے

اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۭ

اللہ کی مرضی کا ، برابر اس کے جو کما لایا غصہ اللہ کا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ۔

وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿١٦٢﴾ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَ

اور کیا بری جگہ پہنچا ۔ لوگ کئی درجے ہیں اللہ کے ہاں اور

اللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٦٣﴾ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى

اللہ دیکھتا ہے جو کرتے ہیں ۔ اللہ نے احسان کیا ایمان والوں

الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ

پر ، جو بھیجا ان میں رسول انہی میں کا ، پڑھتا ہے ان پر

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ

آیتیں اس کی اور سنوارتا ہے ان کو اور سکھاتا ہے ان کو

وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ

کتاب اور کام کی بات ۔ اور وہ تو پہلے سے صریح گمراہ

مُّبِيْنٍ ﴿١٦٤﴾

تھے ،

بیان نزاہت منصب نبوّت از شائبہ و واہمۂ خیانت

قال تعالیٰ وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ .... الیٰ .... وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝

اس آیت میں حق جل شانہ نے یہ بیان فرمایا کہ نبی کی یہ شان نہیں کہ وہ ذرہ برابر بھی خیانت کرے منصب نبوت کے ساتھ خیانت جمع نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا لوگوں کو چاہیئے کہ نبی کی عظمت و حرمت اور عصمت و امانت کو مستحضر رکھیں اور کوئی لفظ زبان سے ایسا نہ نکالیں جو منصب نبوت کے خلاف ہو۔

اس آیت کے شانِ نزول میں مختلف روائیتیں آئی ہیں۔

۱۔ ابو داؤد اور ترمذی وغیرہ میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ بدر کے دن غنیمت میں سے ایک سُرخ چادر گم ہوگئی اس پر کسی شخص نے کہا کہ شاید رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے لے لی ہوگی۔ یہ کہنے والا کوئی منافق تھا جیسا کہ بعض روایات میں خود ابن عباسؓ سے منقول ہے۔ (تفسیر ابن کثیر) اس کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی کہ نبیؐ سے کسی قسم کی خیانت کا صدور نا ممکن اور محال ہے کیونکہ نبوت کا دارومدار صدق اور امانت پر ہے۔

۲۔ بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیات غزوۂ اُحد کے متعلق نازل ہوئیں۔ کلبیؒ اور مقاتلؒ کا قول ہے کہ اُحد کے دن جن تیر اندازوں کو گھاٹی پر متعین کیا تھا وہ اپنی متعینہ جگہ کو چھوڑ کر نیچے اتر آئے اور ان میں سے کسی کو اندیشہ یہ ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فوج میں یہ حکم صادر فرمائیں کہ کفار سے جو شئے جس کے ہاتھ لگے وہ اسی کی ہے اور مال غنیمت کو آپؐ تقسیم نہ فرمائیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ نبیؐ کے لیئے یہ لائق نہیں کہ وہ تقسیم غنیمت میں خیانت کرے کہ بعض کو دے اور بعض کو نہ دے۔

پس اس روایت کی بنا پر بعض مستحقین کو مال غنیمت کے حصّہ سے محروم کرنے کو مبالغۃً غلول اور خیانت سے تعبیر کیا گیا ہے کہ مال غنیمت کو مستحقین پر برابر نہ تقسیم کرنا یہ بھی ایک قسم کی خیانت ہے جس سے اللہ کا نبی پاک اور منزہ ہوتا ہے۔

بعض علماء نے پہلی روایت کے مقابلہ میں اس روایت کو ترجیح دی ہے کہ ما قبل اور ما بعد کی تمام آیتیں واقعۂ اُحد ہی کے متعلق ہیں لہٰذا سیاق کلام کا مقتضیٰ یہ ہے کہ یہ آیت بھی واقعۂ اُحد ہی کے متعلق ہونی چاہیئے۔

بہر حال آیت غزوۂ اُحد سے متعلق ہو یا غزوۂ بدر سے مقصود ایک بیعنوانی پر تنبیہ کرنا ہے گزشتہ آیات میں جنگ اُحد کی ایک کوتاہی کو بیان فرمایا۔ اب اس آیت میں جنگ بدر کی ایک کوتاہی کو یاد دلایا۔ اور یہ بتلا دیا کہ منصب نبوت کے ساتھ خیانت جمع نہیں ہوسکتی نبی خدا کا امین ہوتا ہے اور اللہ کا محترم بندہ ہوتا ہے اور ہر حال میں اس کی مرضی کے تابع ہوتا ہے شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہٗ

لکھتے ہیں۔

مترجم گوید چوں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم متصرف بودند در غنیمت ایں آیت نازل شد تا کسے گمان خیانت نکند	مترجم کہتا ہے کہ چونکہ مال غنیمت میں تصرف اور اس کا انتظام آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد تھا اس لیے من جانب اللہ یہ آیت نازل ہوئی تاکہ کوئی شخص آپ کی نسبت خیانت کا شبہ اور گمان بھی نہ کرسکے۔

نیز چونکہ سلسلۂ کلام جہاد سے متعلق ہے اس لیے درمیان میں مال غنیمت کے متعلق ایک حکم بیان فرما دیا چنانچہ فرماتے ہیں اور کسی نبی کی یہ شان نہیں کہ وہ کوئی چیز چھپا کر رکھے یا کسی قسم کی کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ خیانت کرے۔ منصب نبوت کے ساتھ خیانت جمع نہیں ہوسکتی اور جس کو اللہ تعالیٰ نے بلند مرتبہ بنایا ہو اس سے ذلت اور فضیحت کے کام کا صدور اور ظہور ناممکن ہے کیونکہ جو شخص خیانت کرے گا وہ قیامت کے دن اس خیانت کو اپنے سر پر اٹھا کر لائے گا تاکہ میدان حشر میں ذلیل اور رسوا ہو۔ اور اللہ کا نبیؑ ہر قسم کی ذلت اور فضیحت سے پاک اور منزہ ہوتا ہے احادیث میں یہ مضمون بکثرت آیا ہے کہ جس نے جو چیز چھپائی ہوگی وہ قیامت کے دن میدان حشر میں اس حالت میں حاضر ہوگا کہ وہ چیز اُس کی گردن پر سوار ہوگی کسی کی گردن پر اونٹ سوار ہوگا اور کسی کی گردن پر گھوڑا وغیرہ ذلک۔ ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پر اس حدیث کے متعلق یہ اشکال پیش کیا کہ جس شخص نے سو یا دو سو اونٹوں کی خیانت کی وہ اتنے اونٹ اپنی گردن پر کیسے اٹھائے گا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ جس شخص کی ایک ڈاڑھ جبلِ اُحد کے برابر ہوگی وہ اتنے سارے اونٹوں کو بھی اٹھا سکے گا۔ حضرت ابوہریرہؓ کا یہ جواب محض سائل کی تشفی اور اطمینان کے لیے تھا ورنہ خدا کی قدرت کے لیے بدن کے بڑے ہونے کی بھی ضرورت نہیں۔ اس زمانہ میں چھوٹے سے جرِ ثقیل کے آلہ سے بڑے بڑے بحری جہاز اوپر اٹھا لیے جاتے ہیں یہ تو ایک ضعیف البنیان انسان کی قدرت کا حال ہے تو قادرِ مطلق اور توانائے برحق کی قدرت وطاقت کا کیا پوچھنا۔ پھر خائن کی اس ذلت وفضیحت پر معاملہ ختم نہ ہو جائے گا بلکہ اُس کو خیانت کی پوری پوری سزا ملے گی اس لیے کہ قیامت کے دن ہر نفس کو اُس چیز کی جو اس نے کیا ہے پوری پوری جزا دی جائے گی خاص کر حقوق العباد میں اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا مطلب یہ ہے کہ اول لوگوں کی بداعمالیوں اور خیانتوں کو ظاہر کریں گے اور اس کے بعد اُن کو اُن کے اعمال کی جزا دی جائے گی غرض یہ کہ خائنین قیامت کے دن اللہ کے مغضوب اور معتوب ہوں گے اور ذلیل وخوار ہوں گے اور حضرات انبیاء کرامؑ حق تعالیٰ کے من کل الوجوہ پسندیدہ اور برگزیدہ بندے ہیں اور مصطفین الاخیار اور مرتضین الابرار

کے مصداق ہیں اور جن کا ظاہر و باطن ہر حال میں اللہ کی مرضی کے تابع ہے وہ قیامت کے دن سر بلند ہوں گے اور ہر قسم کی ندامت و پشیمانی سے بالکلیہ مامون اور محفوظ ہوں گے جیسا کہ آگے ارشاد ہے کیا پس ایسا شخص جو اللہ کی خوشنودی اور رضامندی کا تابع اور پیرو ہو چکا ہو ایسا شخص معاذ اللہ. کیا کسی قسم کی خیانت کر کے اُس شخص کے مانند اور برابر ہو سکتا ہے جس نے خیانت کر کے اللہ کے غصہ کو کمایا ہو اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہو اور کیا ہی بُری جگہ ہے جو اُن لوگوں کے لیے بنائی گئی ہے جو خدا تعالیٰ کے مغضوب ہیں نہ ان لوگوں کے لیے جو رضاءِ حق کے تابع ہوں لوگوں کے درجات اور مراتب مختلف ہیں کوئی ادنیٰ اور کوئی اعلیٰ. کوئی اعلیٰ علیین میں اور کوئی قعرِ سجین میں اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے اعمال کو دیکھنے والے ہیں۔ عمل کے مطابق جزاء اور سزا ملے گی۔ آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ نبیؐ سے خیانت کا صدور اور ظہور اس وجہ سے بھی ناممکن ہے کہ خیانت تو ایک بلا اور مصیبت ہے اور نبی کا وجود حق تعالیٰ کی منتِ عظمیٰ اور نعمتِ کبریٰ ہے اس لیے حق تعالیٰ آئندہ آیت میں اپنے احسان کو جتاتے ہیں اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اوصاف بیان فرماتے ہیں تاکہ لوگ اس نعمت کی قدر کریں اور آپؐ کی عظمت و حرمت کا پورا پورا لحاظ رکھیں اور دل میں ایسی چیز کا وسوسہ بھی نہ آنے دیں جو حضور پُرنورؐ کی شان رفیع کے شایانِ شان نہ ہو. تحقیق اللہ تعالیٰ نے بلاشبہ ایمان والوں پر بڑا احسان فرمایا کہ اُن میں انہی کی جنس سے ایک عظیم الشان رسول بھیجا جو انہیں اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے جن کے انوار و برکات سے دل کی ظلمات دور ہوتی ہیں اور پھر وہ رسول اپنے فیض صحبت اور باطنی توجہ سے اُن کو کفر اور شرک کی نجاست اور نفسانی آلائشوں سے پاک اور صاف کرتا ہے اور دلوں کو مانجھ کر صیقل بنا دیتا ہے اور ان کو کتاب الٰہی کی تعلیم دیتا ہے یعنی قرآن کریم کے غوامض اور مشکلات کو حل کرتا ہے اور صحابہ کرام کو آیت کے متعلق اگر کوئی شبہ پیش آتا ہے تو اس کا ازالہ فرما دیتے ہیں. جیسا کہ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ کے متعلق صحابہ کو جب شبہ پیش آیا تو اس کا ازالہ فرما دیا کہ آیت میں ظلم سے مطلق معصیت مراد نہیں بلکہ شرک مراد ہے اور یہ آیت تلاوت فرمائی اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ۔ اور اس قسم کے لیے بے شمار نظائر احادیث نبویہ میں موجود ہیں اور حکمت اور دانائی کی باتوں کی اُن کو تعلیم دیتا ہے اور اس تعلیم کا عجب حال ہے کہ جس سے عرب کے جاہل اور لٹھ ایسے حکیم اور دانا بنے کہ سارے عالم کے معلم بن گئے اور جن کی حکمت اور دانائی نے حکماء یونان اور فلاسفۂ عالم کو نیچا دکھا دیا اور تحقیق یہ لوگ جو آپ کی تعلیم و تربیت سے حکیم اور دانا بنے آپ کی کفش برداری سے پہلے صریح گمراہی میں مبتلا تھے پس کیا جس رسول کی تعلیم و تربیت نے جاہلوں کو حکیم بنا دیا ہو اور گندوں کو نفسانی آلائشوں سے پاک اور صاف کر دیا ہو کیا اُس سے کسی قسم کی خیانت کا صدور ممکن ہے کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

در فشانی نے تری قطروں کو دریا کر دیا ۔۔ دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی ہوگئے ::: کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا۔

ف اس آیت کے اکثر الفاظ پارۂ اوّل کے اخیر میں اور پارۂ دوم کے اوّل میں گذر چکے ہیں وہاں ان کی تفسیر دیکھ لی جائے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ نادانوں میں ایسا دانا پیدا کرنا جو ان کو دانائی سکھائے اور ان پڑھوں کو کتاب پڑھنا سکھائے اور ظاہری اور باطنی ناپاکی اُن سے دور کرے اور گمراہوں کو ہدایت کرے یہ اللہ تعالیٰ کا بہت ہی بڑا احسان ہے کہ اس نے اس امت کے لیے ایسے نبی کو مبعوث کیا۔

آفتاب آمد دلیل آفتاب
گر دلیلے باید ازوے رومتاب

أَوَلَمَّآ أَصَٰبَتْكُم مُّصِيبَةٌ قَدْ أَصَبْتُم

کیا جس وقت تم کو پہنچی ایک تکلیف کہ تم پہنچا چکے ہو اس کے

مِّثْلَيْهَا لا قُلْتُمْ أَنَّىٰ هَٰذَا ۖ ط قُلْ هُوَ مِنْ عِندِ

دو برابر، کہتے ہو یہ کہاں سے آئی؟ تو کہہ یہ آئی تم کو اپنی

أَنفُسِكُمْ ط إِنَّ ٱللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٦٥﴾ وَمَآ

طرف سے۔ اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۔ اور جو

أَصَٰبَكُمْ يَوْمَ ٱلْتَقَى ٱلْجَمْعَانِ فَبِإِذْنِ ٱللَّهِ وَلِيَعْلَمَ

کچھ تم کو سامنے آیا جس دن بھڑیں دونوں فوجیں سو اللہ کے حکم سے، اور

ٱلْمُؤْمِنِينَ ﴿١٦٦﴾ وَلِيَعْلَمَ ٱلَّذِينَ نَافَقُوا ۚ وَقِيلَ لَهُمْ

اس واسطے کہ معلوم کرے ایمان والوں کو۔ اور تا معلوم کرے ان کو جو منافق تھے۔ اور کہا اُن کو کہ

تَعَالَوْا قَٰتِلُوا فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ أَوِ ٱدْفَعُوا ط قَالُوا

آؤ لڑو اللہ کی راہ میں، یا دفع کرو دشمن، بولے

لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّٱتَّبَعْنَٰكُمْ ط هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ

ہم کو معلوم ہو لڑائی تو تمہارا ساتھ کریں۔ وہ لوگ اس دن کفر کی طرف

اَقۡرَبُ مِنۡهُمۡ لِلۡاِيۡمَانِ ۚ يَقُوۡلُوۡنَ بِاَفۡوَاهِهِمۡ مَّا

نزدیک ہیں ایمان سے . کہتے ہیں اپنے منہ سے جو

لَيۡسَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ‌ ؕ وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا يَكۡتُمُوۡنَ ۞ ۱۶۷

نہیں ان کے دل میں - اور اللہ خوب جانتا ہے جو چھپاتے ہیں -

اَلَّذِيۡنَ قَالُوۡا لِاِخۡوَانِهِمۡ وَقَعَدُوۡا لَوۡ اَطَاعُوۡنَا مَا

وہ جو کہتے ہیں اپنے بھائیوں کو اور آپ بیٹھ رہے ہیں، اگر وہ ہماری بات

قُتِلُوۡا ‌ؕ قُلۡ فَادۡرَءُوۡا عَنۡ اَنۡفُسِكُمُ الۡمَوۡتَ اِنۡ

مانتے تو مارے نہ جاتے، تو کہہ اب ہٹا دیجو اپنے اوپر سے موت ، اگر

كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ۞ ۱۶۸

تم سچے ہو -

ازالۂ حسرتِ ہزیمت از دوستاں

و

جواب شبہ دشمناں

قال تعالیٰ اَوَلَمَّاۤ اَصَابَتۡكُمۡ مُّصِيۡبَةٌ قَدۡ اَصَبۡتُمۡ مِّثۡلَيۡهَا .... الیٰ .... اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ۰

پہلے سے اُحد کا قصہ چلا آرہا ہے درمیان میں صحابہ سے جو کوتاہی ہوئی اس پر تنبیہ فرمائی. اب پھر قصۂ اُحد کی طرف عود فرماتے ہیں جس سے مقصود مسلمانوں کی ایک حسرت کو زائل کرنا ہے اور منافقوں کے ایک شبہ کا جواب دینا ہے بعض مسلمانوں کو یہ خیال ہوا کہ دین اِسلام دین حق ہے اور خدا کا رسولؐ ہمارے ساتھ ہے اور ہم دین حق کی حمایت میں جہاد کر رہے ہیں اور کفار کفر اور شرک کی حمایت میں لڑ رہے ہیں تو انہوں نے ہم پر کیسے فتح پائی۔

اور منافقوں نے یہ کہا کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو اُحد میں آپؐ کو شکست کیوں ہوئی چنانچہ فرماتے ہیں. کیا جس وقت اُحد میں تم کو ایسی مصیبت پہنچی جو بدر میں اس سے پہلے تم اپنے دشمنوں کو اس کا دو چند پہنچا چکے ہو تو تم بطور تعجب نہ بطور اعتراض یہ کہنے لگے کہ یہ مصیبت کہاں سے آئی یعنی جنگ اُحد

ہیں اگر تمہارے ستر آدمی شہید ہوگئے تو جنگ بدر میں ان کے ستر آدمی مارے گئے اور ستر تمہارے ہاتھ قید ہوئے اور قیدی بھی مقتول کے برابر ہی ہوتا ہے تو ایسی حالت میں اپنی نصف مصیبت کا شکوہ کرنا اور بددل ہونا مناسب نہیں آپؐ اُن کے جواب میں کہہ دیجئے کہ یہ ساری مصیبت تمہاری طرف سے آئی یعنی تم خود ہی اس مصیبت کا سبب بنے ہو قصور تمہارا ہے کہ خلاف حکم تم اپنی معین جگہ چھوڑ کر درہ سے نیچے اترے یا قصور یہ ہے کہ تم نے بدر کے دن قیدیوں کو قتل کیوں نہ کیا۔ اور ان سے مال لے کر ان کو کیوں چھوڑ دیا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت فرما دیا تھا کہ اگر تم کافروں کو فدیہ لے کر چھوڑتے ہو تو تم میں سے ستر آدمی آئندہ چل کر شہید ہوں گے لوگوں نے اس کو قبول کیا اور مال لے کر ان کو چھوڑا۔ لہٰذا اس وقت تم اُحد کی اس مصیبت کا کیوں شکوہ کرتے ہو یہ تمہاری قبول کردہ مصیبت ہے نیز یہ بھی احتمال ہے کہ اُحد کے دن ابتدائے جنگ میں مسلمانوں نے جتنے مشرکوں کو قتل کیا ہو ان کی تعداد اُحد کے مسلمان مقتولین سے دوچند ہو بے شک اللہ تعالےٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ جس کو جب چاہے غالب اور جب چاہے مغلوب کرے۔ اور جو تکلیف تمہیں اس دن پہنچی یعنی اُحد کے دن جس دن دو فوجیں بھڑیں اور آپس میں لڑیں سو وہ تکلیف اللہ ہی کے حکم سے پہنچی۔ جس میں بے شمار حکمتیں اور مصلحتیں ہیں اور من جملہ بے شمار مصلحتوں کے ایک مصلحت یہ ہے تاکہ اللہ تعالےٰ مومنین کو جان لے یعنی اُن کے ایمان کو سب کے سامنے عیاں کر دے کہ ایمان والے ایسے ہوتے ہیں اور تاکہ معلوم کرے ان لوگوں کو جو منافق ہوئے یعنی ان کا نفاق لوگوں کو معلوم ہو جائے اور لوگ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرلیں کہ منافق ایسے ہوتے ہیں۔

ف منافق اس شخص کو کہتے ہیں جو ظاہر میں مسلمان اور دل میں کافر ہو۔ ابن انباریؒ فرماتے ہیں کہ منافق نفق سے مشتق ہے جس کے معنی سرنگ کے ہیں جس طرح انسان دشمن سے سُرنگ میں جا کر چھپ جاتا ہے اسی طرح منافق مسلمانوں کے قتل و غارت سے بچنے کے لیے اسلام کے پردہ میں چھپ جاتا ہے۔

ابوعبیدہؒ کا قول یہ ہے کہ منافق "نافقاء" سے مشتق ہے جنگلی چوہا اپنے بل کے دو دروازے رکھتا ہے ایک کا نام قاصعاء ہے اور دوسرے کا نام نافقاء ہے جب کوئی اسے پکڑنا چاہتا ہے تو ایک دروازہ سے داخل ہوتا ہے اور دوسرے دروازہ سے نکل بھاگتا ہے۔

اسی طرح منافق ایک طرف سے اسلام کے دروازہ میں داخل ہوتا ہے دیکھنے والا سمجھتا ہے کہ اسی دروازہ میں داخل ہوا ہے اور درپردہ کفر کے دروازہ سے نکل کر بھاگ جاتا ہے۔ آگے ان منافقین کے نفاق کا حال بیان کرتے ہیں اور جب ان منافقین سے کہا گیا کہ اگر تم دعوائے اسلام میں سچے ہو تو آؤ اللہ کی راہ میں لڑو اور اس کی راہ میں دین کے دشمنوں سے جانبازی اور سرفروشی دکھلاؤ

یا کم از کم قوم یا وطن یا شہر سے دشمن کی مدافعت کرو[1] یعنی اگر دین کی خاطر دین کے دشمنوں سے نہیں لڑتے تو آؤ قوم اور وطن اور اہل وعیال ہی کی خاطر دشمن کی مدافعت کرو کیونکہ اگر دشمن کامیاب ہو گا تو وہ پامال کرنے میں مؤمن اور کافر مخلص اور منافق کی کوئی تمیز نہ کرے گا سب کو ایک ہی گھاٹ اتارے گا۔ مقصود اس سے اتمام حجت ہے کہ اگر خدا کے لیے اور خدا کے دین کے لیے نہیں لڑتے تو قوم اور وطن اور مال ومنال اور اہل وعیال ہی کے لیے دشمن کی مدافعت میں حصہ لو۔

ف معلوم ہوا کہ جہاد وہ ہے جو صرف اللہ کے لیے اور اس کے دین کی حمایت اور حفاظت کے لیئے ہو اور جو محض قوم اور وطن کے لیے ہو وہ جہاد نہیں منافق بولے کہ اگر ہم واقع میں اس کو لڑائی جانتے تو ضرور تمہارے ساتھ ہوتے لیکن یہ تو کوئی لڑائی نہیں ایک طرف تو تین ہزار کا لشکرِ جرار ہے اور ایک طرف ایک ہزار بے سروسامان آدمی ہیں یہ کوئی جنگ نہیں بلکہ مفت میں اپنی جانوں کو ہلاکت میں ڈالنا ہے حق تعالےٰ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ اس دن بہ نسبت ایمان کے کفر کے زیادہ قریب تھے کیونکہ منافقین زبان سے دعویٰ اسلام کا کرتے تھے اور مسلمانوں کے ساتھ ملے جُلے رہتے تھے لیکن آج کے دن اس جواب سے ان کے نفاق کی قلعی کھل گئی اس دن سے پہلے یہ لوگ اپنے کو مسلمان بتاتے تھے لیکن ظاہر میں اُن سے کوئی ایسی علامت ظاہر نہیں ہوئی تھی جو ان کے کفر پر دلالت کرے آج کے دن اُن کے اس جواب سے ان کا چھپا ہوا کفر ظاہر ہو گیا یہ منافقین اپنے منہ سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں یعنی ان کا ظاہر و باطن یکساں نہیں زبان سے اسلام کا اظہار کرتے ہیں اور دل میں کافر ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے جو دل میں چھپائے ہوئے ہیں یعنی ان کے اندرونی کفر اور نفاق سے خوب واقف ہے۔ یہ منافق۔ وہ لوگ ہیں جو خود جہاد سے بیٹھے رہے اور اپنی برادری کے بھائیوں کی نسبت یعنی اُن انصار مدینہ کے حق میں جو جنگِ اُحد میں شہید ہوئے یہ کہنے لگے کہ اگر یہ لوگ ہمارا کہنا مانتے اور ہماری طرح گھروں میں بیٹھے رہتے تو نہ مارے جاتے جس طرح ہم قتل سے محفوظ رہے اسی طرح یہ بھی قتل سے محفوظ رہتے اے نبی کریمؐ آپ ان کے جواب میں یہ کہہ دیجئے کہ تم اپنی ہی جانوں سے موت کو ہٹا دو اگر تم اپنے اس قول میں سچے ہو کہ پرہیز اور احتیاط سے انسان موت اور قتل سے بچ جاتا ہے موت ہو یا قتل ہو وقت مقدر سے کوئی چیز نہیں ٹلتی کتنے ہی پہرے بٹھلا دو موت کو کوئی نہیں ٹال سکتا اب تم کو اختیار ہے کہ جی چاہے گھر میں بیٹھے بزدلوں کی موت مر جاؤ یا میدان جہاد میں خدا کی راہ میں جانبازی و سرفروشی کرتے ہوئے عزت کی موت مرو۔ تاکہ دائمی حیات حاصل ہو جیسا کہ آئندہ میں ذکر آتا ہے۔

---

[1] شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں یعنی از بلاد خویش۔ ۱۲

وَلَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ قُتِلُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ

اور تو نہ سمجھ ، جو لوگ مارے گئے اللہ کی راہ میں

اللّٰهِ اَمۡوَاتًا ‌ؕ بَلۡ اَحۡيَآءٌ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ

مردے ۔ بلکہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس

يُرۡزَقُوۡنَ ۝۱۶۹ فَرِحِيۡنَ بِمَآ اٰتٰٮهُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ ۙ

روزی پاتے ۔ خوشی کرتے ہیں اس پر جو دیا ان کو اللہ نے اپنے

وَيَسۡتَبۡشِرُوۡنَ بِالَّذِيۡنَ لَمۡ يَلۡحَقُوۡا بِهِمۡ مِّنۡ

فضل سے، اور خوش وقت ہوتے ہیں ان کی طرف سے جو ابھی نہیں پہنچے ان میں

خَلۡفِهِمۡ ۙ اَلَّا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ۝۱۷۰

پیچھے سے ۔ اس واسطے کہ نہ ڈر ہے اُن پر ، نہ اُن کو غم ۔

يَسۡتَبۡشِرُوۡنَ بِنِعۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضۡلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ

خوش وقت ہوتے ہیں اللہ کی نعمت اور فضل سے، اور اس سے کہ اللہ

۱۷ ع۱۶ ۸ لَا يُضِيۡعُ اَجۡرَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۝۱۷۱ ج ع

ضائع نہیں کرتا مزدوری ایمان والوں کی ۔

بیانِ اعزاز و اکرامِ شہداءِ اُحُد در بارگاہِ خداوندِ احد

قال تعالٰی وَلَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ قُتِلُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اَمۡوَاتًا ۔۔۔۔ الیٰ ۔۔۔۔ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيۡعُ اَجۡرَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۔

(ربط) گزشتہ آیات میں منافقین کے اس قول کا جواب دیا تھا جو یہ کہتے تھے لَوۡ اَطَاعُوۡنَا مَا قُتِلُوۡا ۔ اس کے جواب میں فَادۡرَءُوۡا عَنۡ اَنۡفُسِكُمُ الۡمَوۡتَ ارشاد فرمایا اب اس آیت میں اُن کے ایک شبہ کا جواب دیتے ہیں کہ جن کو تم مقتول اور مردہ کہتے ہو اور یہ سمجھتے ہو کہ وہ دنیا سے ناکام اور محروم گئے اور حیات اور لذات سے محروم ہوگئے ۔

کہ وہ مردہ نہیں بلکہ وہ زندہ ہیں اور اُن کو بجائے اس حیات فانی کے ایک خاص قسم کی حیات جاودانی عطا کر دی گئی ہے جو عیش وتنعم میں اس دنیوی حیات سے کہیں بالا اور برتر ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے اُن کو ہرگز ہرگز مردہ گمان نہ کر بلکہ وہ زندہ ہیں اور اُن کی یہ حیات۔ دنیوی حیات سے کہیں بہتر اور برتر ہے کیونکہ وہ اپنے پروردگار کے نزدیک ہیں۔ جس خدا کے لیے جہاد میں انہوں نے جانیں دی ہیں اس کا قرب ان کو حاصل ہے اور ظاہر ہے کہ مقربین خداوندی کے حیات کے ساتھ اس دنیاوی حیات کو کیا نسبت پھر یہ کہ خدا کے پاس سے ان کو زندوں کی طرح رزق اور روزی دی جاتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ رزق ہی بقاء حیات کا ذریعہ ہے پس جب اس دنیائے فانی کا رزق آدمی کی حیات اور صحت اور قوت کا ایک سبب ہے تو اُس عالم کا رزق کس درجہ حیات میں ممد اور معاون ہوگا۔ رزق ملنا قیامت کے آنے پر موقوف نہیں ابھی سے ان کو رزق ملنا شروع ہو جاتا ہے پھر یہ کہ یہ شہداء نہایت خوش ہیں ان نعمتوں پر جو اُن کو اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے بلا واسطہ اور بلا محنت اور بلا مشقت اور بلا اُن کے کسب و اکتساب کے اُن کو دی ہیں۔ دنیا کے رزق میں اوّل تو محنت اور مشقت ہے اور آخر میں ملنے کے بعد یہ غم ہوتا ہے کہ شاید یہ رزق کہیں چھن نہ جائے۔ اور شہداء کو اللہ کے پاس سے جو رزق ملتا ہے اوّل تو اس میں اسباب و وسائل کا واسطہ نہیں ہوتا اور پھر یہ کہ اس میں کسی قسم کی محنت و مشقت نہیں اور پھر یہ کہ اللہ کے فضل سے اُس کے زوال کا اندیشہ نہیں اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ کے یہ معنی ہیں خوب سمجھ لو اور یہ بے مثال فرحت و مسرت بھی اُن کی بے مثال حیات کی دلیل ہے۔ فرحت تو زندہ ہی کو ہوتی ہے شہداء ان نعمتوں کو دیکھ کر بیحد خوش ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو وعدے شہیدوں کے لیے پیغمبروں کی زبانی کیے تھے آج اپنی آنکھوں سے ان کا مشاہدہ کر لیا یہ تو اس مسرت کا ذکر تھا جو اُن کی ذات سے متعلق تھی۔ اب آئندہ شہداء کی اس مسرت اور خوشی کو بیان کرتے ہیں جو ان کو اپنے پسماندوں کے متعلق ہوتی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں شہداء اپنے ان پسماندوں کے متعلق بھی جو کہ ابھی اُن سے نہیں ملے اور دنیا میں ان کے پیچھے رہ گئے ہیں اور جہاد فی سبیل اللہ یا اور امور خیر میں اُن کو دنیا میں مشغول چھوڑ آئے ہیں کہ اگر یہ لوگ بھی ہماری طرح خدا کی راہ میں مارے گئے اور شہید ہو کر یہ لوگ بھی ہم سے آملے تو ہماری طرح اُن پر بھی نہ آئندہ کا کوئی خوف و ہراس ہوگا اور نہ گزشتہ پر یہ غمگین ہوں گے یعنی شہادت کے بعد نہ تو آخرت کی عقوبت کا کوئی خوف ہوگا اور شہادت کی وجہ سے جو دنیا کی لذتیں فوت ہوگئیں ان پر حزیں و غمگین نہ ہوں گے اس لیے کہ یہاں کی لذتیں اور نعمتیں دنیا کی نعمتوں اور لذتوں سے ہزاراں ہزار درجہ بڑھ کر ہوں گی الغرض شہداء۔ اللہ کی نعمت اور فضل کو دیکھ دیکھ کر غایت درجہ خوش ہوتے رہیں گے اور کیسے اور کیوں خوش نہ ہوں تحقیق جب کہ وہ یہ مشاہدہ کریں گے کہ اللہ تعالیٰ تو عام اہل ایمان کے اجر کو بھی ضائع نہیں

فرماتے۔ بلکہ وہم وگمان سے بڑھ کر دیتے ہیں تو شہداء (جان نثاروں) کے اجر کو کیسے ضائع فرمائیں گے جنہوں نے اس کی راہ میں اپنی جانیں قربان کر دی ہیں غرض یہ کہ شہداء اپنی نعمتوں کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور دوسروں کے متعلق بھی یہ معلوم کر کے خوش ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔

سُدیؒ اس آیت کی تفسیر اس طرح کرتے ہیں کہ شہید کے پاس ایک رجسٹر لایا جاتا ہے جس میں اُن لوگوں کے نام درج ہوتے ہیں جو اس کے مسلمان بھائیوں میں سے اس کے پاس آنے والے ہوتے ہیں پس وہ اس بشارت سے ایسا خوش ہوتا ہے جیسا کہ دنیا میں لوگ اپنے کسی غائب عزیز کی آمد کی بشارت سُن کر خوش ہوتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۴۲۸ ج ۱)

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اَلَّذِیْنَ لَمْ یَلْحَقُوْا بِهِمْ کا اشارہ تمام مؤمنین کی طرف ہے۔ جو دنیا میں اُن سے پیچھے رہ گئے اگرچہ وہ شہید نہیں ہوئے۔ شہداء جب اس عالم میں پہنچ کر حق تعالیٰ کے ثواب اور انعام کا مشاہدہ کرتے ہیں تو اُن کو یقین کامل ہو جاتا ہے کہ دین اسلام دین حق ہے اور اس پر چلنے والوں کو اللہ تعالیٰ ضرور ثواب اور اجر عطا فرمائے گا پس شہداء اللہ کے اُن افضال و الطاف پر بھی خوش ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے خود ان کو عطا کیے اور اپنے اُن بھائیوں کے متعلق بھی اُن کو خوشی ہوتی ہے جو دنیا میں ان کے پیچھے رہ گئے اگرچہ اُن کو شہادت کی فضیلت حاصل نہیں ہوئی۔ ان پر بھی کوئی خوف اور غم نہیں اس لیے کہ وہ ٹھیک راہ پر جا رہے ہیں اور آخر کار وہ ضرور جنت میں پہنچیں گے۔

زجاجؒ اور ابن فورکؒ نے یہی معنی اختیار کیے ہیں جیسا کہ امام قرطبیؒ نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔ وقیل ان الاشارة بالاستبشار للذین لم یلحقوا بهم الی جمیع المؤمنین وان لم یقتلوا ولکنهم لما عاینوا ثواب الله وقع الیقین بان دین الاسلام هو الحق الذی یثیب الله علیه فهم فرحون لانفسهم بما اٰتاهم الله من فضله مستبشرون للمؤمنین بان لا خوف علیهم ولا هم یحزنون۔ ذهب الی هذا المعنی الزجاج وابن فورك (تفسیر قرطبی ص ۲۷۵ ج ۴)

اطلاع حیات شہداء کی تحقیق (پارہ سیقول) کے رکوع سوم میں گزر چکی ہے۔ وہاں دیکھ لی جائے۔

اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ

جن لوگوں نے حکم مانا اللہ اور رسول کا بعد

بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا

اس کے کہ اُن میں پڑچکا تھا گھاؤ - جو ان میں نیک

مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۲﴾ اَلَّذِيْنَ قَالَ

ہیں اور پرہیزگار ان کو ثواب بڑا ہے ۔ جن کو کہا

لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ

لوگوں نے کہ انہوں نے جمع کیا اسباب تمہارے مقابلے کو،

فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿۱۷۳﴾

سو تم ان سے خطرہ کرو پھر ان کو زیادہ آیا ایمان۔ اور بولے بس ہے ہم کو اللہ اور کیا خوب کارساز ہے۔

فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ

پھر چلے آئے، اللہ کے احسان سے اور فضل سے کچھ نہ پہنچی

سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ

برائی، اور چلے اللہ کی رضا پر، اور اللہ کا فضل بڑا

عَظِيْمٍ ﴿۱۷۴﴾ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۠

ہے ۔ یہ جو ہے سو شیطان ہے کہ ڈراتا ہے اپنے دوستوں سے،

فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۵﴾

سو تم اُن سے مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو اگر ایمان رکھتے ہو ۔

قصہ غزوۂ حمراء الاسد

قال تعالیٰ اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ .... الیٰ .... اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ o

(ربط) گزشتہ آیات میں غزوۂ اُحُد کا قصہ بیان ہوا اب ان آیات میں غزوۂ اُحد ہی کے

متعلق ایک دوسرے غزوہ کا ذکر فرماتے ہیں جو غزوۂ حمراء الاسد کے نام سے مشہور ہے اور غزوۂ اُحد سے متصل واقع ہوا ہے۔ یا یوں کہو کہ گزشتہ آیات میں شہداء اُحد کا ذکر تھا اب ان آیات میں شہداء اُحد کے اُن اخوان مخلصین کا ذکر فرماتے ہیں جو اَلَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ کا مصداق ہیں یا یوں کہو کہ گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اس کے فضل کی بشارت کا ذکر تھا اور اس آیت میں بھی غزوۂ حمراء الاسد کے مجاہدین کے لیے انقلاب بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ کی بشارت کا ذکر ہے اور اہل ایمان کی مدح فرماتے ہیں کہ وہ کسی کی دھمکی میں نہیں آتے بلکہ ان کو اللہ کی ذات پر پورا بھروسہ ہے وہ ڈرپوک اور بزدل نہیں۔

اس آیت کے شانِ نزول کے متعلق علماء کے دو قول ہیں۔

پہلا قول یہ ہے کہ یہ آیت غزوۂ حمراء الاسد کے متعلق نازل ہوئی جس کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ جب ابوسفیان اور اس کا لشکر اُحد سے مکہ کو واپس ہوا تو راستہ میں خیال آیا کہ ہم نے بڑی غلطی کی کہ ایسی بڑی کامیابی کے بعد مسلمانوں کو زندہ چھوڑ کر کیوں چلے آئے ہم کو چاہیئے کہ ہم مدینہ واپس چلیں اور جاکر مسلمانوں کی جڑ ہی اکھاڑ کر پھینک دیں۔ جب یہ خبر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو یہ اعلان فرمایا کہ صرف وہ لوگ جو اُحد میں میرے ساتھ شریک تھے وہ دشمن کے تعاقب کے لیے تیار ہو جائیں۔ حاضرینِ اُحد کے علاوہ اور کسی کو میں اپنے ساتھ لے جانا نہیں چاہتا مسلمان مجاہدین باوجودیکہ تازہ زخم کھائے ہوئے تھے اور زخموں کی مرہم پٹی کا ارادہ کر رہے تھے آپؐ کا اعلان سنتے ہی زخموں کو بھول گئے اور آپؐ کے ساتھ ہوئے حضور پُرنورؐ اپنے اصحاب کی ایک جماعت کے ساتھ جن کی تعداد ستّر تھی روانہ ہوئے اور مقام حمراء الاسد پہنچے جو مدینہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر ہے ابوسفیان کو جب یہ خبر ملی کہ مسلمان اس کے تعاقب میں چلے آرہے ہیں تو اس پر منجانب اللہ ایسا رعب اور ایسی دہشت طاری ہوئی کہ مسلمانوں پر دوبارہ حملہ کا ارادہ فسخ کیا اور مکّہ کی طرف بھاگا اس سفر میں حضور پُرنورؐ کے ہمراہ حضرت ابوبکر وعمر وعثمان وعلی وطلحہ وزبیر وسعد وعبدالرحمٰن بن عوف وعبداللہ بن مسعود وحذیفہ بن الیمان وابوعبیدۃ بن الجراح رضی اللہ عنہم وغیرہ وغیرہ بھی تھے۔

دوسرا قول اس آیت کے شانِ نزول کے متعلق یہ ہے کہ یہ آیت غزوۂ بدرِ صغریٰ کے بارہ میں نازل ہوئی جس کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ جنگِ اُحد سے فارغ ہو کر جب ابوسفیان نے مکہ کی واپسی کا ارادہ کیا تو یہ کہا اے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اگر آپ چاہیں تو ہماری اور تمہاری آئندہ سال موسم بدر میں پھر لڑائی ہو۔ ابوسفیان کا مقصد یہ تھا کہ مقام بدر میں ہمارے بڑے بڑے سردار مارے گئے تھے اب ابوسفیان یہ چاہتا تھا کہ سال آئندہ پھر اسی سال مقام بدر پر دوبارہ جنگ ہو اور ہم اُحد کی طرح وہاں بھی مسلمانوں کے بڑے بڑے سرداروں کو ماریں تاکہ بدر کا بدلہ ہو جائے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منظور ہے جب سال پورا ہو گیا تو ابوسفیان دو ہزار کفار قریش

کے ساتھ مکہ سے جنگ کے ارادہ سے نکلا پچاس گھوڑے ہمراہ تھے۔

اِدھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو ساتھ چلنے کا حکم دیا صحابہ سنتے ہی رفاقت کے لیے تیار ہو گئے اور مقام بدر پر پہنچ گئے ابوسفیان مکہ سے نکل کر ابھی مقام مرالظہران ہی تک پہنچا تھا کہ یکایک دل میں مسلمانوں کا خوف پیدا ہو گیا چاہتا یہ تھا کہ حضور پُر نورؐ وعدہ پر نہ آئیں تو الزام آپ پر رہے۔ اور میں لڑائی سے بچ جاؤں اس لیے اس کو مناسب یہ معلوم ہوا کہ میں لشکر کو لے کر مکہ واپس جاؤں اتفاق سے اسے نعیم بن مسعود اشجعی مل گیا جو مکہ سے عمرہ کر کے واپس آ رہا تھا۔ ابوسفیان نے اس سے کہا کہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کے اصحاب سے یہ وعدہ کر آیا تھا کہ بدر کے میلے کے ایام میں سالِ آئندہ ہماری اور تمہاری جنگ ہو گی لیکن یہ سال خشک سالی کا ہے ایسے وقت میں لڑنا مناسب نہیں اب مجھے یہی بہتر معلوم ہوتا ہے کہ میں مکہ واپس چلا جاؤں لیکن میں اس بات کو بھی ناپسند کرتا ہوں کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) تو وعدے پر آپہنچیں اور میں نہ پہنچوں اس سے مسلمانوں کو اور زیادہ جرأت ہو گی تو بہتر یہ ہے کہ "اے نُعَیم تم مدینہ جا کر مسلمانوں میں یہ خبر مشہور کر دو کہ قریش مکہ نے تمہارے مقابلہ کے لیے ایک لشکر عظیم تیار کیا ہے جس کا تم مقابلہ نہیں کر سکو گے لہٰذا تمہارا لڑائی کے لیے نکلنا بہتر نہیں ہے" تاکہ مسلمان اس قسم کی خبروں سے خوف زدہ ہو جائیں اور اُن کی ہمتیں ٹوٹ جائیں اور ڈر کے مارے جنگ کے لیے نہ نکلیں اور ابوسفیان نے نعیم بن مسعود سے یہ کہا کہ اس کام کی اُجرت میں تم کو دس اونٹ دوں گا جسے آج کل کی اصطلاح میں پروپیگنڈا کہتے ہیں جس کی حقیقت سوائے اس کے کچھ نہیں کہ جھوٹ کو سچائی کے پیرایہ میں اس طرح پیش کر دو کہ سننے والے کو اس کے جھوٹ ہونے کا شبہ بھی نہ ہو۔ لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ ۔

یہ پروپیگنڈا یورپ کے ائمۂ تہذیب و تمدن کی عجیب و غریب ایجاد ہے مگر اسلام جیسا پاک اور مقدس مذہب اپنے پیروؤں کو ایک لمحہ کے لیے بھی اس کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ اپنے دشمنوں پر جھوٹ بولیں یا ان پر جھوٹی تہمت لگائیں۔ قرآن کریم پروپیگنڈا کرنے والے کو شیطان بتلاتا ہے جیسا کہ آئندہ آیت میں ہے۔ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۔

نعیم۔ انعام کا لالچ پا کر مدینہ پہنچا دیکھا کہ مسلمان۔ ابوسفیان کے وعدہ پر جانے کی تیاری کر رہے ہیں۔ نعیم نے کہا کہ مکہ کے لوگوں نے تمہارے مقابلہ کے لیے بڑی جمعیت تیاری کی ہے تم کو لڑنا بہتر نہیں۔ نعیم نے کہا کہ دیکھو! اُحد کے سال قریش تمہارے گھر پر چڑھ کر آئے اور تمہیں قتل کیا اور کوئی گھر قتل اور زخم سے خالی نہ رہا اس پر بھی اگر تم اپنے گھر سے نکل کر ان سے لڑنے جاتے ہو تو میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم میں سے ایک شخص بھی ان کے ہاتھ سے بچ کر مدینہ واپس نہ آئے گا۔ یہ سنکر مسلمانوں کے دلوں میں بجائے خوف کے جوشِ ایمانی بڑھ گیا اور کہنے لگے حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ اللہ ہمیں کافی ہے اور بہترین کارساز ہے اور خدا جس کا کارساز ہو تو بڑی سے بڑی جمعیت بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا قسم ہے اس خدا کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے میں ضرور

ان کے مقابلہ کے لیے نکلوں گا خواہ مجھ کو تنہا ہی جانا پڑے پھر آپؐ بدر کی طرف روانہ ہوتے اور ستر صحابہؓ آپؐ کے ہمراہ ہوئے جو حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ کہتے جاتے تھے آپ بدر پر پہنچے اور وہاں آپ نے ابوسفیان کا آٹھ روز تک انتظار فرمایا لیکن ابوسفیان نہ آیا اور لڑائی کچھ نہیں ہوئی ان دنوں بدر کا میلہ لگا ہوا تھا مسلمانوں نے اس میں خرید و فروخت کی اور خوب نفع کمایا اور خوب نفع کما کر خیریت کے ساتھ مدینہ واپس آئے اس واقعہ کو غزوۂ بدر صغریٰ کہتے ہیں اور اُحد سے پہلے جو بدر میں لڑائی ہوئی تھی اس کو غزوۂ بدر کبریٰ کہتے ہیں۔

اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ یہ آیت پہلے قول کے مطابق غزوۂ حمراء الاسد کے بارہ میں نازل ہوئی اور اسی کو ابن جریرؒ اور ابن کثیرؒ نے راجح قرار دیا اور صحیح بخاری کی روایت کا سیاق بھی اسی کو مقتضی ہے کہ ان آیات کا نزول غزوۂ حمراء الاسد کے بارہ میں ہو جو غزوۂ اُحد سے متصلا واقع ہوا۔

اور اس آیت کا سیاق بھی اسی کو مقتضی ہے کیونکہ حق جل شانہٗ نے اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ میں ان حضرات کا یہ وصف بیان کیا ہے کہ یہ لوگ باوجود زخموں کی تکلیف پہنچنے کے رسول کی فرمانبرداری میں جہاد کے لیے نکل کھڑے ہوئے جو ظاہراً اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ واقعہ غزوۂ اُحد کے متصل اور فوراً بعد پیش آیا کہ غزوۂ اُحد کے زخموں کی تکلیف ابھی باقی تھی مگر پھر بھی جہاد کے لیے نکل کھڑے ہوئے سو یہ حالت غزوۂ حمراء الاسد میں پیش آئی جو غزوۂ احد کے متصل واقع ہوا اور غزوۂ بدر صغریٰ تو اُحد کے سال بھر بعد پیش آیا جس وقت مسلمان تندرست ہو چکے تھے اس پر مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ کا صادق آنا محتاج تاویل ہوگا۔

اس لیے امام فخرالدین رازی قدس اللہ سرہٗ نے یہ اختیار فرمایا کہ اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ۔ یہاں تک کی آیت غزوۂ حمراء الاسد کے بارہ میں نازل ہوئی اور آیت اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ۔ الیٰ قولہ تعالیٰ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ یہاں تک کی تمام آیتیں غزوۂ بدر صغریٰ کے بارہ میں نازل ہوئیں۔ غرض یہ کہ حق تعالیٰ نے دونوں آیتوں میں اُن مسلمانوں کی مدح فرمائی جو ان دونوں غزووں میں شریک ہوئے پہلی آیت میں غزوۂ حمراء الاسد کا ذکر ہے اور دوسری آیت یعنی قَالَ لَهُمُ النَّاسُ الیٰ آخرہ میں غزوۂ بدر صغریٰ کا ذکر ہے اور ان دونوں غزووں کے درمیان ایک سال کا فاصلہ ہے اور اس ناچیز کے نزدیک بھی یہی قول ظاہر آیت کے مطابق ہے کہ پہلی آیت یعنی اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ غزوۂ حمراء الاسد کے بارہ میں نازل ہوئی اور دوسری آیت یعنی اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ الخ غزوۂ بدر صغریٰ کے بارہ میں نازل ہوئی۔ اس تفصیل کے سمجھ لینے کے بعد اب آیات کی تفسیر سنیئے۔ حق تعالیٰ شانہٗ ارشاد فرماتے ہیں جن لوگوں نے اُحد میں زخم کھانے کے بعد بھی اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانا حضور پُر نورؐ کے بلانے پر جہاد کے لیے نکل کھڑے

ہوئے اور زخموں کی تکلیف کی پروا نہ کی تو بلاشبہ ان لوگوں کے لیے جو ان میں سے نیکوکار اور پرہیزگار ہیں اجر عظیم ہے اس آیت میں یہ اشکال ہے کہ جن لوگوں نے اُحد میں زخم کھانے کے بعد غزوۂ حمرآالاسد میں جانے کے لیے اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانا تھا وہ سب ہی نیکوکار اور متقی اور پرہیزگار تھے پھر خدا تعالیٰ کے اس فرمانے کے کیا معنی کہ جو ان میں سے نیکوکار اور متقی ہیں اُن کے لیے اجر عظیم ہے۔

جواب صاحب کشاف فرماتے ہیں کہ اس جگہ مِنْ تبیین کے لیے ہے تبعیض کے لیے نہیں اور نیکوکاری اور تقویٰ کی صفت مدح اور تعلیل کے لیے ہے نہ کہ تقیید کے لیے مقصود اُن کی مدح سرائی اور تنویہ شان ہے ورنہ وہ سب ایسے ہی تھے اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ جن لوگوں نے اُحد میں زخم کھانے کے بعد اللہ اور رسول کا حکم مانا چونکہ یہ سب لوگ نیکوکار اور پرہیزگار ہیں اس لیے اُن کے لیے اجر عظیم ہے یعنی یہ لوگ اجر عظیم کے اس لیے مستحق ہوئے کہ یہ لوگ صفت احسان اور تقویٰ کے ساتھ موصوف ہیں۔

یا یوں کہو کہ منہم کی ضمیر عام مؤمنین کی طرف راجع ہے جیساکہ گزشتہ آیت وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ میں عام مومنین کا ذکر ہے جن میں ضعیف الایمان بھی داخل ہیں۔ پس غزوۂ حمراء الاسد میں جو چند مسلمان باوجود تازہ زخم کھائے ہوئے ہونے کے آپؐ کے ہمراہ کافروں کے تعاقب میں نکل کھڑے ہوئے وہ عام مومنین میں کے بعض مخصوص افراد تھے اور اعلیٰ درجہ کے نیکوکار اور پرہیزگار تھے۔ اس تفسیر پر مِن تبعیضیہ بھی بے تکلف ہو سکتا ہے۔

اور یہی محسنین اور متقین ایسے مخلص ہیں کہ جب ان سے قبیلۂ عبدالقیس کے لوگوں نے آکر یہ کہا کہ تحقیق مکہ کے لوگوں نے تمہارے مقابلہ کے لیے لڑائی کا بڑا سامان جمع کیا ہے پس تم اُن سے ڈرتے رہنا اور اندیشہ اور خطرہ کو پیش نظر رکھنا بے دھڑک ان کے مقابلہ کے لیے نہ نکل کھڑے ہونا پس یہ بات ان کے ایمان میں اور زیادتی کا سبب بن گئی یعنی مشرکین کے خوف دلانے سے مسلمان سُست نہ پڑے اور نہ ان کی بات کی طرف التفات کیا بلکہ جوش ایمانی میں اور اضافہ ہو گیا اور سمجھے کہ خدا کی راہ میں جس قدر بھی جانبازی اور سرفروشی دکھلائیں گے اسی قدر مدارج قرب سے بہرہ ور ہوں گے اور جوش میں آکر یہ بولے کہ بس کافی ہے ہم کو اللہ اور بہترین کارساز ہے جو اپنے آپ کو خدا کے حوالے اور سپرد کر دے دشمن اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

گزشتہ آیات غزوۂ حمراء الاسد سے متعلق تھیں جو غزوۂ اُحد کے متصل واقع ہوا تھا اور یہ آیتیں غزوۂ بدر صغریٰ کے متعلق ہیں جو کہ غزوۂ اُحد کے ایک سال بعد واقع ہوا پس یہ لوگ اللہ کی خاص نعمت اور اس کے خاص فضل کو لے کر اپنے گھر واپس ہوئے اور اس سفر میں اُن کو کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچی۔ نعمت سے سلامتی اور عافیت مراد ہے اور فضل سے وہ نفع مراد ہے جو خدا کے ان برگزیدہ بندوں نے بدر میں آٹھ روز تک بذریعہ تجارت حاصل کیا اور لَمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ سے یہ مراد ہے کہ اس سفر میں نہ کوئی آدمی قتل ہوا

اور نہ کسی کو زخم آیا اور ان سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ ان لوگوں نے اللہ کی رضامندی اور خوشنودی کی پیروی کی یعنی سب سے بڑی چیز جو ان کو اس سفر میں ملی وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ ان سے راضی ہوا جو فلاح دارین کی کنجی ہے اور اللہ بڑا فضل والا ہے۔ اس کا فضل وانعام وہم وگمان سے بڑھ کر ہوتا ہے جزایں نیست کہ یہ خبر دینے والا کہ اہل مکہ نے تمہارے مقابلہ کے لیے بڑا سامان جمع کیا ہے شیطان ہے تم کو اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے پس اے مسلمانو تم ان سے نہ ڈرنا یہ تمہارا کچھ نہیں کر سکتے اور صرف مجھ سے ڈرو اگر تم ایمان رکھتے ہو اور ضرور رکھتے ہو جیسا کہ تمہاری جاں نثاری اس کی شاہد ہے تو پھر تم کیوں فکرمند ہوتے ہو۔

ہر کہ ترسید از حق و تقوےٰ گزید
ترسد از وے جن وانس و ہر کہ دید

خلاصۂ کلام یہ کہ حق تعالیٰ نے ان آیات میں اُن مؤمنین مخلصین کی مدح فرمائی کہ جو غزوۂ حمراء الاسد اور غزوۂ بدر صغریٰ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک اشارہ پر نکل کھڑے ہوئے پہلی آیت یعنی اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰہِ الخ غزوۂ حمراء الاسد کے بارہ میں نازل ہوئی جو غزوۂ احد سے متصلاً بعد واقع ہوا اور دوسری آیت یعنی اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ الخ یہ آیت غزوۂ بدر صغریٰ اور نعیم بن مسعود اشجعی کے قصہ کے بارہ میں نازل ہوئی۔

لطائف و معارف

آیت مذکورہ بالا فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان میں زیادتی اور کمی ہو سکتی ہے۔ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایمان کے کم وزیادہ ہونے میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام اعظم کوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ الایمان لایزید ولاینقص ایمان نہ زیادہ ہوتا ہے اور نہ کم اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یزید وینقص یعنی ایمان زیادہ اور کم ہوتا ہے اس میں شک نہیں کہ ایمان جس کے معنی تصدیق قلبی اور یقین دلی کے ہیں اس میں زیادت اور نقصان کی گنجائش نہیں اس لیے کہ جس چیز میں زیادتی اور کمی کا احتمال ہو وہ دائرۂ ظن میں داخل ہے نہ دائرۂ یقین میں ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ اعمال صالحہ کا بجالانا اُس یقین کو منور اور روشن کر دیتا ہے اور بُرے اعمال کا ارتکاب اُس یقین کو مکدر اور تاریک اور سیاہ کر دیتا ہے پس اعمال کی کمی اور زیادتی سے ایمان کی نورانیت اور روشنی میں کمی اور زیادتی ہوتی ہے نہ کہ نفس ایمان اور نفس یقین میں لہٰذا بعض لوگوں نے یقین کی نورانیت اور انجلاء کی کمی اور زیادتی پر نظر کر کے نفس یقین کو زائد اور ناقص کہہ دیا اور جن حضرات کی نظر دقیق اور عمیق تھی انہوں نے جب یہ دیکھا کہ یہ زیادتی اور کمی صفات یقین کی طرف راجع ہے نہ کہ نفس یقین کی طرف اس بنا پر انہوں نے یقین کو غیر زائد اور غیر ناقص کہہ دیا جیسے حضرات

انبیاء کرام نفس نبوت میں سب برابر ہیں جیسا کہ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ اس کی طرف مشیر ہے مگر مراتب اور درجات عالیہ میں متفاوت ہیں کما قال تعالیٰ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ اور جیسے تمام انسان کہ نفس انسانیت میں تو سب برابر اور حقیقت و ذات میں متحد ہیں مگر کمالات انسانیت میں متفاضل ہیں اور بعض بعض سے افضل ہیں۔ پس جس طرح یہ تفاضل اور تفاوت صفات اور کمالات کے اعتبار سے ہے نفس ذات کے اعتبار سے نہیں۔ نفس حقیقت اور نفس ذات کے اعتبار سے نفس نبوت اور نفس انسانیت میں کوئی کمی اور زیادتی نہیں۔

اسی طرح حقیقت ایمان کو سمجھو کہ تمام مؤمنین میں نفس ایمان برابر مشترک ہے اور اسی قدر مشترک کی وجہ سے تمام مؤمنین اخوت ایمانیہ کی سلک میں منسلک ہیں کما قال تعالیٰ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ۔ اور اس قدر مشترک میں کوئی کمی اور زیادتی نہیں البتہ اعمال صالحہ کی کمی اور زیادتی کی وجہ سے ایمان کی صفت نورانیت اور انجلاء وصفاء اور روشنی میں کمی اور زیادتی ہوتی ہے۔

جس طرح دو آئینے جو باہم برابر ہوں لیکن انجلاء اور نورانیت میں تفاوت رکھتے ہوں تو ایک شخص اس آئینہ کو جو دوسرے آئینہ سے زیادہ روشن ہے دیکھ کر یہ کہے کہ یہ آئینہ دوسرے آئینہ سے زائد ہے اور دوسرا شخص یہ کہے کہ دونوں آئینہ برابر ہیں اور ان میں کسی قسم کی زیادتی اور نقصان نہیں فرق صرف نورانیت اور انجلاء کا ہے جو آئینہ کی صفات ہیں پس دوسرے شخص کی نظر صائب اور ثاقب ہے اور حقیقت تک نافذ ہے اور شخص اول کی نظر کوتاہ ہے صفت سے بڑھ کر ذات تک نہیں پہنچی اور صفت اور ذات میں فرق نہیں کرتی۔ يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ

اس تحقیق سے مخالفین کا وہ اعتراض جو ایمان کے کم وبیش نہ ہونے پر کیا کرتے ہیں انشاء اللہ زائل ہو جائے گا اور عام مؤمنوں کا ایمان تمام وجوہ میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے ایمان کی طرح نہ ہوگا کیونکہ حضرات انبیاء کرام کا ایمان آفتاب اور ماہتاب کی طرح روشن ہوگا اور کامل طور پر منجلی اور نورانی ہوگا اور عام مؤمنوں کا ایمان کامل طور پر نورانی نہ ہوگا بلکہ اپنے اندر بہت سی ظلمتیں اور کدورتیں لیے ہوئے ہوگا۔ عوام مومنین کا ایمان۔ حضرات انبیاء کے ایمان کے گرد کو بھی نہیں پہنچتا۔ گویا کہ عامۂ مومنین نفس انسانیت میں انبیاء کرام کے ساتھ شریک ہیں۔ مگر کمالات اور درجات عالیہ میں کوئی نسبت نہیں۔ "چہ نسبت خاک را با عالم پاک" اسی طرح ایمان کی شرکت کو سمجھو۔ حضرات انبیاءؑ کا ایمان کمال اطاعت خداوندی کے اقتران کی وجہ سے ذروۂ علیا کو پہنچا ہوا ہے اور مؤمنین کا ایمان ایک ذرۂ بے مقدار ہے۔ اور اسی طرح حضرت ابوبکرؓ کا ایمان جو وزن میں امت کے ایمان سے زیادہ ہے۔ اس کو بھی انجلاء اور نورانیت کے اعتبار سے سمجھنا چاہئے نفس انسانیت میں زیادتی اور نقصان کا کوئی دخل نہیں اور نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ انسانیت زیادتی اور نقصان کے قابل ہے تمام افراد انسانی۔ حقیقت اور ذات کے اعتبار سے متحد اور برابر ہیں اور باقی تفاضل یعنی ایک کا دوسرے سے افضل ہونا وہ صفات

کاملہ اور کمالات فاضلہ کے اعتبار سے ہے واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم دیکھو مکتوب ۲۶۶ از دفتر اول مکتوبات امام ربانی۔ ومکتوب ۶۷ از دفتر دوم اور دیکھو حجۃ اللہ البالغہ۔

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ

اور تجھ کو غم نہ آوے ان لوگوں سے جو دوڑ کر گرتے ہیں کفر کرنے۔ وہ نہ

لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۭ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ

بگاڑیں گے اللہ کا کچھ۔ اللہ چاہتا ہے کہ ان کو فائدہ نہ

حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾ اِنَّ

دے آخرت میں۔ اور ان کو بڑی مار ہے۔ جنہوں

الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا

نے خرید کیا کفر ایمان کے بدلے، وہ نہ بگاڑیں گے

اللّٰهَ شَيْـًٔا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۷﴾

اللہ کا کچھ، اور ان کو دکھ کی مار ہے۔

دشمنان اسلام کی سرگرمیوں کی بابت

نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کو تسلّی

قال تعالیٰ وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ..... الیٰ ..... وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

(ربط) گزشتہ آیات میں۔ اسلام کے مقابلہ میں کافروں کی سازشس کا ذکر تھا اب ان آیات میں نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کو تسلی دیتے ہیں کہ آپ کافروں کی حرکات سے غمگین اور رنجیدہ نہ ہوں یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کا اور اس کے دین کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اپنا ہی نقصان کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم نہ غم ہیں ڈالیں آپ کو یہ لوگ جو کفر کی حمایت اور اعانت میں دوڑتے پھرتے ہیں اور آپ سے لڑنے کے لیے لشکر فراہم کرتے پھرتے ہیں۔ اسلام کے مٹانے کے درپے

ہیں آپؐ ان کی پرواہ نہ کیجئے اور نہ اُن کی کارروائیوں سے غمگین ہوجیے تحقیق یہ لوگ اللہ کے دین کو کوئی نقصان اور گزند نہیں پہنچا سکیں گے بلکہ اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ ان دشمنانِ اسلام کو نقصان پہنچے بایں طور کہ انہیں آخرت میں فائدہ اور نفع سے کوئی حصہ نہ دے پس جن کے لیے قضا و قدر میں محرومی اور ناکامی مقدر ہوچکی ہے اُن سے اندیشہ کی ضرورت نہیں اور صرف یہی نہ ہوگا کہ آخرت میں منافع سے بالکلیہ محروم ہوں گے بلکہ حرمان کے ساتھ ان لوگوں کے لیے سخت عذاب بھی ہوگا تحقیق جن لوگوں نے ایمان کے بدلے کفر کو مول لے لیا یعنی جنہوں نے ایمان کو چھوڑ کر کفر کو اختیار کیا۔ اور اپنے نفع اور نقصان کو بھی نہ سمجھا ایسے نادان۔ اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور ایسے لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے یہ لوگ کفر کرکے اپنے ہی پیروں پر کلہاڑی مار رہے ہیں یہ لوگ خدا کا کیا بگاڑ سکتے ہیں لہذا آپؐ ان کی حرکات سے غمگین اور فکرمند نہ ہوں۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوٓا أَنَّمَا نُمْلِي

اور یہ نہ سمجھیں منکر کہ ہم جو فرصت دیتے ہیں ان کو

لَهُمْ خَيْرٌ لِّأَنفُسِهِمْ ۚ إِنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ

کچھ بھلا ہے ان کے حق میں ۔ ہم تو فرصت دیتے ہیں اُنکو

لِيَزْدَادُوٓا إِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿١٧٨﴾

تا بڑھے جاویں گناہ میں ، اور ان کو ذلت کی مار ہے ۔

مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَآ أَنتُمْ

اللہ وہ نہیں کہ چھوڑ دے گا مسلمانوں کو ، جس طرح پر تم ہو

عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۗ وَمَا كَانَ

جب تک جُدا نہ کرے ناپاک کو پاک سے ۔ اور اللہ یوں

اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي مِن

نہیں ، کہ تم کو خبر دے غیب کی اور اللہ چھانٹ لیتا ہے اپنے

رُسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ

رسولوں میں، جس کو چاہے۔ سو تم یقین لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر، اور اگر

تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۹﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ

تم یقین پر رہو اور پرہیزگاری پر تم کو بڑا ثواب ہے ❊ اور نہ سمجھیں جو

الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ

لوگ بخل کرتے ہیں ایک چیز پر کہ اللہ نے اُن کو دی ہے اپنے فضل سے،

خَيْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا

یہ بہتر ہے ان کے حق میں، بلکہ یہ بُرا ہے اُن کے واسطے، آگے طوق پڑے گا

بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ

ان کے جس پر بخل کیا تھا، دن قیامت کے۔ اور اللہ وارث ہے آسمان

۱۸ ع ۹ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۸۰﴾ ع

اور زمین کا، اور اللہ جو کرتے ہو، سو جانتا ہے ❊

دُشمنانِ اسلام کے چند مزعومات اور خیالات اور اُن کے جوابات

قال تعالیٰ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا .... الیٰ .... وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝

(ربط) گزشتہ آیات میں کافروں کے لیے عذاب عظیم اور عذاب الیم کا ذکر فرمایا اب ان آیات میں کافروں کے چند شبہات اور اوہام کا جواب ارشاد فرماتے ہیں۔ کافروں کو اپنی عیش و عشرت پر ناز تھا اور ان کا گمان یہ تھا کہ ہماری یہ خوشحالی اس امر کی دلیل ہے کہ ہم اللہ کے مقبول بندے ہیں اللہ تعالیٰ اُن کے جواب میں فرماتے ہیں اور کافر لوگ یہ گمان نہ کریں کہ ہمارا ان کو ڈھیل دینا اور کفر پر فی الحال نہ پکڑنا کچھ ان کے لیے بھلا ہے خوب سمجھ لیں کہ جز ایں نیست ہم ان کو اس لیے مہلت دے رہے ہیں کہ گناہوں میں خوب ترقی اور زیادتی کرتے چلے جائیں اور خوب جی بھر کر دل کے ارمان نکال لیں اور ناؤ پوری بھر کر ایک ہی دفعہ ڈوب جائے اور ان کے لیے ذلیل اور خوار

کرنے والا عذاب تیار ہے۔ جس کے بعد دنیا کی ساری عزتیں خاک میں مل جائیں گی۔ جیسے کوئی شخص حکومت سے باغی ہو جائے اور باوجود بار بار نصیحت اور تفہیم کے وہ مقابلہ سے باز نہ آئے تو حکومت اس کو مہلت اور ڈھیل دیتی ہے تاکہ دل کھول کر بادشاہ کا مقابلہ کرے اور جو کہہ سکتا اور کر سکتا ہے وہ کر گزرے تاکہ یکبارگی اس کو پکڑا جائے اور کوئی صورت اس کی براءت اور رہائی کی نہ رہے اور جب اس کے جرم اور سرکشی کا پیمانہ لبریز ہو جائے تو اس کو تختۂ دار پر لٹکا دیا جائے اور یہ نادان اس مہلت اور ڈھیل کا یہ مطلب سمجھتا ہے کہ حکومت میری اس بغاوت سے راضی ہے اسی طرح بارگاہ خداوندی سے فرعون اور ہامان جیسے کافروں اور مجرموں کو مہلت ملنا اس لیے ہے کہ فرد جرم پوری طرح ان پر عائد ہو جائے اور ایسی سخت پکڑ ہو کہ کوئی مفر باقی نہ رہے۔

ایک اور خیال باطل کا ابطال

جس طرح اہل کفر پر عذاب نہ آنے سے یہ شبہ ہوتا تھا کہ یہ لوگ اگر خدا تعالیٰ کے نزدیک مردود ہوتے تو ضرور ان پر کوئی عذاب آتا اور اوپر کی آیت میں اس کا جواب دیا گیا کہ کافروں پر عذاب نہ آنا، مقبولیت کی دلیل نہیں من جانب اللہ یہ امہال اور استدراج ہے جیسا کہ بسا اوقات شدید مجرموں کو ڈھیل دی جاتی ہے۔

اسی طرح بعض مرتبہ مؤمنین مخلصین پر مصائب و شدائد کے آنے سے جیسا کہ اُحد میں پیش آیا تو یہ وسوسہ ہو سکتا تھا کہ یہ لوگ اگر خدا تعالیٰ کے مقبول اور محبوب بندے ہوتے تو ان پر یہ مصائب اور حوادث نہ آتے تو آئندہ آیت میں اہل ایمان پر مصائب اور شدائد کے آنے کی حکمتیں اور مصلحتیں بیان فرماتے ہیں تاکہ یہ وسوسہ دور ہو جائے۔ فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتے کہ مؤمنوں کو اسی حالت پر چھوڑے رکھے کہ جس حالت پر تم اب ہو کہ ظاہر میں مخلصین اور منافقین میں کوئی امتیاز نہیں سب ملے جلے ہیں یہاں تک کہ ناپاک (منافق) کو پاک (مومن مخلص) سے جدا اور ممتاز کر دے اور اس امتیاز کا طریقہ یہ ہے کہ وہ ایسے شدائد و مصائب نازل کرتا ہے کہ جن سے کھرے اور کھوٹے اور پاک اور ناپاک کا کھلے طور پر فرق ظاہر ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ بات حکمت کے خلاف ہے کہ مؤمن اور منافق ملے جلے رہیں اور کسی کو یہ معلوم نہ ہو کہ کون مؤمن مخلص ہے اور کون منافق پس جس طرح حق تعالیٰ نے غزوۂ اُحد اور غزوۂ حمراء الاسد اور غزوۂ بدر صغریٰ میں مخلصین اور منافقین کا امتحان کر کے ایک کو دوسرے سے ممتاز کر دیا اسی طرح وہ آئندہ بھی کرے گا۔

اور رہا یہ سوال کہ حق تعالیٰ اُن کو نام بنام کیوں نہیں ظاہر کر دیتے اور لوگوں کو یہ کیوں نہیں بتلا دیتے کہ فلاں منافق ہے اور فلاں مؤمن ہے اس طریقہ سے مخلص اور منافق کا امتیاز بالکل سہل ہو جائے گا

تو اس کا جواب یہ ہے کہ خدا ایسا نہیں کہ تم کو غیب کی خبریں دیدے اور تم کو یہ بتلا کر کہ فلاں فلاں شخص منافق ہیں اور فلاں فلاں مؤمن ہیں غیب پر مطلع کردے یہ امر خلاف سنت الہیہ ہے کہ عوام الناس کو غیب کی باتوں پر مطلع کرے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کو منتخب کرتا ہے اور بذریعہ وحی انکو بعض امور غیبیہ سے مطلع کرتا ہے اور تم پیغمبر نہیں کہ بذریعہ وحی تم کو امور غیبیہ کی اطلاع دیجائے بذریعہ وحی امور غیبیہ پر مطلع کرنا یہ صرف انبیاء کے ساتھ مخصوص ہے عوام الناس کو بذریعہ وحی امور غیب پر مطلع نہیں کیا جا سکتا۔ عوام الناس کی اطلاع کا ذریعہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ ایسے واقعات نازل فرماتا ہے جس سے مخلص اور منافق کا امتیاز ظاہر ہو جاتا ہے بصراحت یہ ظاہر کردینا کہ فلاں شخص مؤمن ہے اور فلاں شخص منافق ہے سوائے انبیاء کرام علیہم السّلام کے کسی اور کو یہ علم اور اطلاع نہیں دی جاتی پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے پیغمبروں پر اخلاص کے ساتھ اور بے چون وچرا ان کی باتوں کو مانو تاکہ رسوا نہ ہو اور اگر تم اخلاص کے ساتھ ایمان لے آؤ اور پیغمبر خدا پر نکتہ چینی اور اس کی نافرمانی سے بالکلیہ پرہیز کرو تو تم کو بجائے عذاب عظیم اور عذاب الیم کے اجر عظیم ملے یہ کر لیا تو سب کچھ کما لیا ورنہ کچھ بھی نہیں۔

ف اس آیت کی نظیر سورۂ جن کی یہ آیت ہے فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ۔ اور مطلب یہ ہے کہ ہر کس و ناکس اس کا اہل نہیں کہ اس کو بذریعہ وحی کسی امر غیبی پر مطلع کیا جائے صرف خدا کے برگزیدہ اور پسندیدہ بندہ یعنی رسول کو بذریعہ وحی کسی امر غیبی پر مطلع کیا جا سکتا ہے کما قال تعالیٰ تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا فَاصْبِرْ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ۔ باقی ایسا علم غیب جو کلی ہو اور تمام کائنات اور ممکنات کو محیط ہو سو وہ خدا تعالیٰ کے سوا اور کسی کے لیے ممکن بھی نہیں جیسے قدرت کاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے ایسا ہی علم محیط بھی اللہ ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو واقعۂ افک میں وحی کا انتظار کرنا پڑا جب آیات برأت نازل ہوئیں تب آپ کو حقیقت حال کا علم ہوا۔ حضرت یعقوب علیہ السّلام کو حضرت یوسف کے چاہ کنعان میں ہونے کی خبر نہ ہوئی اور مصر سے پیراہن یوسفی کی خوشبو سونگھ لی بہت سے واقعات ایسے پیش آئے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا علم نہیں تھا۔ نزول وحی سے ان کا علم ہوا۔

مذمّتِ بُخل

سلسلۂ کلام چونکہ جہاد کے بارہ میں تھا جس سے منافقین جان چراتے تھے اسی طرح جہاد میں مالی امداد سے بھی جان چراتے تھے اور خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے بخل کرتے تھے اس لیے آئندہ آیت میں بخل کی مذمت بیان فرماتے ہیں اور ہرگز گمان نہ کریں وہ لوگ جو اس چیز میں بخل کرتے ہیں کہ جو اللہ نے ان

کو اپنے فضل سے عطا کی ہے کہ یہ بخل ان کے لیے بہتر ہو گا بلکہ یہ ان کے لیے بہت ہی بُرا ہے کہ خدا کی عطا کی ہوئی چیز میں سے کچھ تھوڑی سی چیز بھی خدا کے نام پر دینا ان کو گراں گزرتا ہے قیامت کے دن اُن کے گلے میں اس مال کا طوق ڈالا جائے گا۔ جس پر انہوں نے بخل کیا تھا جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جو شخص زکوٰۃ نہ دے گا اس کا مال اژدہا بن کر گلے میں پڑے گا اور اس کے کلّے چیرے گا۔ اور اللہ ہی کے لیے ہے میراث آسمانوں کی اور زمین کی یعنی تم سب فانی ہو بقاء صرف اسی کے لیے ہے تم سب مر جاؤ گے اور مال اور ملکیّت سب یہیں چھوڑ جاؤ گے چاہے تم اس کی زکوٰۃ دو یا نہ دو سب مال اسی کا ہو کر رہے گا۔ بہتر ہے کہ تم اپنے ہاتھ سے کچھ دے جاؤ تاکہ تمہیں ثواب مل جائے اپنی ملکیت کے غرہ میں نہ رہو۔ تم بھی فانی اور تمہاری ملکیّت بھی فانی اور اللہ تعالےٰ تمہارے اعمال سے خبردار ہے وہ تمہارے بُخل سے بھی باخبر ہے، اس کی سزا سے تم بچ نہیں سکتے یہ مال جس کی زکوٰۃ دینے میں تم بخیل بن گئے ہو قیامت کے دن یہی مال و دولت ایک ایسے کالے اور زہریلے سانپ کی صورت میں ظاہر ہو گا کہ زہر کی شدت اور حدت کی وجہ سے اس کے سر پر بال نہ ہوں گے وہ تمہارے دونوں کلّے پکڑ کر کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں اور میں تیرا خزانہ ہوں یعنی وہی مال ہوں جس پر تو فخر اور ناز کرتا تھا اور پھر اس کو ڈسے گا۔ ؎

گنج را از دل بروں کن مالِ خود بفگن زچشم
مالِ تو مارست درمعنی وگنجت اژدہا

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّ

اور اللہ نے سُنی اُن کی بات جنھوں نے کہا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم

نَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ

مال دار - اب لکھ رکھیں گے ہم اُن کی بات، اور جو خون کیے ہیں نبیوں کے

بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۱۸۱﴾

ناحق ، اور کہیں گے چکھو جلن کی مار :-

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ

یہ بدلہ اس کا ہے جو تم نے اپنے ہاتھوں بھیجا ، اور اللہ ظلم نہیں

بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۸۲﴾ ۚ اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ

کرتا بندوں پر :- وہ جو کہتے ہیں کہ اللہ نے ہم کو

اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ

کہہ رکھا ہے کہ ہم یقین نہ کریں کسی رسول کو جب تک نہ لادے ہم پاس ایک

تَاْكُلُهُ النَّارُ ؕ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِىْ

نیاز جس کو کھا جاوے آگ۔ تو کہہ تم میں آچکے کتنے رسول مجھ سے پہلے

بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِىْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ

نشانیاں لے کر اور یہ بھی جو تم نے کہا، پھر ان کو کیوں مارا تم نے اگر

كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۳﴾ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ

تم سچے ہو ۔ پھر اگر یہ تجھ کو جھٹلاویں، تو آگے تجھ سے جھٹلائے

رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ

گئے بہت رسول، جو لائے نشانیاں اور ورق اور کتاب

الْمُنِيْرِ ﴿۱۸۴﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ

چمکتی ۔ ہر جی کو چکھنی ہے موت، اور تم کو پورے

اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ

بدلے ملیں گے دن قیامت کے، پھر جس کو سرکا دیا آگ سے، اور

اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا

داخل کیا جنت میں، اس کا کام بنا۔ اور دنیا کی زندگی تو یہی ہے دغا

مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾ لَتُبْلَوُنَّ فِىْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۟ وقف

کی جنس ۔ البتہ تم آزمائے جاؤ گے مال سے اور جان سے

وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ

اور البتہ سنو گے اگلی کتاب والوں سے اور مشرکوں

وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا

سے ، بدگوئی بہت اور اگر تم ٹھہرے رہو

وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾ وَاِذْ اَخَذَ

اور پرہیزگاری کرو، تو یہ ہمّت کے کام ہیں ؞ اور جب اللہ

اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ

نے اقرار لیا کتاب والوں سے ، کہ اس کو بیان کروگے لوگوں

وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ۡ فَنَبَذُوْهُ وَرَاۗءَ ظُهُوْرِھِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ

پاس، اور نہ چھپاؤ گے ، پھر پھینک دیا وہ اقرار اپنی پیٹھ کے پیچھے اور خرید کیا اس

ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

کے بدلے مول تھوڑا۔ سو کیا بُری خرید کرتے ہیں ؞

بیان شنائع یہود و تعلیم صبر بمسلماناں

قال اللہ تعالےٰ لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا .... الیٰ .... فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ۔

(ربط) ابتداء سورت کا بڑا حصّہ اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) سے متعلق تھا درمیان میں خاص خاص مناسبات کے بنا پر غزوۂ اُحد کی تفصیلات کا بیان ہوا اب اخیر سورۃ میں پھر اہل کتاب کی کچھ شنائع اور قبائح کو بیان فرماتے ہیں چونکہ اہل کتاب میں یہود کا معاملہ سخت تھا اور یہ گروہ مسلمانوں کا شدید ترین دشمن تھا اور منافقین بھی اکثر انہی میں کے تھے اس لیے یہود کی گستاخیوں کو خاص طور پر ذکر کرتے ہیں۔

شانِ نزول ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی۔ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ۔ تو یہود یہ کہنے لگے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کا پروردگار فقیر ہوگیا ہے جو اپنے بندوں سے قرض مانگتا ہے تو اس کے جواب میں یہ آیت یعنی لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا الخ نازل ہوئی۔ محمد بن اسحاق کی روایت میں ہے کہ ایک روز ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یہود کے مدرسہ میں گئے وہاں فنحاص بن عازوراء جو یہودیوں کا بہت بڑا عالم تھا درس دے رہا تھا اور اس کے پاس یہودیوں کا ہجوم تھا۔ حضرت

ابوبکرؓ نے فنحاص سے کہا۔ اے فنحاص اللہ سے ڈر اور اسلام قبول کر۔ خدا کی قسم تجھ کو اس امر کا علم یقینی اور قطعی ہے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اللہ کی طرف سے حق کو لے کر آئے ہیں اور تم اُن کے اوصاف کو توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہو پس تجھ کو چاہیئے کہ حضور پُر نورؐ پر ایمان لائے اور خدا کو قرض حسن دے (یعنی اس کی راہ میں صدقہ اور خیرات کرے) اللہ تعالےٰ تمہیں جنت میں داخل کرے گا اور دوچند ثواب دے گا فنحاص بولا اے ابوبکر تمہارا یہ گمان ہے کہ ہمارا پروردگار ہم سے قرض مانگتا ہے حالانکہ قرض تو فقیر غنی سے لیا کرتا ہے اگر خدا فقیر نہ ہوتا تو قرض نہ مانگتا ——————— پس اگر تیرا یہ قول صحیح ہے تو بلا شبہ اللہ فقیر ہے اور ہم مال دار ہیں.

اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو غصہ آگیا اور زور سے ایک طمانچہ اس کے منہ پر رسید کیا اور کہا کہ دشمنِ خدا اگر ہمارے اور تیرے درمیان عہد نہ ہوتا تو بخدا میں تیری گردن مار دیتا فنحاص نے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس جاکر ابوبکر کی شکایت کی اور کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپؐ کے رفیق نے میرے ساتھ یہ بُری حرکت کی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر سے کہا کہ تم نے یہ حرکت کیوں کی ابوبکر نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اس دشمن خدا نے بڑی سخت بات کہی اس نے کہا اللہ فقیر ہے اور ہم مال دار ہیں۔ اس پر مجھے غصہ آگیا اور میں نے اس کے منہ پر ایک طمانچہ مارا فنحاص نے کہا میں نے یہ قول نہیں کہا تھا اپنے کہے سے مُکر گیا۔ اس پر خدا تعالےٰ نے ابوبکر صدیق کی تصدیق کے لیے اور فنحاص کذّیب کی تکذیب اور تردید کے لیے یہ آیت نازل فرمائی کہ واقعی اس کذّاب نے یہ ہرزہ سرائی کی تھی چنانچہ فرماتے ہیں البتہ تحقیق سُن لیا اللہ تعالےٰ نے قول ان گستاخوں کا جنہوں نے یہ کہا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم مالدار اور دولت مند ہیں گزشتہ آیت میں حق تعالےٰ نے یہود کے بخل کو بیان فرمایا تھا کہ یہ ایسے بخیل ہیں کہ خدا کی راہ میں ایک پیسہ بھی خرچ کرنا نہیں چاہتے اس آیت میں یہ بیان فرمایا کہ اس درجہ بخیل ہیں کہ جب خدا کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم سنتے ہیں تو مذاق اڑاتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ خدا فقیر ہے اور ہم مالدار ہیں.

جب ہی تو ہم سے قرض مانگتا ہے مگر یہ کوڑ مغز اور بے وقوف یہ نہیں سمجھتے کہ تمام دنیا کے اغنیاء اور دولت مندوں کی غناء اور دولت اُس غنی مطلق کی غناء اور عطاء کا ایک پرتو ہے مالک مطلق وہی ہے دولتمندوں کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ چند روزہ عاریت اور امانت ہے مالک حقیقی اپنی انتہائی رحمت وشفقت سے اپنے بندوں سے یہ فرماتا ہے کہ تم ہمارے دیئے ہوئے مال میں سے کچھ مال ہماری راہ میں قرض دے دو ہم تم کو اس کا دس گُنا معاوضہ دیں گے کیا کوئی نادان یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ حقیقتاً قرض مانگنا ہے.

قرض کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ جو مال تم سے لیا جارہا ہے تم کو اس کا معاوضہ دیا جائے گا بلا معاوضہ تم سے کچھ نہیں لیا جارہا ہے احتیاج اور ضرورت۔ قرض کے مفہوم میں داخل نہیں ان نادان فقیروں نے قرض کے لفظ سے یہ سمجھ لیا کہ معاذ اللہ خدا تعالےٰ محتاج ہے اور یہ نہ سمجھا کہ یہ سب مال اسی کا مملوک ہے کمال ترحم سے لفظ قرض کا اس لیے استعمال فرمایا ہے کہ تمہارے نفسوں کو اطمینان ہو جائے کہ

اس کا اضعافاً مضاعفہ معاوضہ ملے گا۔ تم سے مفت نہیں لیا جارہا ہے پھر یہ کہ خدا تعالیٰ جب کبھی بندوں کو خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے اس میں بندوں ہی کے دنیوی اور اخروی فوائد اور منافع مضمر ہوتے ہیں۔ خرچ کرو یا نہ کرو خدا کا کوئی نفع نہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ تم اور تمہاری ہر چیز اسی کی مملوک ہے اور تمہارے پاس چند روزہ عاریت ہے حقیقی معنی کے اعتبار سے بارگاہِ خداوندی میں قرض ناممکن ہے تم اپنے مال و دولت کے تو کیا مالک ہوتے تم تو اپنے وجود کے بھی مالک نہیں۔ تم تو اپنی صحت اور تندرستی اور حرکت و سکون کے بھی مالک نہیں۔

اس مالک حقیقی نے جب تم کو اپنی عطا کردہ دولت میں سے تمہارے ہی فائدے کے لیے کچھ خرچ کرنے کا حکم دیا تو کمال ترحم سے اس کو قرض سے تعبیر فرمایا تاکہ اس بات کی رجسٹری ہو جائے کہ بارگاہ خداوندی سے اس کا اضعافاً مضاعفہ معاوضہ ملے گا جیسے قرض کی ادائیگی عقلاً ضروری ہوتی ہے اسی طرح اُس غنی مطلق نے جو چیز قرض کے نام سے لی ہے ضرور بالضرور اس کا معاوضہ ملے گا تاکہ بخیل طبیعتیں گھبرائیں نہیں ان بد باطن بخیلوں نے جب اللہ کا حکم سُنا تو بجائے احسان ماننے کے ہنسی اور مذاق اڑانے لگے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری یہ گستاخانہ باتیں سن لی ہیں اس پر جو کارروائی ہوگی اس کے منتظر رہو ہم ابھی اس بات کو لکھ رکھیں گے جو انہوں نے کہی ہے۔ یعنی ان کے جرائم کے رجسٹر میں اس ناپاک اور ملعون قول کو بھی درج کرائے دیتے ہیں اور جیسا کہ ان کے اور ان کی قوم کے دوسرے ملعون اور ناپاک اقوال و افعال کو درج رجسٹر کرتے ہیں اسی طرح انہوں نے جو نبیوں کے ناحق خون کیے ہیں اُن کو بھی لکھ لیں گے اور قیامت کے دن اُن سے کہیں گے کہ جلتی آگ کے عذاب کا مزہ چکھو۔ اشارہ اس طرف ہے کہ تمہارا یہ گستاخانہ جملہ۔ قتلِ انبیاء کے ہم پلہ ہے۔ اُن کا یہ گستاخانہ قول۔ قتلِ انبیاء کے جرم سے کم نہیں۔

ف جاننا چاہیئے کہ اوپر جو قول مذکور ہوا وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے یہودیوں کا تھا۔ اور انبیاء کو ناحق قتل کرنا۔ یہ فعل ان کے بزرگوں کا تھا لیکن چونکہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے یہودی اپنے بزرگوں کے اس فعل کو اچھا سمجھتے تھے اس لیے قتل انبیاء کو ان کی طرف منسوب کیا گیا کسی فعل سے راضی ہونا اُس فعل کے کرنے کے برابر ہے۔

امام شعبیؒ سے مروی ہے کہ کسی شخص نے ان کے سامنے حضرت عثمانؓ کا ذکر کیا اور ان کے قتل پر خوشنودی ظاہر کی تو امام شعبیؒ نے کہا کہ تو بھی عثمانؓ کے قتل کے گناہ میں شریک ہو گیا بعد ازاں امام شعبیؒ نے یہ آیت پڑھی قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِىْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِىْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ یہ عذاب تمہارے ان اعمال کی سزا اور بدلہ ہے کہ جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجے یعنی جلانے والا عذاب تمہارے افعال کی سزا ہے کہ تم نے اللہ کو فقیر کہا اور انبیاء کو قتل کیا اور اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں بلکہ عادل ہے اور عدل کا مقتضیٰ مجرمین کو سزا دینا ہے تم نے جو

کمایا اور تمہارے ہاتھوں نے جو سمیٹا وہ تمہارے سامنے آگیا خدا تعالٰے نے تم پر ذرہ برابر ظلم نہیں کیا۔ یہ سزا اور بلا تمہارے ہی اعمال کی صورت ہے کوئی نئی چیز نہیں یہ عذاب الیم۔ معاذ اللہ ظلم عظیم نہیں بلکہ عدل عظیم ہے اور تمہارے جرم عظیم اور ظلم عظیم کی سزا ہے۔

نکتہ ظلّام مبالغہ کا صیغہ ہے اور لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ میں مبالغہ کی نفی مراد نہیں بلکہ مبالغہ فے النفی مراد ہے جیساکہ بخاری کی روایت میں باربار آتا ہے۔ حدثنی البراء وھو غیر کذوب کذوب مبالغہ کا صیغہ ہے اور غیر کذوب سے مبالغہ کی نفی مراد نہیں بلکہ مبالغہ فی النفی مراد ہے ہماری اس عبارت کا مطلب کسی ایسے عالم سے حل کرلیں جو مطول اور مختصر معانی پڑھا چکا ہو۔ اور بعض علماؔ نے یہ کہا ہے کہ ظلّام صیغۂ نسبت ہے بمعنی ذی ظلم جیسے صبّاغ اور دبّاغ اور عطّار اور معنی یہ ہیں کہ اللہ کو ظلم سے کوئی نسبت نہیں یا یہ کہ مقصودِ کلام تعریض ہے کہ اللہ تو ظلّام نہیں البتہ بندوں میں بڑے ظلّام یعنی بڑے بڑے ظالم ہیں اشارہ یہود کی طرف ہے کہ یہ بڑے ظالم ہیں۔

یہود کا ایک افترآ اور اس کی تردید

اللہ تعالٰے نے حضرت عیسٰی علیہ الصلاۃ والسّلام سے پہلے بعض انبیاء بنی اسرائیل کو یہ معجزہ عطا فرمایا تھا کہ قربانی یا کوئی چیز اللہ کے نام کی نیاز کی تو آسمان سے ایک آگ آتی اور اس کو کھا جاتی تو یہ اس قربانی اور نیاز کے قبول ہونے کی علامت ہوتی اور اگر اس کے جلانے کے لیے آسمان سے آگ نہ آتی تو معلوم ہوتا کہ خدا کے یہاں وہ قربانی اور نیاز قبول نہیں ہوئی اب یہود نے ایک بہانہ پکڑا اور یہ کہا کہ اللہ تعالٰے نے ہم کو توریت میں یہ حکم دیا ہے کہ جس نبی سے یہ معجزہ نہ دیکھو اس پر ایمان نہ لانا یہ یہود کا جھوٹا بہانہ تھا توریت میں کہیں نہیں لکھا کہ جو نبی آگ کا معجزہ نہ دکھلائے اس پر ایمان نہ لانا یہ معجزہ صرف بعض پیغمبروں کو ملا تھا ہر پیغمبر کو اللہ تعالٰے نے اس زمانہ کے مناسب معجزات عطا کیئے یہ ضروری اور لازم نہیں کہ ہر نبی ایک ہی معجزہ دکھلا دے چنانچہ فرماتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالٰے نے ہم سے یہ عہد لیا ہے کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں جب تک وہ ہمارے پاس ایسی قربانی نہ لائے جسے غیب سے آکر آگ کھا جاوے یہود کا مطلب یہ تھا کہ حضورِ پُرنور نے یہ معجزہ ظاہر نہیں فرمایا اس لیے ہم آپ پر ایمان نہیں لاتے آپ ان کے جواب میں کہہ دیجیئے کہ مجھ سے پہلے کتنے ہی رسول تمہارے پاس اپنی نبوت و رسالت کے دلائل اور براہین اور صاف اور روشن معجزات لے کر آچکے ہیں۔ اور وہ معجزہ بھی لا چکے ہیں جو تم مانگتے ہو۔ پھر تم نے اُن کو کیوں مار ڈالا اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو کہ خدا تعالٰے نے ہم کو توریت میں ایسا حکم دیا ہے مطلب یہ ہے کہ تم جھوٹے ہو خدا نے کہیں ایسا حکم نہیں دیا۔ اثبات نبوت کے لیے مطلق معجزہ کا ظہور ضروری ہے اس خاص معجزہ کا

ظاہر ہونا ضروری نہیں اور اگر تم اس دعوے میں سچے ہو کہ اسی خاص معجزہ کے دکھلانے پر ایمان لانا موقوف ہے تو یہ بتلاؤ کہ جن نبیوں نے اپنی صداقت کے کھلے کھلے نشان دکھلائے اور یہ قربانی کا معجزہ بھی دکھلایا تو تم ان پر کیوں ایمان نہیں لائے بلکہ اُن کو قتل کیا معلوم ہوا کہ یہ سب تمہاری حیلہ سازی اور ہٹ دھرمی ہے۔

نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کی تسلی

چونکہ کفار کی تکذیب اور اس قسم کی معاندانہ باتوں سے حضور پُر نور کو رنج ہوتا تھا اس لیے آئندہ آیت میں آپ کی تسلی فرماتے ہیں پس اگر یہ معاند اور کج بحث لوگ آپ کو جھٹلائیں اور آپ کی نبوت کو نہ مانیں تو اس سے رنجیدہ اور دلگیر نہ ہوں کیونکہ آپ سے پہلے کتنے ہی رسول جھٹلائے جا چکے ہیں۔ جو اپنی صداقت کے کھلے کھلے ثبوت اور آسمانی صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے تھے انبیاً صادقین کی تکذیب ان کی قدیم عادت ہے آپ کو کوئی نئی بات پیش نہیں آئی۔

فائدہ بینات سے انبیاء کرام کی صداقت کے روشن دلائل اور کھلے ثبوت مراد ہیں اور زُبُر لفظ زبور کی جمع ہے جو زَبْر سے مشتق ہے جس کے معنی لغت میں جھڑکنے اور ڈانٹنے کے ہیں اور اصطلاح شرع میں زبور اس کتاب کو کہتے ہیں جو مضامین حکمت اور نصیحت و موعظت پر مشتمل ہو ایسی کتابوں کو زبور اس لیے کہتے ہیں کہ لوگوں کو باطل کی طرف جانے سے جھڑکا جاتا ہے اور حضرت داؤد علیہ السلام کی کتاب کو بھی زبور اسی لیے کہتے ہیں اور یہاں وَالزُّبُر سے وہ آسمانی صحیفے مراد ہیں جو مضامین حکمت و موعظت پر مشتمل ہوں اور کتاب منیر (یعنی روشن کتاب) سے توریت اور انجیل مراد ہے۔ اگرچہ لفظ زُبُر ان کو بھی شامل تھا مگر ان کی فضیلت اور شرافت ظاہر کرنے کے لیے ان کو علیحدہ بیان فرمایا۔

وعید برائے مکذبین و وعدہ برائے مصدقین

اب آئندہ آیت میں مکذبین کے لیے وعید اور مصدقین کے لیے وعدہ اور بشارت کا ذکر فرماتے ہیں ہر نفس تم میں سے موت کا مزہ چکھنے والا ہے اور جزا ایں نیست کہ تم کو پورا پورا بدلہ قیامت کے دن دیا جائے گا دنیا میں یا قبر میں اگر سزا ملتی ہے تو وہ اعمال کا پورا بدلہ نہیں وہ تو سزا کا محض ایک نمونہ ہے پس جو شخص دوزخ سے محفوظ کر دیا گیا۔ جو تمام مصیبتوں کا معدن اور منبع ہے اور جنت میں داخل کر دیا گیا جو تمام راحتوں اور نعمتوں اور لذتوں کا معدن اور مخزن ہے پس ایسا شخص ٹھیک مراد کو پہنچا اور کامیاب ہوا۔ اور دنیاوی زندگی اگرچہ وہ کتنی ہی عیش و عشرت کو ساتھ لیے ہوئے ہو

وہ کچھ بھی نہیں مگر دھوکہ کا سامان ہے. جس پر بے وقوف عاشق ہو گئے ہیں اگر یہ لوگ دنیا کی حقیقت جان لیں تو سمجھ جائیں کہ یہ ساری دنیا غرور یعنی فریب اور دھوکہ ہے کوئی بھی اُس کو مول لینے پر تیار نہ ہو ؎

در دیدۂ اعتبار خوابیست — بر رهگذر اجل سرابیست
ایمن منشیں زگرم و سردش — مشغول مشو بہ سرخ و زردش

کافروں کی تکذیب اور ہرزہ درائیوں پر مسلمانوں کو صبر کی تعلیم

چونکہ کافروں کے معاندانہ اعتراضات اور ہرزہ درائیوں سے مسلمانوں کو ایذاء پہنچتی تھی اس لیے آئندہ آیت میں مسلمانوں کو صبر کی تلقین فرماتے ہیں (مسلمانو) البتہ تم آزمائے جاؤگے اپنے مالوں میں اور اپنی جانوں میں مطلب یہ ہے کہ جان و مال دونوں ہی سے آزمائش ہوگی خدا کی راہ میں تمہارے مال بھی طلب کیے جائیں گے اور جانیں بھی اور فقر و افلاس میں بھی مبتلا ہوگے اور خدا کی راہ میں کفار کے ہاتھ سے مقتول اور مجروح بھی ہوگے غرض یہ کہ اے مسلمانو تمہاری جانی اور مالی تکالیف کے ذریعہ تمہاری آزمائش ہوگی لہذا تم اس آزمائش کے لیے مستعد رہنا کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمت ہار دو اور البتہ تم ان لوگوں سے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے اور نیز مشرکین سے بہت دل آزار باتیں سنوگے اور اگر تم ایسے موقعہ پر صبر کرو اور تقویٰ پر قائم رہو تو بے شک یہ خصلت ہمت کے کاموں میں سے ہے. صبر کے معنی ناگوار امر کو برداشت کرنے اور تقویٰ کے معنی نامناسب بات سے بچنے کے ہیں اور ظاہر ہے کہ اس عظیم خصلت کے لیے ہمت مردانہ چاہیئے اور بعض مفسرین نے من عزم الامور کے یہ معنی بیان کیئے ہیں کہ یہ کام من جملہ ان کاموں کے ہے جو خدا کی طرف سے تم پر لازم کیے گئے ہیں.

مذمّتِ اہلِ کتاب بر کتمان حق

گزشتہ آیات میں یہود کے قبائح کو بیان فرمایا اب آئندہ آیت میں ان کی ایک اور خصلت قبیحہ کو بیان کرتے ہیں اور یہ کہ اللہ تعالٰے نے علماء اہلِ کتاب سے عہد لیا تھا کہ ہمارے احکام جو توریت اور انجیل میں مذکور ہیں اور نبی آخر الزماںؐ کی جو صفتیں اور بشارتیں ان میں مسطور ہیں اُن کو لوگوں سے ہرگز نہ چھپانا مگر ان لوگوں نے خدا تعالٰے سے جو عہد کیا تھا اس کو پسِ پشت ڈال دیا اور اپنے امیروں سے رشوت لے کر پیغمبر آخر الزمان کی بشارتوں کو چھپا لیا۔ اور یاد کرو اس وقت کو جب کہ اللہ تعالٰے نے ان لوگوں سے جن کو کتاب دی گئی یہ عہد لیا کہ تم اس کتاب کے تمام مضامین کو

خود بخود لوگوں کے سامنے بیان کرنا اگرچہ کوئی تم سے دریافت بھی نہ کرے تم پر ان مضامین کا بیان اور اعلان واجب ہے تم اس کے مضامین کو لوگوں کے سامنے بیان کرنا اور پوشیدہ نہ رکھنا پس ان لوگوں نے اس عہد اور میثاق کو پس پشت پھینک دیا اور اس کے بدلہ میں بہت تھوڑا سا معاوضہ لے لیا یعنی دنیاوی لالچ میں آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی صفتوں اور بشارتوں کو چھپا لیا۔ پس کیا ہی بری چیز ہے کہ جو وہ خرید رہے ہیں۔ یعنی تھوڑے سے نذرانوں کے لالچ میں کتاب الٰہی کا مطلب الٹا سلٹا بیان کرتے ہیں اور حق بات کو ظاہر نہیں کرتے بہت ہی برا سودا ہے۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّ يُحِبُّوْنَ

تو نہ سمجھ کہ جو لوگ خوش ہوتے ہیں اپنے کیے پر اور چاہتے ہیں

اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ

تعریف بن کیے پر سو نہ جان کر وہ خلاص ہیں

بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸۸﴾

عذاب سے ، اور ان کو دکھ کی مار ہے

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي

اور اللہ کو ہے سلطنت آسمان اور زمین کی اور اللہ ہر

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۸۹﴾ ع ۱۹ / ۱۰

چیز پر قادر ہے۔

مذمّت خود پسندی و مدح خواہی

قال تعالیٰ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ .... الیٰ .... وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ٥

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب علماء یہود سے کوئی بات دریافت کرتے تو وہ اصل بات کو تو چھپا لیتے اور خلاف واقع بات بیان کر کے چلے جاتے پھر اپنے اس چھپانے پر دل میں خوش ہوتے کہ ہماری چالاکیوں کو کوئی پکڑ نہیں سکتا اور امید رکھتے کہ لوگ ہماری تعریف کریں گے اس پر حق تعالےٰ

نے یہ آیت نازل فرمائی (اے نبی) آپ ان لوگوں کو جو اپنی اس چالاکی پر خوش ہوتے ہیں جو انہوں نے کی ہے اور چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف کی جائے اس کام پر جو انہوں نے کیا۔ یعنی جو بھلائی نہیں کی اس پر آفرین چاہتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں کہ دیکھو کس طرح حیلہ اور بہانہ سے اپنی جان بچائی پس آپ ان کی نسبت یہ گمان ہرگز نہ کرنا کہ وہ عذاب سے چھوٹ گئے اور ان لوگوں کے لیے تو بڑا ہی دردناک عذاب ہے جو کہ ان کی ساری خوشی اور خود پسندی اور مدح خواہی کو اچھی طرح خاک میں ملا دے گا اگرچہ یہ آیت خاص یہود کے بارہ میں نازل ہوئی ہے لیکن اس کا حکم عام ہے جو شخص بھی اپنے برُے افعال سے خوش ہوگا اور ناکردہ امور پر اپنی تعریف چاہے گا وہ اس وعید میں داخل ہوگا اور اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہت آسمانوں کی اور زمین کی اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے پس ایسے قادر مطلق کے عذاب سے چھٹکارا پانے کی کوئی سبیل نہیں اور خصوصاً جو گستاخ آسمان و زمین کے مالک کو فقیر کہتا ہو ایسے گستاخ کی تو عذاب سے کسی طرح رہائی نہیں ہوسکتی اس لیے کہ جس کی سلطنت آسمان و زمین کو محیط ہو اس کا مجرم بھاگ کر آخر کہاں جائے گا۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ

آسمان اور زمین کا بنانا ، رات اور دن کا

وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿١٩٠﴾ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ

بدلتے آنا ، اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کو ، وہ جو یاد کرتے ہیں

اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُودًا وَّعَلٰى جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ

اللہ کو، کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے ، اور دھیان کرتے ہیں

فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ

آسمان اور زمین کی پیدائش میں۔ اے رب ہمارے!

هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿١٩١﴾ رَبَّنَآ

تو نے یہ عبث نہیں بنایا۔ تو پاک ہے عیب سے ، سو ہم کو بچا دوزخ کے عذاب سے۔ اے

إِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهُ ۖ وَمَا لِلظّٰلِمِينَ

رب ہمارے! جس کو تو نے دوزخ میں ڈالا سو اس کو رسوا کیا۔ اور گناہگاروں کا کوئی

مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۱۹۲﴾ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ

نہیں مدد گار ۔ اے رب ہمارے ہم نے سنا، کہ ایک پکارنے والا پکارتا

لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ

ہے ایمان لانے کو کہ ایمان لاؤ اپنے رب پر، سو ہم ایمان لائے، اے رب ہمارے

لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿۱۹۳﴾

اب بخش گناہ ہمارے اور اتار ہماری برائیاں اور موت دے ہم کو نیک لوگوں کے ساتھ ۔

رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا

اے رب ہمارے اور دے ہم کو جو وعدہ دیا تو نے اپنے رسولوں کے ہاتھ اور رسوا نہ کر ہم

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۱۹۴﴾ فَاسْتَجَابَ

کو قیامت کے دن ۔ تحقیق تو خلاف نہیں کرتا وعدہ ۔ پھر قبول کی

لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّىْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ

ان کی دعا ان کے رب نے کہ میں ضائع نہیں کرتا محنت کسی محنت کرنے والے کی، تم میں

مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِيْنَ

سے مرد یا عورت، تم آپس میں ایک ہو۔ پھر جو لوگ

هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ

وطن سے چھوٹے اور نکالے گئے اپنے گھروں سے اور ستائے گئے میری راہ میں

وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَ

اور لڑے اور مارے گئے ہیں اتاروں گا ان سے برائیاں ان کی، اور

لَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْھٰرُ ۚ ثَوَابًا

داخل کروں گا باغوں میں جن کے نیچے بہتی ندیاں ۔ بدلہ

مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾

اللہ کے ہاں سے۔ اور اللہ ہی کے ہاں ہے اچھا بدلہ۔

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ؕ ﴿۱۹۶﴾

تو نہ بہک اس پر کہ آتے جاتے ہیں کافر شہروں میں۔

مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۟ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۹۷﴾

یہ فائدہ ہے تھوڑا سا۔ پھر ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور کیا بُری تیاری ہے۔

لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ

لیکن جو لوگ ڈرتے رہے اپنے رب سے، ان کو باغ ہیں جن کے نیچے

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَ

بہتی ندیاں، رہ پڑے ان میں مہمانی اللہ کے ہاں سے۔ اور

مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿۱۹۸﴾ وَ اِنَّ مِنْ اَهْلِ

جو اللہ کے ہاں ہے، سو بہتر ہے نیک بختوں کو۔ اور کتاب والوں میں بعضے

الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَ مَاۤ

وہ بھی ہیں، جو مانتے ہیں اللہ کو، اور جو اُترا تمہاری طرف اور جو

اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ

اُترا اُن کی طرف، ڈرتے ہیں اللہ کے آگے، نہیں خرید کرتے اللہ کی

اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ

آیتوں پر مول تھوڑا۔ وہ جو ہیں اُن کو اُن کی مزدوری ہے ان کے رب کے

اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا

ہاں۔ بیشک اللہ شتاب لیتا ہے حساب۔ اے ایمان والو!

اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا قف وَاتَّقُوا اللّٰهَ

ثابت رہو، اور مقابلے میں مضبوطی کرو اور لگے رہو۔ اور ڈرتے رہو اللہ سے،

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۲۰۰﴾ ع

شاید تم مراد کو پہنچو ؀

دلائلِ الوہیت و وحدانیت و کمال قدرت و حکمت وبیانِ حالِ دانشمنداں و دعاہائے گوناگوں ایشاں

قال تعالیٰ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ .... الیٰ .... وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

(ربط) گزشتہ آیت یعنی وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ میں حق تعالیٰ شانہ کی بادشاہت اور کمال قدرت کو بیان فرمایا اب ان آیات میں حق جل شانہ کی الوہیت اور اس کی وحدانیت اور کمال قدرت اور کمال حکمت کے دلائل بیان فرماتے ہیں اور اہل عقل اور اہل دانش کی مدح فرماتے ہیں کہ جنہوں نے مخلوقات کو دیکھ کر خالق کا پتہ چلا لیا اور مصنوعات کو دیکھ کر صانع کو پہچان لیا اور دن رات اپنے پروردگار کے ذکر اور فکر میں سرشار ہیں اور اسی کی تسبیح اور دعا اور استغفار میں مشغول ہیں قرآن کریم کی اصطلاح میں اولوالالباب (عاقل کامل) وہی لوگ ہیں جو مصنوعات اور مخلوقات میں غور و فکر کر کے خالق اور صانع کی صحیح معرفت تک پہنچ گئے اور خدا کی یاد اور آخرت کی فکر میں لگ گئے اور سمجھ گئے کہ یہ دنیا فانی ہے اور اس کے بعد ایک اور عالم کی طرف کوچ ہونا ہے باقی جو مادہ پرست مخلوقات اور مصنوعات کی تحقیقات اور تدقیقات کے تاروں اور زنجیروں میں الجھ کر رہ گئے اور صانع برحق کی معرفت تک اُن کی رسائی نہیں ہوئی خواہ دنیا ان کو کتنا ہی بڑا محقق اور فلاسفر اور سائنس دان کہا کرے وہ قرآن کی زبان میں اولوالالباب عاقل اور دانشمند نہیں بلکہ پرلے درجہ کے جاہل اور احمق ہیں۔ شاہی محل میں بادشاہ کا مہمان بھی داخل ہوتا ہے اور چور بھی مگر مہمان۔ محل کے عجائب کو اس لیے دیکھتا ہے کہ وہ بادشاہ کی شان و شوکت۔ اور اس کے جاہ و جلال کا مظہر اور آئینہ ہیں اور چور شاہی محل کو نہایت غور سے دیکھتا ہے تاکہ اس کے خزینے اور دفینے چرانے میں اس کو مدد ملے۔ اور عمر بھر کی عیش و عشرت کا سامان اُس کو مل جائے۔

پس خوب سمجھ لو کہ کائنات قدرت میں سائنس دانوں کی غور اور فکر اور تحقیقات سارقانہ نظر کا حکم

رکھتی ہے کہ اپنے فوائد اور منافع کے لیے تحقیق میں سرگرداں اور حیران ہیں اُن کو صانع اور خالق سے کوئی مطلب نہیں۔

اور اصحاب دانش و بینش کا حال ان کے بالکل برعکس ہے وہ آسمان اور زمین اور دیگر مصنوعات الٰہیہ میں غور و فکر کرتے ہیں تاکہ خالقِ کائنات کی صحیح معرفت تک پہنچ جائیں۔ سائنس دانوں کا مقصد صرف مخلوقات کے فوائد اور منافع کا معلوم کرنا ہے تاکہ ان سے دل خواہ مستفید اور متمتع ہوسکیں خالق سے ان کو کوئی سروکار نہیں کائنات قدرت میں سائنس دانوں کی نظر سارقانہ نظر ہے اور حضرات انبیاء اور اُن کے وارثین کی نظر عاشقانہ اور والہانہ اور عاقلانہ اور دانشمندانہ ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔ تحقیق آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے آنے اور جانے میں اللہ تعالےٰ کے وجود باجود اور اس کے کمال علم اور کمال قدرت اور کمال حکمت اور اس کی وحدت کی بہت سی نشانیاں ہیں عقل والوں کے لیے جن کی عقل وہم اور نفسانی اور شیطانی وسوسوں کی آمیزش سے پاک ہے اہل عقل آسمان اور زمین کی عجیب و غریب خلقت اور لیل و نہار کے عجیب و غریب چکر کو دیکھ کر سمجھ جاتے ہیں کہ یہ عجیب و غریب کارخانہ خود بخود نہیں چل رہا ہے بلکہ کسی علیم و حکیم اور قدیر و بصیر کے ہاتھ میں اس کی باگ ہے۔ اور ان عقلاء کے عاقل ہونے کی دلیل یہ ہے کہ یہ لوگ یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور بناوٹ میں غور و فکر کرتے ہیں۔ اور سمجھ جاتے ہیں کہ ان کو کسی بڑے علیم و حکیم اور قدرت والے نے بنایا ہے آسمان و زمین میں غور و فکر کرنے سے ان کا مقصود حق جل شانہٗ کی معرفت حاصل کرنا ہے اور جب مصنوعات میں غور و فکر کرنے سے خالق کی معرفت اُن کو حاصل ہوجاتی ہے اور اس کی عظمت اور اس کی عظیم قدرت اور علم و حکمت معلوم ہوجاتی ہے اور اس کے عجائب قدرت کو دیکھ کر دل اس کی محبت اور عظمت سے لبریز ہوجاتا ہے تو اُس خداوند قدوس کی تسبیح و تقدیس اور ایمان و دعا اور استغفار میں لگ جاتے ہیں اور یہ کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار تو نے یہ کارخانۂ عالم عبث اور بے کار نہیں بنایا عالم کا ہر ہر جز اور ہر ہر ذرہ حکمتوں اور مصلحتوں سے لبریز ہے تمام عالم کے عقلاء کی عقلیں جن کے ادراک سے قاصر اور درماندہ ہیں تو پاک ہے۔ اے پروردگار ہر عیب اور نقص سے بے شک تو نے اس کارخانہ کو یونہی بے فائدہ نہیں بنایا اس کی ہر حرکت اور سکون سے تغیر اور زوال ٹپکتا ہوا نظر آرہا ہے اور یوں دکھلائی دے رہا ہے کہ جس طرح یہ سارا کارخانہ عدم سے وجود میں آیا ہے اسی طرح ایک دن پھر عدم کے گھاٹ اتار دیا جائے گا اور نمرود اور فرعون جیسے مجرم جنہوں نے دنیا میں اُدھم مچا رکھا ہے اور تیرے سفراء اور وزراء یعنی انبیاء و مرسلین کی تذلیل و توہین اور تیری نازل کردہ شریعت کے قوانین اور احکام کی پامالی پر تلے ہوئے ہیں۔ ایک دن یہ سب مجرم نہایت ذلت اور رسوائی کے ساتھ جیل خانہ (جہنم) میں دھکیل دیئے جائیں گے پس اے پروردگار تو ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا۔ مطلب یہ ہے کہ اے پروردگار جب تو نے یہ کارخانہ بچوں کے کھیل کی طرح بے فائدہ نہیں بنایا بلکہ اس کے بنانے سے مقصود ایک اور زندگی ہے جسے آخرت کہتے ہیں اور جہاں اس کے بنانے کا نتیجہ ظاہر ہوگا تو ہمیں اُس زندگی میں دوزخ کے عذاب سے

بچانا باین طور کہ ہم کو عمل صالح اور اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق دینا اے ہمارے پروردگار بلاشبہ جسکو تونے دوزخ میں داخل کیا تو تحقیق تونے اس کو خوب رسوا کیا اور ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں جو ان کو خدا کے عذاب سے بچا سکے۔ اے ہمارے پروردگار ہم نے ایک منادی کو سنا جو علانیہ طور پر باآواز بلند ایمان کی منادی کر رہا تھا کہ اے لوگو! اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ پس ہم دل و جان سے ایمان لے آئے ایمان کے منادی سے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم مراد ہیں جنہوں نے ساری دنیا کو پکارا اور للکارا اور ایمان کی دعوت دی اے ہمارے پروردگار ہم ایمان تو لے آئے اور اطاعت کے لیے کمربستہ بھی ہو گئے مگر ہم عاجز اور ناتواں ہیں کما حقہٗ اطاعت بہت مشکل ہے۔ ہمارا کوئی عمل بھی تقصیر سے خالی نہیں پس ہمارے گناہ بخش دیجیے اور ہماری برائیوں کو دور فرما دیجیے اور نیک بختوں کے ساتھ ہمیں موت دے یعنی نیکوں کے طریقہ پر ہم کو موت دے جیسے محاورہ میں کہتے ہیں انا مع فلاں میں فلانے کے ساتھ ہوں۔ یعنی اس کے طریقہ اور مذہب اور اعتقاد پر ہوں اسی محاورہ کے مطابق تَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء اور صدیقین اور شہدا اور صالحین کے طریقہ اور مذہب اور اعتقاد پر ہم کو موت دے۔ اے پروردگار ہمارا ایمان اور ہمارا عمل تو آخرت کی رسوائی سے بچانے کے لیے کافی نہیں لیکن ہم آپ کے نام لیوا نابکار آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ ہم کو وہ چیز عطا فرمائیں جو آپ نے اپنے پیغمبروں کی زبانی ہم سے وعدہ کیا ہے کہ ایمان لانے والوں کو یہ نعمتیں ملیں گی ہم آپ سے اپنے استحقاق کی بنا پر درخواست نہیں کرتے بلکہ آپ کے کریمانہ وعدہ کے ایفاء کی فقیرانہ اور گدایانہ اور شرمسارانہ درخواست کرتے ہیں کہ بے شک ہمارا ایمان اور عمل اس قابل نہیں کہ اس پر انعام دیا جا سکے لیکن آپ کریم مطلق ہیں بمقتضائے کرم اپنے وعدہ کو پورا فرما دیجیے مطلب یہ ہے کہ اپنی توفیق و عنایت اور لطف و کرم سے ہم کو اس وعدہ کا مستحق بنا اور ہم سے ایسی حرکات سرزد نہ ہوں۔ جن کی وجہ سے ان انعامات کے وعدہ کے مستحق نہ رہیں اور ہم ایمان لانے والوں کو قیامت کے دن ذلیل اور رسوا نہ کیجیے۔ تحقیق آپ تو بلاشبہ وعدہ خلافی نہیں کرتے۔ بے وفائی کا احتمال تو ہماری ہی طرف سے ہو سکتا ہے۔ آپ کی بارگاہ تو وعدہ خلافی سے پاک اور منزہ ہے۔ اے پروردگار ہم صد ہزار بار اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ ہم تیرے پورے وفادار اور فرمانبردار اور اطاعت شعار نہیں بن سکے اور عہد الست کو ہم پورا نہیں کر سکے ہم اپنی اس وعدہ خلافی پر نادم اور شرمندہ ہیں۔ لیکن دل و جان سے ارادہ پوری ہی وفاداری کا ہے۔

نفس و شیطان زد کرہ بارہ من   رحمتت باشد شفاعت خواہ من

وعدہ خلافی ہماری طرف سے ہے نہ کہ تیری طرف سے اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اہل عقل وہ لوگ ہیں کہ جو اہل ذکر اور اہل فکر ہیں اور مخلوقات میں غور و فکر کر کے خدا تعالیٰ کی الوہیت اور وحدانیت اور قدرت اور حکمت کو پہچان لیتے ہیں اور خدا کی طرف عاجزی اور گریہ و زاری اور آخرت کی تیاری میں لگ جاتے ہیں عاقل اور دانا وہ ہے جو آسمان و زمین کی خلقت میں غور و فکر کر کے ان کے خالق تک پہنچ جائے اور رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا میں مست ہو جائے۔

باقی وہ لوگ جو دن رات اجرام علوی اور سفلی کے تحقیقات میں سرگرداں ہیں مگر خالق کی معرفت اور اس کے ذکر اور فکر اور آخرت کی تیاری سے غافل ہیں اور اس دنیا کو محض کھیل تماشہ اور تفریح اور لذت کا ذریعہ سمجھے ہوئے ہیں۔ دنیا ایسے لوگوں کو اگرچہ بڑا محقق اور بڑا فلاسفر اور سائنس دان کہے مگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ اولوا الالباب میں سے نہیں ہو سکتے جس نے اپنے مالک کو نہ پہچانا وہ جانور سے بھی بدتر ہے جانور بھی پہچانتا ہے کہ مجھے گھاس دانہ کون ڈالتا ہے۔ جب مالک سامنے آتا ہے تو یہ جانور اس کے سامنے گردن جھکا دیتا ہے مگر اس فلسفی اور سائنس دان کی گردن خدا کے سامنے نہیں جھکتی۔ اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْغٰفِلُوْنَ۔

بشارتِ قبولیّت دعا

گزشتہ آیات میں اہلِ ذکر واہل فکر کی دعا مذکور ہوئی اب آئندہ آیت میں اس کی قبولیت کی بشارت دی جاتی ہے چنانچہ فرماتے ہیں پس اُن کے پروردگار نے اُن کی تمام دعائیں قبول کیں اور بتلا دیا کہ میرا قانون اور ضابطہ یہ ہے کہ میں تم میں سے کسی کی محنت ضائع نہیں کرتا۔ مرد ہو یا عورت ہو تم آپس میں ایک ہو۔ اعمال کی جزاء میں دونوں برابر ہیں پس جب کسی عمل کرنے والے کا چھوٹا موٹا عمل بھی رائیگاں نہیں جاتا تو مردانِ خدا کا تو پوچھنا ہی کیا ہے جنہوں نے منادی برحق کی نداء ایمان قبول کرنے کے بعد ہجرت کی اور خدا کے لیے خویش اور اقارب اور وطن کو چھوڑا اور مال ومنال کو خیرباد کہہ کر دارالاسلام کی راہ لی اور محض میرا کلمہ پڑھنے اور میرا نام لیوا ہونے کی وجہ سے طرح طرح سے ستا کر اپنے گھروں سے نکالے گئے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ یُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِیَّاکُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ (سورۂ ممتحنہ) اور وَمَا نَقَمُوْا مِنْھُمْ اِلَّآ اَنْ یُّؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ۔ (سورۂ بروج) اور میری راہ میں اُن کو طرح طرح کی تکلیفیں دی گئیں اور پھر انہوں نے میری راہ میں جہاد وقتال کیا اور بہت سے ان میں سے شہید بھی ہوئے ان مردانِ خدا کا خدا کی راہ میں ان ہوشربا تکلیفوں اور مصیبتوں کو برداشت کرنا ان کے کمالِ ایمان کی دلیل ہے۔ لہٰذا میں ایسے لوگوں کی برائیوں اور گناہوں کو ضرور ضرور معاف کروں گا اور ضرور ان کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی یہ بدلہ ملے گا اُن کو اللہ تعالیٰ کے یہاں سے اور اللہ تعالیٰ کے پاس ہے نہایت عمدہ بدلہ جس پر سوائے اس کے کسی کو قدرت نہیں اور یہ عمدہ بدلہ انہیں عقلاء کو ملے گا جن کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

اوپر کی آیت میں مومنین کا حال اور اُن کے اُخروی درجات کا بیان تھا اب اس آیت میں

کافروں کا حال بیان فرماتے ہیں کہ کوئی مسلمان دنیا میں کافروں کو خوش حال اور خوش و خرم دیکھ کر یہ خیال نہ کرے کہ یہ کمبخت خدا کے دشمن تو بظاہر عیش اڑاتے ہیں اور ہم مصیبت جھیلتے ہیں اس پر اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (اے ظاہر بین) جو لوگ کافر ہیں اُن کا شہروں میں تجارت وغیرہ کے لیے چلنا پھرنا تجھ کو دھوکہ اور فریب میں نہ ڈال دے یہ دنیاوی عیش و عشرت بہت ہی تھوڑی پونجی ہے۔ ان کی اس چندروزہ بہار سے مسلمان کو دھوکہ نہ کھانا چاہیئے یہ دولت و ثروت قبولیت کی دلیل نہیں اگر کسی شخص کو چند روز پلاؤ اور قورمہ کھلاکر حبس دوام کی سزا دی جائے تو وہ کیا خوش عیش اور خوش نصیب ہوا۔ خوش عیش اور خوش نصیب تو وہ ہے کہ چند روزہ محنت اور تکلیف اٹھا کر اعلیٰ درجہ کی دائمی عیش اور آسائش کا سامان مہیا کرلے۔ کافروں کی یہ عیش و عشرت محض چندروزہ ہے پھر ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور بہت ہی بُرا ٹھکانہ ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے لہٰذا مؤمنوں کو ان کی حالت سے دھوکہ میں نہ پڑنا چاہیئے بلکہ اُن کو حق تعالےٰ کے ثواب ابدی اور دائمی پر نظر رکھنی چاہیئے۔

(۱) دنیا کی کوئی نعمت ایسی نہیں جو پائدار ہو بلکہ سب منقطع ہونے والی ہیں۔

(۲) نیز دنیا کی کوئی نعمت ضرر اور الم سے خالی نہیں۔

(۳) نیز آخرت کی نعمتوں کے مقابلہ میں دنیا کی تمام نعمتیں ہیچ اور محض بے حقیقت ہیں علاوہ ازیں انسان دنیاوی نعمتوں میں پڑکر خدا کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے جس کا نتیجہ دائمی عذاب ہے لیکن ان میں سے بھی جو لوگ خدا سے ڈریں اور ایمان لاکر متقی اور پرہیزگار بن جائیں ان کے لیے بہشت کے باغات ہیں۔ جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے یہ اللہ کی طرف سے ان کی مہمانی ہے اور جو چیزیں اللہ کے یہاں ہیں سو وہ اس متاع قلیل سے نیک بختوں کے لیے کہیں بہتر ہیں کیونکہ خدا کے پاس جو ہے وہ بے مثال ہے اور لازوال ہے۔

ف جاننا چاہیئے کہ متقین اور ابرار کے درمیان فرق ہے اور ابرار کا درجہ متقیوں سے بڑھا ہوا ہے کیونکہ متقی اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنے آپ کو خدا تعالےٰ کی ناراضگی کے اسباب سے بچالے اور یہ بات صرف محرمات کے چھوڑ دینے اور فرائض اور واجبات کے بجالانے سے حاصل ہوسکتی ہے۔ اور ابرار برٌّ بمقابلہ بحر سے مشتق ہے جس کے مفہوم میں وسعت داخل ہے لہٰذا ابرار کے مفہوم میں تمام نیکیوں کا بجالانا داخل ہے خواہ فرائض ہوں یا نوافل پس مطلب یہ ہوا کہ جَنّٰتٌ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ متقین کی مہمانی ہے اور ابرار کے لیے جو الطاف و عنایات ہوں گی وہ اس سے کہیں بہتر ہوں گی۔ لہٰذا تمہیں اس کی فکر چاہیئے۔

مدح مؤمنین اہلِ کتاب

گزشتہ آیات میں اہل کتاب کی مذمت کا بیان تھا اب آئندہ آیات میں اہلِ کتاب کی ایک

خاص جماعت کی مدح فرماتے ہیں جو مشرف باسلام ہوئی۔ (۱) اور بلاشبہ اہل کتاب میں سے بعضے لوگ ایسے ہیں جو اللہ پر صحیح ایمان رکھتے ہیں جس میں نفاق اور شرک کی آمیزش نہیں (۲) اور اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ جو ہماری طرف نازل کی گئی یعنی قرآن کریم (۳) اور ان کتابوں پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو ان کی طرف اتاری گئیں۔ یعنی توریت و انجیل پر (۴) حالت ان کی یہ ہے کہ اللہ کے لیے عاجزی اور فروتنی کرنے والے ہیں خشوع اور خضوع اُس اثر کا نام ہے جو دل میں خوف خدا پیدا ہونے کی وجہ سے تمام اعضاء اور جوارح پر پڑتا ہے۔ جس کے باعث نظر نیچی ہو جاتی ہے اور آواز دب جاتی ہے یہ خشوع مؤمنین اہل کتاب کا چوتھا وصف ہے جو ایمان صحیح کا ثمرہ ہے (۵) اور پانچواں وصف ان کا یہ ہے کہ ان کے دل حبِ مال اور حبِ جاہ سے پاک ہیں۔ اس لیے کہ وہ اللہ کی آیتوں کے بدلے میں تھوڑا مول نہیں خریدتے جیساکہ دوسرے اہل کتاب مال و جاہ کی طمع میں خدا کی آیتوں میں تحریف کرکے تھوڑے داموں بیچ دیتے ہیں۔ ایسے اہلِ کتاب کے لیے جو قرآن پر بھی ایمان رکھتے ہوں اور کتبِ سابقہ پر بھی ایمان رکھتے ہوں۔ خدا تعالیٰ کے یہاں ان کے لیے مخصوص اجر ہے یعنی ان اہل کتاب کا اجر اور ثواب اور لوگوں سے زیادہ ہے یعنی دُگنا ہے جیساکہ ارشاد باری ہے اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ ایسے اہل کتاب کو دوہرا اجر ملے گا اور بہت جلد ملے گا جس میں دیر نہ ہوگی اس لیے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ جلد حساب کرنے والا ہے سب کے اعمال کا حساب بے باق کر دیا جائے گا۔

خاتمۂ سورت اور ایک جامع مانع نصیحت

(ربط) اب حق جل شانہٗ اس سورت کو ایک جامع مانع نصیحت پر ختم فرماتے ہیں جو کہ تمام سورت کا خلاصہ اور لبِ لباب ہے۔ اے ایمان والو تمہارے ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ جب تم کو کوئی تکلیف پہنچے خواہ کافروں کی طرف سے ہو یا کسی اور طرف سے تو تم اس پر صبر کرو اور جب کافروں سے تمہارا مقابلہ آ پڑے اور تکلیف میں تم اور وہ مشترک ہوں تو تم اُن کے مقابلہ میں مضبوطی دکھلاؤ اور کوشش کرو کہ صبر میں ان پر غالب رہو۔ مصابرت کے معنی صفت صبر میں غالب آنے کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جہاد میں تمہارا صبر کافروں کے صبر پر غالب رہنا چاہیئے اور ظاہری اور باطنی دشمن کے بچاؤ کے لیے ہر وقت تیار اور آمادہ رہو۔ اور حق تعالیٰ کی رضا اور اطاعت اور استقامت سے قلب کو مربوط رکھو مبادا دشمن تمہیں غافل پاکر تم پر حملہ نہ کر دے مرابطہ کے لفظی معنی دشمن کے مقابلہ کے لیے سرحد پر گھوڑے باندھے رکھنا اور ہر وقت اپنے مورچہ پر دشمن کی مدافعت اور اس سے حفاظت کے لیے تیار اور آمادہ رہنے کے ہیں۔ لہٰذا مطلب یہ ہوا کہ ہر وقت ظاہری اور باطنی دشمن کی تاک میں رہو کہ مبادا تمہیں غافل پاکر کوئی کافر یا نفس یا شیطان تم پر کوئی وار نہ کر دے۔ حدیث میں ہے کہ ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے لیے منتظر

رہنا بھی رباط ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد مبارک میں اشارہ اس طرف ہے کہ رباط کا حکم اعداء ظاہری کے ساتھ ہی مختص نہیں بلکہ جیسے اعداء ظاہری کے مقابلہ میں رباط ہے اسی طرح کبھی اعداء باطنی یعنی نفس شیطان کے مقابلہ میں بھی رباط ہوتا ہے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کے مقابلہ میں جہاد کرے۔ ؎

اے شہا کشتیم ما خصمے بروں
ماند خصمے زد بتر در اندروں

اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو امید ہے کہ تم کامیاب ہوگے اور مراد کو پہنچو گے مطلب یہ ہے کہ اگر دنیا اور آخرت کی فلاح اور کامیابی چاہتے ہو تو شدائد اور مصائب میں صبر کرو اور نفس کو معصیت سے ہٹا کر طاعت پر روکو (یہ معنی اِصْبِرُوْا کے ہوئے) اور دشمن کے مقابلہ میں مضبوطی اور ثابت قدمی دکھلاؤ (یہ معنی وَصَابِرُوْا کے ہوئے) اور دشمن کے حملہ آور ہونے کے خطرہ سے ہر وقت ہوشیار اور چوکنے رہو مبادا کوئی ظاہری یا باطنی دشمن تمہارے حدودِ اسلام میں نہ گھس آئے (یہ معنی وَرَابِطُوْا کے ہوئے) اور ہر وقت خدا تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ یہ معنی وَاتَّقُوا اللّٰہَ کے ہوئے ایسا کر لیا تو انشاء اللہ تعالیٰ کامیابی ہی کامیابی ہے۔ اللّٰھم اجعلنا من عبادك الصّٰلحین و اولیاءك المتقین وحزبك المفلحین۔ اٰمین یارب العالمین برحمتك یاارحم الراحمین و یارب صل وسلم و بارك علٰی سیدنا و مولانا محمد نبیك و رسولك الذی انزلت علیه هٰذا الکتاب المبین وعلٰی اٰله واصحابه وازواجه وذریته اجمعین وعلینا معهم یا ارحم الرّاحمین۔

الحمد للہ آج بروز شنبہ بوقت اشراق یکم صفر الخیر ۱۳۸۱ھ کو بمقام جامعہ اشرفیہ۔ لاہور تفسیر آل عمران سے فراغت ہوئی۔

فللّٰه الحمد والمنة ربنا تقبل منا انك انت السّمیع العلیم وتب علینا انك انت التواب الرحیم۔

آیاتہا ۱۷۶ ۴ : سُورَةُ النِّسَآءِ مَدَنِيَّةٌ : ۹۲ رکوعاتہا ۲۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تفسیر سورۂ نساء

یہ سورت مدنی ہے مدینہ میں نازل ہوئی اس میں ایک سو چھتر آیتیں اور چوبیس رکوع ہیں اور چونکہ اس سورت میں عورتوں کے متعلق اس قدر کثیر احکام مذکور ہیں جو کسی اور سورت میں نہیں اس لیے اس مناسبت سے اس سورۃ کا نام سورۃ النساء مشہور ہو گیا۔

حق جل شانہ، نے اس سورت میں احکام قرابت کو خاص طور پر بیان فرمایا ہے اور قرابت کی پاسداری اور یتیموں اور وارثوں کے اموال کی نگہداری بدون تقویٰ اور پرہیزگاری کے بہت مشکل ہے اس لیے حق تعالیٰ نے اس سورت کو تقویٰ کے حکم سے شروع فرمایا اور سورۂ آل عمران بھی صبر اور تقویٰ کے حکم پر ختم ہوئی اس لیے سورۂ آل عمران کے خاتمہ اور سورۂ نساء کے آغاز اور ابتداء میں خاص مناسبت ہو گئی کہ حقوق قرابت کی رعایت میں تقویٰ کی بھی ضرورت ہے اور صبر اور مصابرہ بھی خاص طور پر درکار ہے۔

فائدہ

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا سورۃ نساء کی پانچ آیتیں مجھ کو دنیا اور مافیہا سے زیادہ محبوب ہیں۔

۱۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ (۲) اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ الخ (۳) اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (۴) وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ الخ (۵) وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا۔ یہ پانچ آیتیں ہوئیں۔

اور ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ مجھے سورۂ نساء کی آٹھ آیتیں تمام دنیا سے زیادہ محبوب

بفضلہ تعالیٰ ۵ صفر الخیر ۱۳۸۱ھ بوقت ۱/۲-۷ بجے صبح جامع اشرفیہ لاہور مسلم ٹاؤن میں اس سورت کی تفسیر کا اغاز ہوا

ہیں پہلی آیت یہ ہے۔ يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَ يَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ يَتُوْبَ عَلَيْكُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ۔ اور دوسری آیت یہ ہے۔ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ وَ يُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا۔ اور تیسری آیت یہ ہے۔ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا۔ پھر ابن مسعودؓ کے قول کے مطابق پانچ آیتیں بیان کیں یہ سب مل کر آٹھ آیتیں ہوئیں (تفسیر ابن کثیر)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ

اے لوگو ڈرتے رہو اپنے رب سے جس نے بنایا تم کو

نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ

ایک جان سے اور اسی سے بنایا اس کا جوڑا اور بکھیرے

مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّ نِسَآءً ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ

اُن دونوں سے بہت مرد اور عورتیں اور ڈرتے رہو اللہ سے جس کا

تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ

واسطہ دیتے ہو آپس میں اور خبردار رہو ناتوں سے اللہ ہے تم پر

رَقِيْبًا ①

مطلع

تمہیدِ احکامِ سورۃ دربارۂ ادائے حقوقِ قرابت حکمِ تقویٰ واطاعتِ ربّانی وتذکیرِ اتحادِ انسانی

قال تعالیٰ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ..... الیٰ..... اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ٥

حق جل شانہٗ نے اس سورت کا تقویٰ اور پرہیزگاری کے حکم سے آغاز فرمایا جو آیندہ احکام قرابت کی تمہید ہے اور تقویٰ کے حکم کے ساتھ اپنی خاص شان خالقیت کو ذکر فرمایا کہ تم سب ایک آدم کی اولاد ہو لہذا تم پر حق قرابت کا لحاظ اور پاسداری ضروری اور لازمی ہے۔

ؔ بنی آدم اعضاء یکدیگر ند ∴ کہ در آفرینش زیک جوہر اند
چو عضوے بدرد آورد روزگار ∴ دگر عضوھا را نماند قرار

نیز تم پر اس پروردگار کی اطاعت اور فرمانبرداری اور تقویٰ اور پرہیزگاری نہایت ضروری ہے کہ جس نے تم کو اپنی قدرت کاملہ سے پیدا کیا چونکہ اس سورت میں نکاح اور میراث اور احکام قرابت کا ذکر ہے اس لیے حق تعالیٰ نے ابتداء سورت میں مخاطبین کو یہ یاد دلایا کہ تم ایک ذات سے پیدا ہوئے ہو تاکہ دلوں میں یہ بات راسخ ہو جائے کہ ہم سب لوگ ایک ہی شخص کی اولاد ہیں تو بے اختیار برادرانہ محبت دلوں میں جوش کریگی اور ہر شخص یہ سمجھے گا کہ جب ہم سب ایک ہی شخص کی نسل ہیں تو ہم میں ایک کا ایک پر حق ہے چنانچہ فرماتے ہیں اے لوگو! ڈرتے رہو اپنے اس پروردگار سے جس نے تم کو ایک ذات سے پیدا کیا نفس واحدہ سے باتفاق مفسرین حضرت آدم علیہ السّلام مراد ہیں اور بعد ازاں اسی نفس واحدہ سے اس کا جوڑا یعنی اس کی زوجہ حواء کو بیدا کیا زوجہا سے حضرت حواء مراد ہیں. جمہور مفسرین کا قول ہے کہ حضرت آدم علیہ السّلام سو رہے تھے کہ سونے کی حالت میں خدا تعالیٰ نے ان کی بائیں پسلی سے حضرت حواء کو پیدا کیا جب بیدار ہوکر اُن کو دیکھا تو بہت خوش ہوئے یہی مضمون بعض حدیثوں میں بھی آیا ہے اور توریت سفر تکوین کی فصل ثانی میں بھی اس کی تصریح ہے اور پھر ان دونوں سے دنیا میں بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں یعنی پھر ان دونوں سے تمام بنی آدم کی نسل چلی حکماء حال اور دہریہ اور ہنود کے بعضے فرقے اس کے منکر ہیں وہ کہتے ہیں کہ نوع انسانی قدیم ہے ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی یہ مذہب عقلاً ونقلاً سراسر باطل ہے اور مکرر تم کو تاکید کی جاتی ہے کہ اس خدا سے ڈرو جس کے واسطہ سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو تمام قوموں میں

یہ دستور ہے کہ جب کسی سے کام پڑتا ہے تو اسے خدا کا واسطہ دیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ خدا کے لیے یا اللہ کے واسطے میرا یہ کام کر دو یا یوں کہتے ہیں کہ خدا سے ڈرو اور مجھ پر زیادتی نہ کرو پہلی آیت میں حکمِ تقویٰ کی یہ علت بیان کی تھی کہ وہ تمہارا رب اور خالق ہے اور اس آیت میں حکمِ تقویٰ کی یہ علت بیان کی کہ جس ذات کا تم واسطہ دے کر لوگوں سے حاجتوں کو مانگتے ہو تم کو چاہیے کہ عام طور پر تمام امور میں اس ذات پاک کے تقویٰ اور پرہیزگاری کو خاص طور پر ملحوظ رکھو اور خاص طور پر قرابتوں سے ڈرو یعنی رشتوں کے قطع کرنے اور اُن کے حقوق ضائع کرنے سے ڈرو تحقیق اللہ تعالےٰ تم پر نگہبان ہے دیکھتا ہے کہ تم قطع رحمی کرتے ہو یا صلہ رحمی ۔

فوائد

جمہور قرّاء نے والارحامَ کو فتح میم کے ساتھ منصوب پڑھا ہے اس بنا پر اس کا عطف لفظ اللہ پر ہوگا جو واتقوا اللہ میں واقع ہے اور ترجمہ اس طرح ہوگا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور قرابتوں سے ڈرو یعنی اُن کے قطع کرنے سے ڈرو اور اس کے حقوق کو ادا کرتے رہو گزشتہ تفسیر اسی قراءت پر مبنی ہے اور بعض قرّاء نے والارحامِ کو بکسر المیم مجرور پڑھا ہے اس صورت میں والارحامِ کا عطف بہٖ کی ضمیر مجرور پر ہوگا اور معنی یہ ہوں گے کہ اللہ سے ڈرو جس کے واسطہ سے تم سوال کرتے اور رحموں اور قرابتوں کے واسطہ سے بھی سوال کرتے ہو۔ اہل عرب کی عادت تھی کہ وہ جب اپنے کسی رشتہ دار کے پاس کوئی حاجت لے کر جاتے تو یوں سوال کرتے اسألك باللّٰه وبالرحم۔ میں تجھ سے اللہ کا اور رحم یعنی قرابت کا واسطہ دے کر یہ سوال کرتا ہوں یا یوں کہتے کہ میں تجھے اللہ کی اور قرابت کی قسم دیتا ہوں کہ تو میری یہ حاجت پوری کر دے اسی دستور کے مطابق حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب تم اللہ تعالیٰ کی عظمت اور حقوق رحم وقرابت کو جانتے ہو اور اس کا واسطہ دے کر لوگوں سے سوال کرتے ہو تو پھر خود اس پر عمل کیوں نہیں کرتے خدا سے ڈرو اور اعزاء اور اقرباء کے حقوق کو موافق شریعت کے ادا کیا کرو۔

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ

اور دے ڈالو یتیموں کو ان کے مال اور بدل نہ لو گندا

بِالطَّيِّبِ ۪ وَلَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ؕ

ستھرے سے اور نہ کھاؤ ان کے مال اپنے مالوں کے ساتھ

اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ۝۲

یہ ہے بڑا وبال

حکم اوّل دربارۂ اموال یتامیٰ

قال تعالیٰ وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ ...... الی ...... اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا۔

(ربط) آیت بالا میں تقویٰ اور حقوق قرابت اور اپنے بنی نوع کی رعایت اور ان کے ساتھ سلوک اور ہمدردی کا حکم تھا اب آیندہ اُن حقوق اور احکام کی تفصیل ہے جن میں یتیموں کے حقوق کو شاید اس لیے سب سے مقدم بیان فرمایا کہ یتیم اپنی بے سروسامانی اور بے کسی اور اور کم عمری کی وجہ سے زیادہ مستحق شفقت ورعایت ہے اس لیے یتیموں کے اولیاء اور سرپرستوں کو حکم دیا کہ یتیموں کا مال جو تمہارے قبضہ میں ہے اُس کو اُن کے بالغ ہو جانے کے بعد اُن کے حوالہ کر دو اور زمانۂ تولیت میں یتیموں کی اچھی چیز لے کر اس کے معاوضہ میں بری اور گھٹیا چیز اُن کے مال میں شامل نہ کردو۔

شانِ نزول

قبیلۂ غطفان میں ایک شخص تھا اس کا چچازاد یتیم ہو گیا وہ یتیم بھتیجا اور اس کا مال اسکی سرپرستی میں تھا جب وہ یتیم بالغ ہو گیا تو اس نے اپنے چچا سے اپنا مال طلب کیا اس نے مال دینے سے انکار کیا آخر یہ مقدمہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حضور میں پیش ہوا اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جب اُس شخص نے اس آیت کو سنا تو کہا کہ ہم نے خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کی اور ہم بڑے گناہ سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں اور اس یتیم کا مال فوراً اس کے حوالہ کر دیا (درمنثور) اور یتیموں کو (جب وہ بالغ ہو جائیں) اُن کے اموال اُن کے حوالہ کر دو اور زمانہ تولیت میں خراب مال کو عمدہ اور اچھے مال کے ساتھ نہ بدلو جیسا کہ جاہلیت کا دستور تھا کہ یتیموں کے سرپرست اپنے یتیم کے مال میں سے عمدہ مال لے لیا کرتے اور اسکی

جگہ اپنا ناقص مال رکھ دیتے اور ان کے مالوں کے ساتھ ملا کر نہ کھا جاؤ یعنی یتیموں کا مال اپنے مال کے ساتھ تجارت وغیرہ میں لگا کر شرکت کے بہانہ سے اُن کا مال کھا جاؤ تحقیق یہ بہت ہی بڑا گناہ اور وبال ہے صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا سات گناہ بہت بڑے ہیں جو آدمی کو ہلاک کر کے چھوڑتے ہیں یتیم کا مال کھا جانا شرک کرنا جادو کرنا کسی کو ناحق قتل کرنا جہاد سے بھاگنا پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانا ۔ سود کھانا ۔

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا

اور اگر ڈرو کہ انصاف نہ کرو گے یتیم لڑکیوں کے حق میں تو نکاح کرو جو تم کو خوش

طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ج

آویں عورتیں دو دو اور تین تین اور چار چار پھر اگر ڈرو کہ

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ

برابر نہ رکھو گے تو ایک ہی یا جو اپنے ہاتھ کا مال ہے اس میں لگتا ہے

اَيْمَانُكُمْ ط ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ط ﴿۳﴾

کہ ایک طرف نہ جھک پڑو ۔

حکمِ دوم دربارۂ نکاحِ یتامیٰ

قال تعالیٰ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى ...... الیٰ ...... اَلَّا تَعُوْلُوْا ۰

(ربط) گزشتہ آیت میں یتیموں کے مالی ضرر پہنچانے کے متعلق ہدایت تھی اب اس آیت میں یتیم لڑکیوں کے نکاح کے متعلق ہدایت ہے اس لیے کہ کبھی ایسا ہوتا کہ یتیم لڑکیاں جس کی تربیت میں دی جاتی وہ لڑکی اُس ولی کے مال میں بوجہ قرابت ایک دوسرے کے شریک ہوتے تو اب دو صورتیں پیش آئیں کبھی تو یہ ہوتا کہ ولی کو اُس یتیمہ کا مال اور جمال دونوں مرغوب ہوتے اور اس مال اور جمال کے لالچ میں اُس سے تھوڑے سے مہر پر نکاح کر لیتا چونکہ یتیم لڑکی کا کوئی

سرپرست نہیں ہوتا جو اُس کے حقوق کی حفاظت کرے اور اس کے حقوق کے لیے جھگڑے اس لیے یہ ولی اُس کے مہر میں بھی کمی کر دیتا اور بوجہ اس کی کمزوری کے اس کے دیگر حقوق زوجیت بھی پورے طور پر ادا نہ کرتا اور کبھی یہ ہوتا کہ اس یتیم لڑکی کی صورت تو مرغوب نہ ہوتی مگر ولی یہ خیال کرتا کہ اگر دوسرے سے نکاح کر دوں گا تو لڑکی کا مال میرے قبضہ سے نکل جائے گا اور میرے مال میں دوسرا شریک ہو جائے گا اس مصلحت سے اس یتیمہ سے نکاح تو جوں توں کر لیتا مگر منکوحہ سے کچھ رغبت نہ رکھتا اُس پر یہ آیت اتری اور اولیاء کو ارشاد ہوا اور اگر تم کو اس بات کا ذرہ احتمال بھی ہو اور اگر یقین ہو تو بدرجہ اولیٰ کہ تم یتیم لڑکیوں کے بارہ میں انصاف نہ کر سکو گے اور اُن کے مہر اور حسن معاشرت میں تم سے کوتاہی ہوگی تو ایسی حالت میں تم کو ان یتیم لڑکیوں سے نکاح کی اجازت نہیں بلکہ ان کے علاوہ اور عورتوں سے نکاح کر لو جو تم کو مرغوب اور پسند ہوں ایک نہیں دو دو اور تین تین اور چار چار تک تم کو اجازت ہے مگر چار سے زیادہ کی اجازت نہیں۔ یہ اجازت کی آخری حد ہے مطلب یہ ہے کہ اگر تم کو یہ ڈر ہو کہ یتیم لڑکیوں سے نکاح کرنے کی صورت میں اُن کے ساتھ منصفانہ برتاؤ نہ کر سکو گے تو ان سے نکاح ہی نہ کرو ان کے سوا اور عورتوں سے نکاح کر لو جو تمہیں پسند ہوں عورتوں کی کمی نہیں اور اللہ کی طرف سے کوئی تنگی نہیں ایک سے لے کر چار تک تم کو اجازت ہے پس جب تم مجبور نہیں اور تمہاری ضرورت یتامیٰ پر اٹکی اور لٹکی ہوئی نہیں تو پھر بے ضرورت کیوں کسی کے حق تلفی کے مرتکب ہوتے ہو کسی اور سے نکاح کر لو پس اگر تم کو ڈر ہو کہ کئی عورتوں میں عدل اور انصاف نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی نکاح پر قناعت کرو یا صرف کنیزوں پر بس کرو جو تمہارے ہاتھ کا مال ہیں کہ ان میں تمہیں سہولت ہے اس لیے کہ باندیوں کے حقوق آزاد عورتوں کے برابر نہیں یہ حکم اس بات کے زیادہ قریب ہے کہ تم بے انصافی نہ کرو اور کسی کی حق تلفی نہ کرو کیونکہ اگر ایک ہی بیوی ہوگی تو تم اسی کی طرف متوجہ رہو گے اور اس کے حقوق کی ادائیگی تم پر سہل ہوگی اور اگر صرف لونڈیاں اور باندیاں ہوں گی تو ان کے حقوق آزاد عورتوں کے برابر نہیں لہذا ان سے نباہ کچھ مشکل نہیں۔

تمام علماء اہل سنت والجماعت کا اس پر اتفاق اور اجماع ہے کہ مرد کو ایک وقت میں اپنے نکاح میں چار سے زیادہ عورتوں کو جمع کرنا درست نہیں زمانہ جاہلیت میں عورتوں کی کوئی تعداد مقرر نہ تھی ایک آدمی کے پاس دس دس اور آٹھ آٹھ عورتیں ہوا کرتی تھیں اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس کی حد مقرر کر دی کہ چار عورتوں سے زیادہ نکاح درست نہیں اور ایسا ہی احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔

عبداللہ بن عباسؓ اور جمہور علماء کہتے ہیں کہ یہ آیت مقام امتنان اور احسان کے بارہ میں ہے عورتوں سے نکاح کی اباحت اور اجازت حق تعالیٰ کی منت کبریٰ ہے پس اگر چار سے زیادہ جمع کرنا جائز

ہوتا تو حق تعالیٰ اس کو ضرور ذکر فرماتے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ سنّت نبوی نے حق تعالیٰ کی مراد خوب واضح کر دی کہ سوائے رسول اللہ ؐ کے کسی شخص کے لیے چار عورتوں سے زیادہ نکاح کرنا جائز نہیں۔

حافظ ابن کثیرؒ۔ امام شافعیؒ کے اس قول کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ اسی پر تمام علماء کا اجماع ہے مگر شیعوں کے ایک گروہ سے یہ منقول ہے کہ چار سے نو تک بھی جمع کرنا درست ہے تفسیر ابن کثیر ج ۱ صفحہ ۴۵۰۔

اور بعض شیعہ یہ کہتے ہیں کہ اباحت نکاح کے لیے کوئی حصر اور تعین نہیں اہل فہم ادنی تامل سے سمجھ سکتے ہیں کہ اگر عام اجازت مقصود ہوتی تو صرف مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ کہہ دینا کافی تھا چار تک کی تحدید کی کوئی ضرورت نہ تھی

اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں یعنی فَانْكِحُوْا میں تمام رجال عالم کو خطاب ہے اور مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ میں تمام عالم کی عورتیں مراد ہیں اور مقصود کلام یہ ہے کہ اے رجال عالم یہ تمام عورتیں ہم نے تمہارے لیے پیدا کی ہیں تم ان کو بطور نکاح وزوجیت آپس میں تقسیم کر لو مگر شرط اس اباحت اور اجازت کی یہ ہے کہ اس تقسیم میں مثنٰی اور ثلاث اور رباع کی قید کو ملحوظ رکھو کیونکہ مثنیٰ وثلاث ورباع۔ ترکیب نحوی کے اعتبار سے ماطاب سے حال ہے اور حال عامل کی قید ہوتا ہے اور یہاں عامل فَانْكِحُوْا ہے پس اباحتِ نکاح ان اقسام کے ساتھ مقید ہوگی چار کے اندر اندر اجازت ہوگی چار سے زائد ہونے کی صورت میں اجازت نہ رہے گی۔

جیسے کوئی امیر کسی جماعت سے یہ کہے اقتسموا ہذہ البدرۃ درہمین درہمین وثلاثۃ ثلاثۃ واربعۃ اربعۃ یعنی اس تھیلی کے دراہم و دنانیر کو دو دو یا تین تین یا چار چار آپس میں تقسیم کر لو مطلب یہ ہوگا کہ تقسیم میں کسی شخص کو چار سے زیادہ لینے کی اجازت نہ ہوگی۔

اسی طرح حق تعالیٰ نے اس آیت میں عالم کے تمام مردوں کو یہ اجازت دی ہے کہ تم عالم کی تمام عورتوں کو دو دو اور تین تین اور چار چار کر کے بطور نکاح آپس میں تقسیم کر لو اس تقسیم میں تم کو چار عورتیں تک لینے کی اجازت ہے اس سے زائد کی اجازت نہیں ہذا توضیح ما قالہ العلامۃ الزمخشری فی الکشاف وابوحیان فی البحر المحیط۔

ایک شبہ اور اسکا ازالہ

شبہ یہ ہے کہ جس طرح سورۂ فاطر کی آیت دربارۂ ملائکہ اُولِیْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ میں مثنیٰ ورباع کا ذکر تقیید اور تحدید کے لیے نہیں اسی طرح ممکن ہے کہ آیت نکاح

میں بھی مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ کا ذکر تحدید کے لیے نہ ہو۔

جواب

سورۂ فاطر کی آیت میں مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ، اجنحۃ کی صفت ہے کہ فرشتے ایسے ایسے پیدا کیئے گئے ہیں اس آیت میں مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ کا ذکر محض بطور خبر آیا ہے کسی حکم کی قید نہیں جو ماعدا کی نفی پر دلالت کرے جیساکہ تمام بلغاء کے نزدیک مسلّم ہے کہ بعض اوصاف ذکر کرنے سے دوسرے اوصاف کے نفی پر استدلال کرنا غلط ہے بخلاف اس صورت کے کہ جب کوئی عدد معین کسی حکم کے تقیید کے لیے ذکر کیا جائے تو وہ بلاشبہ تحدید پر دلالت کرے گا اور یہ آیت عورتوں کے نکاح کے حکم کے بارہ میں آئی ہے کہ تمہیں اس طرح کی اجازت ہے اور یہ اجازت چار چار تک ہے لہذا اس پر زیادتی جائز نہ ہوگی اور عورتوں سے نکاح کی اجازت اور اباحت کا حکم چار تک مقصور ہوگا۔

مسئلہ تعدُّدِ ازدواج

شریعت اسلامیہ غایت درجہ معتدل اور متوسط ہے افراط اور تفریط کے درمیان میں ہے نہ تو عیسائیوں کے راہبوں اور ہندوؤں کے جوگیوں اور گسائیوں کی طرح ملنگ بننے کی اجازت دیتی ہے اور نہ صرف ایک عورت ہی پر قناعت کرنے کو لازم گردانتی ہے بلکہ حسب ضرورت ومصلحت ایک سے چار تک اجازت دیتی ہے۔

چنانچہ پادری لوگ بھی نظر عمیق کے بعد اسی کا فتویٰ دیتے ہیں جیساکہ کتاب مسمی بہ اصلاح سہو مطبوعہ امریکن مشن پریس ۱۸۷۱ء میں لکھتے ہیں کہ تعدّد ازدواج بنی اسرائیل میں تھا اور خدا نے اُس کو منع نہیں کیا بلکہ برکت کا وعدہ کیا اور عارئین لوتھر نے فلپ کو دو جوروؤں کی اجازت دی تھی منقول از تفسیر حقانی ص۱۶۶ ج ۳۔ تاریخ عالم کے مسلمات میں سے ہے کہ اسلام سے پہلے تمام دنیا میں یہ رواج تھا کہ ایک شخص کئی کئی عورتوں کو اپنی زوجیت میں رکھتا تھا اور یہ دستور تمام دنیا میں رائج تھا حتیٰ کہ حضرات انبیاء بھی اس دستور سے مستثنیٰ نہ تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی دو بیبیاں تھیں حضرت سارہ اور حضرت ہاجرہ حضرت اسحاق علیہ السّلام کے بھی متعدّد بیویاں تھیں حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے بھی کئی بیویاں تھیں اور سلیمان علیہ السّلام کے بلیسیوں بیویاں تھیں اور حضرت داؤد علیہ السّلام کے سو بیویاں تھیں اور

توریت وانجیل و دیگر صحف انبیاء میں حضرات انبیاء کی متعدّد ازواج کا ذکر ہے اور کہیں اسکی ممانعت کا ادنیٰ اشارہ بھی نہیں پایا جاتا صرف حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السّلام ایسے نبی گزرے ہیں کہ جنہوں نے بالکل شادی نہیں فرمائی ان کے فعل کو اگر استدلال میں پیش کیا جائے تو ایک شادی بھی ممنوع ہو جائے گی احادیث میں ہے کہ عیسیٰ علیہ السّلام قیامت کے قریب آسمان سے نازل ہوں گے اور نزول کے بعد شادی فرمائیں گے اور ان کے اولاد بھی ہوگی۔

غرض یہ کہ علماء یہود اور علماء نصاریٰ کو مذہبی حیثیت سے تعدّد ازدواج پر اعتراض کا کوئی حق نہیں صرف ایک ہی بیوی رکھنے کا حکم کسی مذہب اور ملّت میں نہیں نہ ہندؤں کے شاستروں میں نہ توریت میں اور نہ انجیل میں صرف یورپ کا رواج ہے نہ معلوم کس بنا پر یہ رواج رائج ہوا اور جب سے یورپ میں یہ رواج چلا اس وقت سے مغربی قوموں میں زناکاری کی اس درجہ کثرت ہوئی کہ پچاس فیصدی آبادی غیر ثابت النسب ہے اور جن قوموں نے تعدّد ازدواج کو برا سمجھا ہے وہی قومیں اکثر زناکاری میں مبتلا ہیں۔

اسلام سے پیشتر دنیا کے ہر ملک اور ہر خطہ میں کثرت ازدواج کی رسم خوب زور وشور سے رائج تھی اور بعض اوقات ایک ایک شخص سو سو تک عورتوں سے شادیاں کر لیتا تھا اسلام آیا اور اس نے اصل تعدّد ازدواج کو جائز قرار دیا مگر اسکی ایک حد مقرر کر دی اسلام نے تعدّد ازدواج کو واجب اور لازم نہیں قرار دیا بلکہ بشرط عدل وانصاف اسکی اجازت دی کہ تم کو چار بیویوں کی حد تک نکاح کی اجازت ہے اور اس چار کی حد سے تجاوز کی اجازت نہیں اس لیے کہ نکاح سے مقصود عفت اور تحصین فرج ہے چار عورتوں میں جب ہر تین شب کے بعد ایک عورت کی طرف رجوع کرے گا تو اس کے حقوق زوجیت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا شریعت اسلامیہ نے غایت درجہ اعتدال اور توسط کو ملحوظ رکھا کہ نہ تو جاہلیت کی طرح غیر محدود کثرت ازدواج کی اجازت دی کہ جس سے شہوت رانی کا دروازہ کھل جائے اور نہ اتنی تنگی کی کہ ایک عورت سے زائد کی اجازت ہی نہ دی جائے بلکہ بین بین حالت کو برقرار رکھا کہ چار تک اجازت دی تاکہ

(۱) نکاح کی غرض وغایت (یعنی عفت اور حفاظت نظر اور تحصین فرج اور تناسل اور اولاد) بسہولت حاصل ہو سکے اور زنا سے بالکلیہ محفوظ ہو جائے اس لیے کہ بعض قوی اور توانا اور تندرست اور فارغ البال اور خوشحال لوگوں کو ایک بیوی سے زیادہ کی ضرورت ہوتی ہے اور بوجہ قوت اور توانائی اور اوپر سے فارغ البالی اور خوشحالی کی وجہ سے چار بیویوں کے بلا تکلف حقوق زوجیت ادا کرنے پر قادر ہوتے ہیں۔

بلکہ

ایسے قوی اور توانا جن کے پاس لاکھوں کی دولت بھی موجود ہے اگر وہ اپنے خاندان کی چار غریب عورتوں سے اس لیے نکاح کریں کہ ان کی تنگ دستی مبدل بفراخی ہو جائے اور غربت کے گھرانہ سے نکل کر ایک راحت اور دولت کے گھر میں داخل ہوں اور حق تعالےٰ کی نعمت کا شکر کریں تو امید ہے کہ ایسا نکاح اسلامی نقطۂ نظر سے بلاشبہ عبادت اور عین عبادت ہوگا اور قومی نقطۂ نظر سے اعلیٰ ترین قومی ہمدردی ہوگی جس دولت مند اور زمیندار اور سرمایہ دار کے خزانہ سے ہر مہینہ دس ہزار مزدوروں کو تنخواہیں ملتی ہوں اور دس ہزار خاندان اس کی اعانت اور امداد سے پرورش پاتے ہوں تو اگر اس کے خاندان کی چار عورتیں بھی اس کی حرم سرائے میں داخل ہو جائیں اور عیش و عشرت کے ساتھ اُن کی عزت و ناموس بھی محفوظ ہو جائے تو عقلاً و شرعاً اس میں کوئی خرابی نظر نہیں آتی ۔ بلکہ .... اگر کوئی بادشاہ یا صدر مملکت یا وزیر سلطنت یا کوئی صاحب ثروت و دولت بذریعہ اخبار یہ اعلان کرے کہ میں چار عورتوں سے نکاح کرنا چاہتا ہوں اور ہر عورت کو ایک ایک لاکھ مہر دوں گا اور ایک ایک بنگلہ کا ہر ایک کو مالک بنا دوں گا جو عورت مجھ سے نکاح کرنا چاہے وہ میرے پاس درخواست بھیج دے ۔

تو سب سے پہلے

انہی بیگمات کی درخواستیں پہنچیں گی جو آج تعدّد ازدواج کے مسئلہ پر شور برپا کر رہی ہیں یہی بیگمات سب سے پہلے اپنے آپ کو اور اپنی بیٹیوں اور بھتیجیوں اور بھانجیوں کو لیکر امراء اور وزراء کے بنگلوں پر خود حاضر ہو جائیں گی اور اگر کوئی امیر اور وزیر ان کے قبول کرنے میں کچھ تامل کرے گا تو یہی بیگمات دل آویز طریقہ سے اُن کو تعدّد ازدواج کے فوائد اور منافع سمجھائیں گی ۔

(۲)

نیز بسا اوقات ایک عورت امراض کی وجہ سے یا حمل اور توالد و تناسل کی تکلیف میں مبتلا ہونے کی وجہ سے اس قابل نہیں رہتی کہ مرد اس سے منتفع ہو سکے تو ایسی صورت میں مرد کے زنا سے محفوظ رہنے کی عقلاً اس سے بہتر کوئی صورت نہیں کہ اُس کو دوسرے نکاح کی اجازت دی جائے ۔

حکایت

ایک بزرگ کی بیوی نابینا ہوگئی تو انہوں نے دوسرا نکاح کیا تاکہ یہ دوسری بیوی پہلی نابینا بیوی کی خدمت کر سکے

اہل عقل فتویٰ دیں کہ اگر کسی کی پہلی بیوی معذور ہو جائے اور دوسرا نکاح اس لیے کرے تاکہ دوسری بیوی آکر پہلی بیوی کی خدمت کر سکے اور اس کے بچوں کی تربیت کر سکے کیا یہ دوسرا نکاح عین عبادت اور عین مروّت اور عین انسانیت نہ ہوگا۔

(۳)

نیز بسا اوقات عورت امراض کی وجہ سے یا عقیم (بانجھ) ہونے کی وجہ سے توالد اور تناسل کے قابل نہیں رہتی اور مرد کو بقاء نسل کی طرف فطری رغبت ہے ایسی صورت میں عورت کو بے وجہ طلاق دے کر علیحدہ کر دینا یا اس پر کوئی الزام لگا کر طلاق دے دینا (جیسا کہ دن رات یورپ میں ہوتا رہتا ہے) یہ صورت بہتر ہے یا یہ صورت بہتر ہے کہ اس کی زوجیت اور اس کے حقوق کو محفوظ رکھ کر دوسرے نکاح کی اجازت دے دیں بتلاؤ کون سی صورت بہتر ہے۔

اگر کسی قوم کو اپنی تعداد بڑھانی منظور ہو یا عام طور پر بنی نوع کی افزائش نسل مد نظر ہو تو سب سے بہتر یہی تدبیر ہو سکتی ہے کہ ایک مرد کئی کئی شادیاں کرے تاکہ بہت سی اولاد پیدا ہو۔

(۴)

نیز عورتوں کی تعداد قدرتاً اور عادۃً مردوں سے زیادہ ہے مرد بہ نسبت عورتوں کے پیدا کم ہوتے ہیں اور مرتے زیادہ ہیں لاکھوں مرد لڑائیوں میں مارے جاتے ہیں اور ہزاروں مرد جہازوں میں ڈوب کر مر جاتے ہیں اور ہزاروں کانوں میں دب کر اور تعمیرات میں بلندیوں سے گر کر مر جاتے ہیں اور عورتیں پیدا زیادہ ہوتی ہیں اور مرتی کم ہیں پس اگر ایک مرد کو کئی شادیوں کی اجازت نہ دی جائے تو یہ فاضل عورتیں بالکل معطل اور بیکار رہیں کون ان کی معاش کا کفیل اور ذمہ دار بنے اور کس طرح یہ عورتیں اپنے کو زنا سے محفوظ رکھیں پس تعدد ازدواج کا حکم بے کس عورتوں کا سہارا ہے اور ان کی عصمت اور ناموس کی حفاظت کا واحد ذریعہ ہے اور ان کی جان اور آبرو کا نگہبان اور پاسبان ہے عورتوں پر اسلام کے اس احسان کا شکر واجب ہے کہ تم کو تکلیف سے بچایا اور راحت پہنچائی اور ٹھکانا دیا اور لوگوں کی تہمت اور بدگمانی سے تم کو محفوظ کر دیا دنیا میں جب کبھی عظیم الشان لڑائیاں پیش آتی ہیں تو مرد ہی زیادہ مارے جاتے ہیں اور قوم میں بے کس عورتوں کی تعداد بڑھ جاتی ہے تو اس وقت ہمدردان قوم کی نگاہیں

اس اسلامی اصول کی طرف اٹھ جاتی ہیں ابھی تیس سال قبل کی بات ہے کہ جنگ عظیم کے بعد جرمنی اور دوسرے یورپی ممالک جن کے مذہب میں تعدد ازدواج جائز نہیں عورتوں کی بے کسی کو دیکھ کر اندر ہی اندر تعدد ازدواج کے جواز کا فتویٰ تیار کر رہے تھے۔

جو لوگ تعدد ازدواج کو برا سمجھتے ہیں ہم اُن سے یہ سوال کرتے ہیں کہ جب ملک میں عورتیں لاکھوں کی تعداد میں مردوں سے زیادہ ہوں تو اُن کی فطری اور طبعی جذبات اور اُن کی معاشی ضروریات کی تکمیل کے لیے آپ کے پاس کیا حل ہے اور آپ نے ان بے کس عورتوں کی مصیبت دور کرنے کے لیے کیا قانون بنایا ہے افسوس اور صد افسوس کہ اہل مغرب اسلام کے اس جائز تعدد ازدواج پر عیش پسندی کا الزام لگائیں اور غیر محدود ناجائز تعلقات اور بلا نکاح کے لاتعداد آشنائی کو تہذیب اور تمدن سمجھیں زنا جو کہ تمام انبیاء و مرسلین کی شریعتوں میں حرام اور تمام حکماء کی حکمتوں میں قبیح رہا مغرب کے مدعیان تہذیب کو اس کا قبح نظر نہیں آتا اور تعدد ازدواج کہ جو تمام انبیاء و مرسلین اور حکماء اور عقلاء کے نزدیک جائز اور مستحسن رہا وہ ان کو قبیح نظر آتا ہے ان مہذب قوموں کے نزدیک تعدد ازدواج تو جرم ہے اور زنا اور بدکاری جرم نہیں۔

(۵)

عورتیں۔ مرد سے عقل میں بھی نصف ہیں اور دین میں بھی نصف ہیں جس کا حاصل یہ نکلا کہ ایک عورت ایک مرد کا ربع یعنی چوتھائی ہے اور ظاہر ہے کہ چار ربع مل کر ایک بنتے ہیں معلوم ہوا کہ چار عورتیں ایک مرد کے برابر ہیں اس لیے شریعت نے ایک مرد کو چار عورتوں سے نکاح کی اجازت دی۔

ایک عورت کیلئے متعدد خاوند ہونے کی ممانعت کی وجہ

(۱) اگر ایک عورت چند مردوں میں مشترک ہو تو بوجہ استحقاق نکاح ہر ایک کو قضاء حاجت کا استحقاق ہوگا اور اس میں غالب اندیشہ فساد اور عناد کا ہے شاید ایک ہی وقت میں سب کو ضرورت ہو اور عجب نہیں کہ نوبت قتل تک پہنچے۔

ہندوؤں کے بعض فرقوں کے مذہب میں یہ جائز ہے کہ پانچ بھائی مل کر ایک عورت رکھ لیں بے غیرتوں کا مذہب بے غیرتی ہی کی باتیں بتلاتا ہے اسلام جیسا باعزت مذہب ہرگز ہرگز اس کی اجازت نہیں دیتا کہ عورت کبھی کسی سے ہم آغوش اور ہم کنار ہو اور کبھی کسی سے۔

(۲) مرد فطرتاً حاکم ہے اور عورت محکوم ہے اس لیے کہ طلاق کا اختیار مرد کو ہے جب تک

مرد عورت کو آزاد نہ کرے تو عورت دوسرے مرد سے نکاح نہیں کر سکتی جیسے باندی اور غلام باختیار خود قید سے نہیں نکل سکتے اسی طرح عورت باختیار خود قید نکاح سے نہیں نکل سکتی باندی اور غلاموں میں اگر اعتاق ہے تو عورتوں میں طلاق غرض یہ کہ جب مرد حاکم ہوا تو عقلاً یہ تو جائز ہے کہ ایک حاکم کے ماتحت متعدد محکوم ہوں اور متعدد اشخاص کا ایک حاکم کے ماتحت رہنا نہ موجب ذلّت وحقارت ہے نہ موجب صعوبت۔ بخلاف اس کے کہ ایک شخص متعدّد حاکموں کے ماتحت ہو تو ایسی صورت میں کہ جب محکوم ایک ہو اور حاکم متعدّد ہوں تو محکوم کے لیے عجب مصیبت کا سامنا کہ کس کس کی اطاعت کرے اور ذلت بھی ہے جتنے حاکم زیادہ ہوں گے اسی قدر محکوم میں ذلت بھی زیادہ ہو گی۔

اس لیے شریعت اسلامیہ نے ایک عورت کو دو یا چار خاوند سے نکاح کی اجازت نہیں دی اس لیے کہ اس صورت میں عورت کے حق میں تحقیر و تذلیل بھی بہت ہے اور مصیبت بھی نہایت سخت ہے۔

نیز متعدد شوہروں کی خدمت بجالانا اور سب کو خوش رکھنا ناقابل برداشت ہے اس لیے شریعت نے ایک عورت کو دو یا چار مردوں سے نکاح کی اجازت نہیں دی تاکہ عورت اس تذلیل و تحقیر اور ناقابل برداشت مشقت سے محفوظ رہے۔

(۳)

نیز اگر ایک عورت کے متعدد شوہر ہوں تو متعدد شوہروں کے تعلق سے جو اولاد پیدا ہو گی وہ ان میں سے کس کی اولاد ہو گی اور اُن کی تربیت کس طرح ہو گی اور ان کی وراثت کس طرح تقسیم ہو گی نیز وہ اولاد چاروں شوہروں کی مشترکہ ہو گی یا منقسم اور تقسیم کس طرح ہو گی اگر ایک ہی فرزند ہوا تو چار باپوں میں کس طرح تقسیم ہو گا اور اگر متعدد اولاد ہوئی اور نوبت تقسیم کی آئی تو بوجہ اختلاف ذکورت وانوثت اور بوجہ تفاوت شکل وصورت اور بوجہ اختلاف قوت وصحت اور بوجہ تفاوت فہم وفراست موازنہ تو ممکن نہیں اس لیے اس تفاوت کی وجہ سے تقسیم اولاد کا مسئلہ غایت درجہ پیچیدہ ہو گا اور نہ معلوم باہمی نزاع سے کیا کیا صورتیں اور فتنے رونما ہوں۔[۱]

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ کا کلام معرفت التیام

حق جل شانہٗ کا ارشاد ہے نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ یعنی تمہاری عورتیں تمہارے کھیت

[۱] دیکھو اجوبۂ اربعین ص۲۱ ج ۲ - اور دیکھو انتصار الاسلام ص۴۳۔

ہیں ۔ اس سے صاف روشن ہے کہ نکاح سے مقصود اولاد ہے کیونکہ کھیت سے مطلوب پیداوار ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ اس کھیت کی پیداوار یہی اولاد ہے گیہوں چنا وغیرہ نہیں اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ شیعوں کے نزدیک جو سارے جہان کے خلاف اپنی بی بی سے اغلام درست ہے وہ کلام اللہ کے بھی مخالف ہے مگر اغلام سے تولد اولاد متصور نہیں مگر ہاں شاید شیعوں ہیں یہ کرامت ہو کہ نطفہ ادھر سے ادھر چلا جاتا ہو ۔ باقی رہا جملہ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ جس کا یہ مطلب ہے کہ اپنی زمین میں بیج ڈالنے کے لیے شرق کی طرف سے جاؤ یا غرب کی طرف سے بہرحال تم کو اختیار ہے اور اس سے ہر کوئی یہی سمجھتا ہے کہ مقصود اصلی بونا ہے وہ دونوں طرف سے جانے ہیں برابر حاصل ہے پیداوار دونوں میں ایک ہی طرح سے ہوگی ایسے ہی اس جملہ سے ہر عاقل یہی سمجھے گا کہ اپنی بیبیوں سے الٹے سیدھے جس طرح چاہو صحبت کرو تولد اولاد میں دونوں صورتیں برابر ہیں یہ نہیں کہ سیدھی صحبت کیجئے تو بچا اچھا ہو اور الٹی کیجئے تو احول (بھینگا) پیدا ہو جیسا کہ یہودی کہا کرتے تھے چنانچہ اسی وہم فاسد کے ازالہ اور دفع کے لیے یہ ارشاد ہوا فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ مگر علماء شیعہ کی خوش فہمی دیکھیے کہ بات کیا تھی اور کیا مطلب سمجھ گئے مگر وہ بھی کیا کریں اگر متعہ اور اغلام نہ ہوتا تو خواص تو متنفر تھے ہی عوام کالانعام بھی اس مذہب کو پسند نہ کرتے ۔

علاوہ بریں ولد صالح کا باقیات صالحات میں سے ہونا بھی اولاد کے مقصود ہونے پر شاہد ہے کیونکہ اگر شہوت رانی ہی مقصود ہوتی اور اولاد مقصود نہ ہوتی تو ان کے حساب سے اولاد کا ہونا اور نہ ہونا برابر ہوتا اگر صالح ہوتی تو کیا اور فاسق ہوئی تو کیا اور علی ہذا القیاس سقی ماء غیر یعنی عورت حاملہ من الغیر سے جماع حرام نہ ہوتا چنانچہ ظاہر ہے بہرحال مقصود اصلی نکاح سے اولاد ہے شہوت رانی مقصود اصلی نہیں جیسے اکل غذاء سے بدل ما یتحلل مقصود ہے اور بھوک مثل چپراسی سرکاری اس بیگار کے لیے متقاضی ہے ایسے ہی عورتوں سے اولاد مطلوب ہے اور شہوت جماع تقاضا جماع کے لیے ساتھ لگا دی گئی ہے مگر جب اولاد مقصود ٹھہری چنانچہ آیت مسطور اس پر شاہد ہے اور نیز عقل سلیم اس پر گواہ تو پھر ایک عورت کو زمانہ واحد میں دو یا زیادہ مردوں سے نکاح کی اجازت قرین عقل نہ ہوگی اس لیے کہ زمین کی پیداوار تو سب ایک سی ہوتی ہے اور اس کے سب دانے باہم متشابہ ہوتے ہیں خورش میں سب یکساں کسی کو کسی پر کچھ فوقیت نہیں اس لیے شرکت میں کوئی خرابی پیش نہیں آتی علی السویہ تقسیم ہو سکتی ہے پر اولاد میں اگر اشتراک تجویز کیا جائے تو ایک نزاع عظیم برپا ہو جائے اس لیے کہ اول تو یہی کچھ ضرور نہیں کہ ایک سے زیادہ بچہ پیدا ہو اور دو تین پیدا بھی ہوئے تو کچھ ضرور نہیں کہ سب لڑکے ہی ہوں یا سب لڑکیاں ہی ہوں اور پھر سب ایک ہی نمبر کے عاقل و فاضل ہوں بلکہ عادت اللہ یوں ہی جاری ہے کہ جیسے پانچوں انگلیاں یکساں نہیں ہوتیں ایسی ہی تمام اولاد یکساں نہیں ہوتی تو پھر تقسیم اولاد کی کیا صورت ہو

گی ۔ خاص کر جب کہ بچہ ایک ہو اور عورت کے خاوند متعدد ہوں یا خاوندوں کا عدد تو زوج ہو اور اولاد کا عدد طاق ہو تو اور بھی دشواری ہو گی ہاں اگر اولاد کاٹنے پھاٹنے کے قابل ہوتی تو مثل غلۂ مشترک یا جامۂ مشترک ۔ کاٹ پھانٹ کر برابر کر لیتے اور نزاع دفع کر لیتے یا مثل غلام عورت کا ہر وقت ایک حال رہتا اور یہ تفاوت احوال اور اختلاف کیفیات مزاجی نہ ہوتا تو ہفتہ وار یا ماہوار یا سال وار ایک خاوند کے پاس رہا کرتی مگر اول تو ہر دم اور ہر حال میں رحم زن نطفہ کو قبول نہیں کرتا دوسرے یہ کہ اختلاف احوال زن بسا اوقات اختلاف ذکورت وانوثت اور عقلی اور بے عقلی کا سبب بن جاتا ہے چنانچہ جو لوگ دقائق طبیہ اور حقائق موجبات اختلاف امزجۂ اولاد سے واقف ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ وقت جماع جو کیفیت والدین اور خصوصاً والدہ پر غالب ہوتی ہے وہی کیفیت اولاد کے حق میں خلق اور طبیعت بن جاتی ہے والدین کی کیفیت مزاجی کو اولاد کے اخلاق اور عقل میں دخل تام ہے الغرض بوجہ تفاوت احوال معلومہ یہ ممکن نہیں کہ غلام کی طرح عورت نوبت بنوبت ہر خاوند کے پاس رہا کرے کیونکہ خدمت غلام کوئی امر معین نہیں جو اس کی مقدار تعین نوبت میں ملحوظ رہے اس لیے وہاں وہ زمانہ جس میں خدمت معتد بہ تمام شرکاء کے نزدیک ادا کر سکے معین ہو سکے گا اور عورت میں خدمت فراش یعنی جماع کی مقدار نوبت کی تعین نہایت دشوار ہے علاوہ ازیں مرد میں ہر لحظہ حاجت الی الجماع کا احتمال ہے اور یہ حاجت بدون عورت کے رفع ہونا محال ہے بخلاف غلام کے کہ اگر غلام موجود نہ ہو تو وہ اپنا کاروبار اپنے ہاتھ سے بھی انجام دے سکتا ہے اور جماع میں یہ متصور نہیں تو ان وجوہ سے زوجہ میں شرکت خلاف مصلحت ہوئی ملخص از اجوبۂ اربعین از ص ۲۱/۲۲ تا ص ۲۲/۲۲)

الغرض شریعت نے ان فتنوں کا دروازہ بند کرنے کے لئے ایک عورت کے لیے متعدد مردوں سے نکاح کو ممنوع اور حرام قرار دیا ۔

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ

اور دے ڈالو عورتوں کو مہر اُن کے خوشی سے پھر اگر وہ اس میں سے کچھ

شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓــًٔـا مَّرِیْٓــًٔـا ﴿۴﴾

چھوڑ دیں تم کو دل کی خوشی سے تو وہ کھاؤ رچتا پچتا

حکم سوم دربارۂ تسلیم مہر

قال تعالیٰ وَ اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ .... الیٰ .... فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔـا مَّرِيْٓـًٔـا ۝

(ربط) اوپر نکاح کا بیان تھا اب اس آیت میں مہر کا بیان ہے جو نکاح کے لوازم میں سے ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور دے ڈالو عورتوں کو ان کا مہر خوش دلی کے ساتھ پھر وہ اگر اس میں سے خوشدلی کے ساتھ تمہیں کچھ چھوڑ دیں یا ہبہ کر دیں تو کھاؤ اس کو لذیذ اور مزہ دار اور خوشگوار سمجھ کر ھنیٔ کے معنی لذیذ اور خوشگوار کے ہیں اور مریٔ کے معنی یہ ہیں کہ جس کا انجام بخیر ہو اور ٹھیک ہضم ہو جائے اور کچھ نقصان نہ دے مقصود یہ ہے کہ عورتوں کے اس عطیہ کا کھانا بلاشبہ حلال ہے اور مردوں کا فریضہ یہ ہے کہ وہ عورتوں کا مہر خوشدلی سے ادا کر دیں یہ ان کا حق ہے

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ

اور مت پکڑوا دو بے عقلوں کو اپنے مال جو بنائے اللہ نے تمہاری گزران

قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا

اور ان کو اس میں کھلاؤ اور پہناؤ اور کہو ان سے بات معقول اور سدھاتے

مَّعْرُوْفًا ۝۵ وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ

رہو یتیموں کو جب تک پہنچیں نکاح کی عمر کو

فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ

پھر اگر دیکھو ان میں ہوشیاری تو حوالے کر دو ان کو ان کے مال

وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ؕ وَمَنْ كَانَ

اور کھا نہ جاؤ ان کو اڑا کر اور گھبرا کر کہ یہ بڑے نہ ہو جاویں اور جو کوئی

غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ

محظوظ ہو تو چاہیے بچتا رہے اور جو کوئی محتاج ہے تو کھاوے

بِالْمَعْرُوْفِ ۭ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَھُمْ

موافق دستور کے پھر جب ان کو حوالے کرو ان کے مال

فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝۶

تو شاہد کر لو اس پر اور اللہ بس ہے حساب سمجھنے والا

حکم چہارم و پنجم

دربارۂ تفویضِ اموال بسوئے مبذرین و مسرفین و حفظِ اموال یتامیٰ

قال تعالٰے وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاۗءَ اَمْوَالَكُمُ ...... الٰے ...... وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا.

(ربط) اوپر کی آیتوں میں حق تعالیٰ نے یہ حکم دیا تھا کہ یتیموں کے مال جو تمہارے تصرف میں ہیں وہ ان کے حوالہ کر دو اب اس آیت میں یہ بتلاتے ہیں کہ وہ اموال اُن کو کب سپرد کیے جائیں یعنی جب وہ عاقل و بالغ ہو جائیں اور اپنے مال کی حفاظت کر سکیں اور بے وقوف اور فضول خرچ نہ ہوں چنانچہ فرماتے ہیں اور مت دو بے وقوفوں اور بے عقلوں کو اپنے اموال جن کو حق تعالیٰ نے تمہارے گزران اور قیام معیشت کا ذریعہ بنایا ہے اور تمہاری دینی اور دنیوی مصلحتوں اور ضرورتوں کا بقاء مال پر رکھا ہے گزران معاش اور حج اور جہاد وغیرہ سب مال پر موقوف ہیں اس لیے اس قابل قدر نعمت کو ان بے وقوفوں اور فضول خرچوں کے حوالہ نہ کرو بلکہ اس کو اپنی حفاظت میں رکھو اس حکم سے خدا تعالیٰ کا مقصود یہ ہے کہ یتیموں اور ضعیفوں اور عاجزوں کے مال محفوظ رہیں۔

مفسرین کا اختلاف ہے کہ اس آیت میں سفہاء سے کون لوگ مراد ہیں بعض کہتے ہیں کہ اس سے یتیم اور عورتیں مراد ہیں اور اموالکم سے یتیموں کے اموال مراد ہیں چونکہ یہ اموال اولیاء کے تصرف میں ہیں اس لیے مخاطبین کی طرف مضاف کیے گئے گویا کہ وہ ایک طرح پر تمہارے ہی مال ہیں اشارہ اس طرف ہے کہ یتیموں کے مالوں کو اپنا مال سمجھو اور عبداللہ بن عباس رضؓ اور عبداللہ بن مسعود رضؓ وغیرہما کی رائے یہ ہے کہ سفہاء سے مخاطبین کے بچے اور عورتیں مراد ہیں اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ مال حق تعالیٰ کی نعمت ہے جو تمہارا

ذریعۂ معاش ہے ایسا مت کرو کہ اپنا مال بیوی اور بچوں کو دے کر خالی ہاتھ ہو جاؤ اور پھر ان کے دست نگر ہو جاؤ جس کی بیوی اور بچے بدسلیقہ ہوں تو اُن کے ہاتھ میں خرچ نہ دینے کیلئے یہ آیت اتری ہے اور بعض کی رائے یہ ہے کہ تخصیص کسی کی نہیں سفہاء سے ہر وہ بے وقوف مراد ہے جس کو اپنے مال کی حفاظت کا سلیقہ نہ ہو اور جو شخص بے وقوفی سے مال کو ضائع اور برباد کر دے وہی سفیہ ہے خواہ وہ یتیم ہو اور خواہ اپنی بیوی اور بچے ہوں اور ان کو انہی مالوں میں سے کھلاؤ اور پہناؤ اور اُن کی تسلی کے لیے اُن سے معقول اور نیک بات کہدو کہ تم گھبراؤ نہیں یہ مال تمہارا ہی ہے چونکہ فی الحال تم ناسمجھ ہو اس لیے تمہارے ہاتھ میں نہیں دیا جب سمجھدار ہو جاؤ گے تو تمہاری یہ امانت تمہارے حوالہ کر دی جائے گی اور مال سپرد کرنے سے پہلے ان یتیموں کی ہوشیاری کا امتحان کر و کہ وقتاً فوقتاً تھوڑا تھوڑا مال اُن کو دیا کرو اور اُن کے ذریعہ کچھ خرید و فروخت کیا کرو تاکہ اُن کی ہوشیاری اور سلیقہ کا اندازہ ہو یہاں تک کہ جب وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں پس اگر تم ان میں ایک گو نہ ہوشیاری اور حسن تدبیر کو دیکھو کہ اب اُن کو اتنا سلیقہ آگیا ہے کہ اپنے مال کی حفاظت کر سکیں تو پھر ان کے اموال اُن کے عاقل و بالغ ہوتے ہی بلا تاخیر اُن کے حوالہ کر دو رشد اور صلاحیت کے بعد تاخیر نہ کرو۔

مسئلہ

حق جل شانہ کے اس ارشاد وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاۤءَ سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ بیوقوفوں کو جب تک اُن کی بے وقوفی زائل ہو اور رشد کو پہنچیں تو اُن کا مال اُن کے حوالے نہ کیا جائے اگرچہ وہ سو برس کے بوڑھے ہو جائیں۔

امام شافعیؒ اور جمہور علماء کی یہی رائے ہے مگر امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ پچیس سال کی عمر کا انتظار کرو اس درمیان میں اگر اُس کو سمجھ آجائے تو مال اُس کے حوالہ کردو ورنہ جب پچیس سال کی عمر ہو جائے تو ہر حال میں اُس کا مال اس کو دے دینا چاہیے پوری سمجھ آئے یا نہ آئے ورنہ کیا ساری عمر ہی نابالغ رہے گا اور کیا بوڑھا ہو کر بھی پیر نابالغ ہی کہلائے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ مرد کی عقل پچیس سال میں اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے لہذا جب کمال عقل اور تمام رشد کا زمانہ گزر گیا تو اب آئندہ کے لیے کوئی امید باقی نہیں رہی لہذا اب اُس کو محروم نہ رکھنا چاہیے آیت قرآنی میں رُشْدًا تنکیر کے ساتھ آیا ہے معلوم ہوا کہ مال حوالہ کرنے کے لیے ایک نوع کا رشد کافی ہے یعنی اتنا رشد آجائے کہ

سفاہت اور زمانہ طفولیت کا اثر یعنی لا ابالیت نہ رہے تو پھر اُن کا مال اُن کے حوالہ کر دیا جائے تفویض مال کے لیے کمال رشد اور تمام فراست ضروری نہیں پچیس سال کی عمر میں مرد دادا بن سکتا ہے کیونکہ ادنیٰ مدت بلوغ کی مرد کے حق میں بارہ سال ہے اور عورت کے حق میں ادنیٰ مدّت حمل کی چھ ماہ ہے پس اگر کوئی لڑکا بارہ سال کی عمر میں بالغ ہو جائے اور اسی وقت اس کا نکاح کر دیا جائے اور چھ ماہ کے بعد اس کے بھی ایک لڑکا پیدا ہو جائے تو اس وقت پہلے باپ کی عمر پچیس سال کی ہوگی جو اس لڑکے کا دادا ہوگا اب اگر دادا ہونے کے بعد بھی عقل نہ آئے تو آخر کہاں تک رشد کا انتظار کریں بہتر یہی ہے کہ اس کا مال اس کے حوالہ کریں۔

حکمِ پنجم

اور مت کھا جاؤ یتیموں کا مال فضول خرچی سے اور اس خوف سے کہ وہ یتیم جب بڑے ہو جائیں گے تو اُن کا مال اُن کے حوالہ کرنا پڑے گا اور وہ خود اپنے اموال پر قابض اور منصرف ہو جائیں گے اور ہمارا اختیار جاتا رہے گا لہٰذا جلدی کر کے اُن کے بڑے ہونے سے پہلے ہی جتنا کھا سکو وہ کھا لو حق تعالیٰ نے اس اسراف اور مبادرت کی ممانعت کر دی کہ ایسا ہرگز نہ کرو اور بلکہ تم کو یہ چاہیے کہ جو یتیم کا ولی اور سرپرست توانگر ہو یعنی اس کے پاس بقدر کفایت موجود ہو اور یتیم کے مال کی اُسے حاجت نہ ہو تو اس کو چاہیے کہ یتیم کا مال لینے سے بالکل احتراز کرے اور جو حاجت مند اور ضرورت مند ہو تو اس کو اجازت ہے کہ دستور کے مطابق کھا لیوے یعنی یتیم کا پرورش کرنے والا اگر حاجت مند ہو تو یتیم کے مال سے صرف اس قدر لے لے جس قدر اس کی خدمت کا عرف میں حق ہے دستور کے مطابق جس قدر اس کام کی اجرت ہوتی ہے صرف اس قدر لے لے اور اگر مستغنی ہے تو کچھ نہ لے پھر جب اُن کے بالغ ہونے کے بعد اُن کے اموال اُن کے حوالہ کرو تو مال سپرد کرتے وقت ان پر گواہ کر لیا کرو تاکہ تم حسن اسلوب کے ساتھ بریُ الذمہ ہو جاؤ اور آیندہ کے لیے تہمت اور بدگمانی اور نزاع اور اختلاف سے بچ جاؤ اور اللہ کافی ہے حساب لینے والا یعنی اگر ولی نے یا گواہوں نے کسی قسم کی خیانت کی ہے تو اللہ تعالیٰ اُن کے ظاہر و باطن سے خبردار ہے وہ اُن سے حساب لے گا۔

مسئلہ

یتیم کو گواہوں کے سامنے مال سپرد کرنا مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک واجب ہے اور

حنفیہ کے نزدیک مستحب ہے یعنی گواہ کرنا اولیٰ اور افضل ہے واجب نہیں ۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَ

مردوں کو بھی حصہ ہے اس میں جو چھوڑ مریں ماں باپ اور ناتے والے اور

لِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا

عورتوں کو بھی حصہ ہے اس میں جو چھوڑ مریں ماں باپ اور ناتے والے اس

قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ⑦

تھوڑے میں یا بہت میں حصہ مقرر کیا ہوا

حکم ششم دربارۂ حقوق ورثہ در ترکہ

قال تعالیٰ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ ... الیٰ ...... نَصِيبًا مَّفْرُوضًا

(ربط) گزشتہ آیت میں یتیموں کے ناحق مال کھانے کا حکم تھا اب اس آیت میں وارثوں کی حق تلفی کا ذکر ہے جاہلیت کے زمانہ میں یہ رسم تھی کہ بیٹیوں کو اگرچہ وہ بالغ ہوں اور نابالغ بچوں کو میت کے مال میں سے حصہ نہیں دیا جاتا تھا صرف مردوں کو جو بڑے ہوں اور دشمنوں سے مقابلہ اور مقاتلہ کرسکتے ہوں اُن کو میراث میں سے حصہ ملتا تھا اس پر یہ آیت اتری مردوں کے لیے بھی حصہ ہے اس میں سے کہ جو ماں باپ اور رشتہ دار مرتے وقت چھوڑ گئے ہیں اور عورتوں کا بھی حصہ ہے اس چیز میں سے کہ جو ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑ مرے ہیں خواہ وہ مال تھوڑا ہو یا بہت ہو یہ حصہ خدا کا مقرر کیا ہوا ہے جس کا حق داروں کو دینا واجب ہے اس میں کمی اور زیادتی جائز نہیں یہ اللہ کا مقرر کردہ حصہ ہے یہ نہیں کہ تم جس قدر چاہو دیدو اس آیت کے نازل کرنے سے زمانۂ جاہلیت کی رسم کو توڑنا مقصود ہے کہ وہ لوگ عورتوں اور اولاد صغار کو مستحق میراث نہیں سمجھتے تھے اُن کا عقیدہ یہ تھا کہ میراث کے مستحق صرف مرد ہیں اور مرد بھی وہ جو دشمن کا مقابلہ کرسکیں ۔

حق تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرما کر یہ بتلا دیا کہ مال متروکہ میں مردوں اور عورتوں دونوں کا حصہ ہے مردوں کی کچھ تخصیص نہیں لیکن حق تعالیٰ نے اس آیت میں حصہ کی

مقدار نہیں بیان فرمائی یہاں صرف استحقاق حصہ میراث کو بیان فرما دیا وارثوں کے حصوں کی تفصیل آئندہ رکوع یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ الخ میں آتی ہے جس میں اولاد اور والدین اور بیوی اور شوہر سب کا حصہ مقرر فرما دیا بلکہ یہ آیت آئندہ آیت یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ کی تمہید ہے اولاً اجمالاً استحقاق میراث کو بیان فرمایا اور ثانیاً حصص میراث کی تفصیل فرمائی۔

وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ

اور جب حاضر ہوں تقسیم کے وقت ناتے والے اور یتیم اور محتاج

فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۸﴾

تو ان کو کچھ کھلا دو اس میں سے اور کہو ان کو بات معقول

وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً

اور چاہیے ڈریں وہ لوگ کہ اگر چھوڑ مریں اپنے پیچھے اولاد

ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ ۠ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا

ضعیف تو خطرہ کھاویں ان پر تو چاہیے ڈریں اللہ سے اور کہیں

قَوْلًا سَدِيْدًا ﴿۹﴾

بات سیدھی

حکم ہفتم مُراعاۃ غیر مستحقین میراث بوقت تقسیم ترکہ

قال تعالیٰ وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ ...... الیٰ ...... وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝

(ربط) گزشتہ آیت میں حق دارانِ میراث اور مستحقین ترکہ کا بیان تھا اب اس آیت میں غیر مستحقین میراث کے ساتھ ایک قسم کے سلوک اور احسان کا حکم ہے اور جب تقسیم میراث کے وقت ایسے غریب رشتہ دار بھی حاضر ہو جائیں جن کا میراث میں کوئی حق نہیں اور یتیم اور فقیر بھی اس وقت اس امید پر جمع ہو جائیں کہ شاید اس موقع پر اہل خیر ہمیں کچھ خیرات دے دیں تو تم ان کو

تبرعاً بالغوں کے حصہ میں سے کچھ دے دیا کرو اور اگر ورثہ یتیم اور نابالغ ہوں تو ان غرباء اور مساکین سے معقول اور نرم بات کہہ کر ان کو رخصت کر دو یعنی نرمی سے یہ عذر کر دو کہ یہ مال یتیموں کا ہے ہم اس کے مالک نہیں اس لیے ہم مجبور اور معذور ہیں مطلب یہ ہے کہ سختی سے جواب نہ دو بلکہ نرمی سے عذر کر و۔

مسئلہ

جمہور علماء کے نزدیک یہ حکم استحبابی ہے اور مقصود اس حکم سے حسن ادب کی تعلیم ہے کہ یہ مال میراث جو تقسیم ہو رہا ہے ایک خدائی عطیہ ہے جو خدا تعالیٰ نے محض اپنی مہربانی سے وارثوں کو بلا محنت اور بلا مشقت عطا کیا ہے لہذا مناسب یہ ہے کہ ایسے موقعہ پر بطور شفقت و مرحمت اپنے غریب رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں کو بھی بطور تبرع اور خیرات کچھ دیدیں تاکہ ان کی دل شکنی نہ ہو اور بعض علماء کے نزدیک یہ حکم وجوبی ہے جو ابتداء میں واجب تھا بعد میں منسوخ ہو گیا۔

اب آئندہ آیت میں اسی رعایت اور شفقت کی تاکید اور تقویت کے لیے ارشاد فرماتے ہیں اور چاہیے کہ اللہ سے ڈریں وہ لوگ کہ اگر وہ اپنے پیچھے ناتواں اولاد چھوڑ جائیں تو ان بچوں کے ضائع ہونے کا اُن کو خوف اور خطرہ ہو پس اُن کو چاہیئے کہ اللہ سے ڈریں یعنی یتیموں اور مسکینوں کی دل آزاری سے بچیں اور زبان سے کہیں سیدھی بات کہ جس سے اُن کی تسلی ہو جائے مطلب یہ ہے کہ دوسرے یتیم کے ساتھ وہ معاملہ کرو جو اپنے بعد اپنی اولاد کے لیے پسند کرتے ہو۔

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَٰمَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا

جو لوگ کھاتے ہیں مال یتیموں کے ناحق وہ یہی

ع ۱۰ يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا ﴿١٠﴾

کھاتے ہیں اپنے پیٹ میں آگ اور اب بیٹھیں گے آگ میں

تتمہ حکم سابق

تحقیق جو لوگ ناحق یتیموں کا مال کھا جاتے ہیں بجزایں نیست وہ یہ مال کھا کر اپنے پیٹوں میں

آگ بھر رہے ہیں اور البتہ ضرور داخل ہوں گے دھکتی ہوئی آگ ہیں ۔۔۔۔۔۔ یعنی خدا تعالیٰ
ان کو یتیموں کا ناحق مال کھانے کی سزا میں آگ کھلائے گا اور یہ شخص قیامت کے دن
قبر سے اس طرح اٹھے گا کہ اس کے منہ اور کانوں اور آنکھوں سے آگ کے شعلے نکلتے ہوں
گے جو شخص بھی اس کو دیکھے گا وہ اس علامت سے پہچان لے گا کہ یہ ناحق یتیم کا مال کھانے
والا ہے ۔

یُوصِیکُمُ اللّٰهُ فِیٓ اَوۡلَادِکُمۡ لِلذَّکَرِ مِثۡلُ حَظِّ
کہہ رکھتا ہے تم کو اللہ تمہاری اولاد ہیں مرد کو حصہ برابر دو

الۡاُنۡثَیَیۡنِ ۚ فَاِنۡ کُنَّ نِسَآءً فَوۡقَ اثۡنَتَیۡنِ فَلَهُنَّ
عورت کے پھر اگر ہوویں زنری عورتیں دو سے اوپر تو ان کو

ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَاِنۡ كَانَتۡ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصۡفُ ؕ
دو تہائیاں جو چھوڑ مرا اور اگر ایک ہے تو اس کو آدھا

وَلِاَبَوَیۡهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنۡهُمَا السُّدُسُ مِمَّا
اور میت کے ماں باپ کو ہر ایک کو دونوں میں چھٹا حصہ اس مال

تَرَكَ اِنۡ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنۡ لَّمۡ يَكُنۡ لَّهٗ وَلَدٌ
میں جو چھوڑ مرا اگر میت کی اولاد ہے پھر اگر اس کو اولاد نہیں

وَّوَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنۡ كَانَ لَهٗۤ
اور وارث ہیں اس کے ماں باپ تو اسکی ماں کو تہائی پھر اگر میت کے کئی

اِخۡوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ يُّوۡصِىۡ
بھائی ہیں تو اسکی ماں کو چھٹا حصہ یہ پیچھے وصیت کے جو دلوا مرا

بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ

یا قرض کے تمہارے باپ اور بیٹے تم کو معلوم نہیں کون شتاب پہنچتے

اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ

ہیں تمہارے کام میں حصہ باندھا اللہ کا ہے اللہ خبردار ہے

عَلِيْمًا حَكِيْمًا ⑪ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ

حکمت والا اور تم کو آدھا مال جو کچھ چھوڑ مریں تمہاری عورتیں

اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ

اگر نہ ہو ان کو اولاد پھر اگر ان کو اولاد ہے

فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ

تو تم کو چوتھائی مال اس سے جو چھوڑ مریں بعد وصیت کے جو دلوا مریں

بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ

یا قرض کے اور عورتوں کو چوتھائی مال اس سے جو چھوڑ مرو تم اگر نہ ہو

يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ

تم کو اولاد پھر اگر تم کو اولاد ہے تو ان کو آٹھواں حصہ

مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ

اس سے جو کچھ تم نے چھوڑا بعد وصیت کے جو تم دلوا مرو یا

دَيْنٍ ؕ وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّ

قرض کے اور جس مرد کی میراث ہے باپ بیٹا نہیں رکھتا یا عورت کا اور

لَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ

اس کا ایک بھائی ہے یا بہن تو دونوں میں ہر ایک کو چھٹا حصہ

فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاۗءُ فِي الثُّلُثِ

پھر اگر زیادہ ہوئے اس سے تو سب شریک ہیں ایک تہائی میں

مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَاۗرٍّ ۚ

بعد وصیت کے جو ہو چکی ہے یا قرض کے جب اوروں کے

وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۲﴾ تِلْكَ

نقصان نہ کیا ہو یہ کہہ دیا اللہ نے اور اللہ سب جانتا ہے تحمل والا

حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ

یہ حدیں باندھی اللہ کی ہیں اور جو کوئی حکم پر چلے اللہ کے اور رسول کے اس کو داخل کرے

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ

باغوں میں جن کے نیچے بہتی ندیاں ہیں رہ پڑے ان میں اور وہی ہے بڑی

وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۳﴾ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ

مراد ملنی اور جو کوئی بے حکمی کرے اللہ

رَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا

کی اور رسول کی اور بڑھے ہے اس کی حدوں سے اس کو داخل کرے آگ میں

فِيْهَا ۠ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۴﴾ ع ۲ / ۱۳

رہ پڑے اس میں اور اس کو ذلت کی مار ہے

قانونِ میراث
یعنی تفصیل حصص میراث

(ربط) اوپر کی آیتوں میں اجمالی طور پر استحقاق میراث کا بیان تھا کہ میت کے اقارب خواہ مرد ہوں یا عورت بالغ ہوں یا نابالغ سب وارث ہیں اور ترکہ میں سب کا حق ہے اب ان آیات میں حصّوں کی تفصیل بیان فرماتے ہیں

زمانۂ جاہلیت میں اِرث کے تین سبب تھے (اول نسب) مگر نسب کی رو سے صرف اُن مردوں کو حصّہ ملتا تھا کہ جو قبیلہ کی طرف سے دشمنوں سے جنگ کی قابلیت رکھتے ہوں لڑکوں اور عورتوں اور ضعیفوں کو میراث کا مستحق نہیں سمجھا جاتا تھا (دوم) تَبَنّیٰ یعنی کسی کو اپنا متبنیٰ بنا لینا یعنی بیٹا بنا لینا مرنے کے بعد وہ متبنیٰ اس کی میراث کا حق دار ہوتا تھا جیسا کہ ہندوؤں میں اس کا رواج ہے (تیسرا) عہد وحلف۔ عہد کی صورت یہ تھی کہ ایک شخص دوسرے شخص سے یہ کہتا کہ میرا خون تیرا خون ہے میری جان تیری جان ہے میرے خون کا رائیگاں جانا تیرے خون کا رائیگاں جانا ہے میں تیرا وارث اور تو میرا وارث۔ میرے بدلے تو پکڑا جائے گا اور تیرے بدلے میں پکڑا جاؤں گا جب وہ دونوں شخص اس طرح کا باہم عہد کر لیتے تو وہ دونوں ایک دوسرے کے وارث ہوتے۔ جو پہلے مر جاتا دوسرا اس کا وارث ہوتا۔

شروع اسلام میں توارث کے دو سبب تھے ایک ہجرت اور۔ دوسرا مواخاۃ (اسلامی بھائی چارہ) یعنی جب کوئی صحابی ہجرت کر کے آتا تھا تو دوسرا مہاجر ہی اس کا وارث ہوتا اگرچہ وہ اس کا رشتہ دار نہ ہو اور غیر مہاجر مہاجر کا وارث نہیں ہوتا اگرچہ وہ اس کا قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو اور مواخاۃ کا مطلب یہ ہے کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو آپؐ نے دو دو مسلمانوں کو ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا تھا اور وہ دونوں ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے مگر بعد میں اسلام نے زمانۂ جاہلیت اور شروع زمانۂ اسلام کے طریق توارث کو منسوخ کر دیا اور توریث کا دار و مدار تین چیزوں پر رکھا (اول) نسبؔ۔ یعنی اولاد اور والدین (دوم) نکاح یعنی خاوند اور بیوی بوجہ نکاح کے ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہیں (تیسرے) ولاء یعنی باندی غلام کی آزادی جس کی بنا پر آقا اپنے آزاد کردہ غلاموں اور باندیوں کا اور آزاد شدہ غلام اور باندی اپنے آزاد کرنے والے آقا کی میراث کے وارث ہیں۔

حصۂ اولاد

شانِ نزول

ابن ابی شیبہ۔ احمد۔ ابو داؤد۔ ترمذی۔ ابن ماجہ وغیرہم نے حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے کہ سعد بن ربیع کی بیوی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سعد بن ربیع کی دو لڑکیاں ہیں اور اُن کا باپ حضورؐ کے ہمراہ جنگ احد میں شہید ہوگیا اور اُن کا جو مال تھا وہ کل اِن کے چچا نے لے لیا ہے اور بیٹیوں کو کچھ نہیں دیا اور بغیر مال کے ان کا نکاح نہیں ہو سکتا۔ آپؐ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ ان کے بارہ میں فیصلہ فرمائے گا اس پر میراث کی یہ آیت یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ الخ نازل ہوئی اس کے نازل ہونے کے بعد آپ نے ان لڑکیوں کے چچا کے پاس آدمی بھیج کر کہلا بھیجا کہ سعدؓ کے ترکہ میں سے اس کی لڑکیوں کو دو تہائی دے دو اور اس کی بیوی کو آٹھواں حصہ اور باقی تیرا ہے علماء فرماتے ہیں کہ یہ سب سے پہلا ترکہ ہے کہ جو اسلام میں تقسیم کیا گیا چنانچہ فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تم کو وصیت کرتا ہے یعنی تاکیدی حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کی میراث کے بارہ میں وہ یہ کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہے پس اگر اولاد صرف لڑکیاں ہی ہوں دو سے زائد تو اُن لڑکیوں کو اس مال میں کا دو تہائی ملے گا جو مورِث چھوڑ کر مرا ہے یعنی اگر میت کی اولاد ذکور نہ ہو نری لڑکیاں ہی ہوں اور ہوں دو سے زیادہ تو اس صورت میں ان کا حق اس ترکہ میں سے کل مال کا دو تہائی ہے باقی ایک تہائی دوسرے وارثوں کا حق ہے۔

ف جاننا چاہیے کہ حق تعالیٰ نے اس آیت میں دو سے زائد لڑکیوں کا حصہ بیان فرمایا اور دو لڑکیوں کا حصہ صراحۃً بیان نہیں فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ گزشتہ آیت لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ سے معلوم ہو چکا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کی برابر ہے یعنی دو تہائی ہے تو لا محالہ اس سے یہ ثابت ہوگیا کہ دو لڑکیوں کا حصہ دو تہائی ہے نیز جب ایک لڑکے کی موجودگی میں لڑکی کا تہائی حصہ ہے تو دوسری لڑکی کی موجودگی میں بدرجہ اولےٰ اس کا حصہ تہائی ہونا چاہیے کیونکہ لڑکا بہ نسبت لڑکی کے زیادہ استحقاق رکھتا ہے۔

نیز اس آیت کے شانِ نزول میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے سعد بن الربیعؓ کی دو لڑکیوں کو اس کے ترکہ میں دو تہائی دینے کا حکم دیا۔

نیز حق تعالےٰ نے اس آیت میں ایک لڑکی کا اور تین اور تین سے زائد لڑکیوں کا حکم بیان فرمایا اور دو لڑکیوں کا صراحۃً کوئی حکم بیان نہیں فرمایا اور بہنوں کی میراث میں دو بہنوں کا دو تہائی حصہ بیان فرمایا۔ اِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ۔ پس جب دو بہنوں کا حصہ دو تہائی ہے تو دو لڑکیوں کا حصہ بدرجہ اولےٰ دو تہائی ہونا چاہیے کیونکہ لڑکیاں بہ نسبت بہنوں کے زیادہ قریب ہیں غرض یہ کہ دو لڑکیوں کو دو تہائی ملنا پہلی آیت سے معلوم ہو چکا تھا اب شبہ یہ تھا کہ اگر کسی کے تین لڑکیاں ہوں تو شاید ان تین لڑکیوں کو تین تہائی یعنی کل مال مل جائے تو حق تعالیٰ نے اس آیت میں یہ بتلا دیا کہ اگر لڑکیاں دو سے زیادہ ہوں تو ان کا حصہ دو تہائی سے نہ بڑھے گا اور اگر میت کے ایک ہی لڑکی ہو تو اس کو کل مال میں سے نصف مال ملے گا اور نصف باقی دوسرے وارثوں کا حق ہے۔

نکتہ (۱)

مرد کا حصہ عورتوں کے حصہ سے دوچند اس لیے قرار دیا گیا کہ مرد بہ نسبت عورت کے مال کا زیادہ حاجت مند ہے گھر کا تمام خرچ اس کے ذمہ ہے حتیٰ کہ بیوی کا خرچ بھی اس کے ذمہ ہے۔

نکتہ (۲)

حق جل شانہٗ تعالیٰ نے عنوانِ تعبیر یہ اختیار فرمایا لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ۔ یعنی مرد کا حصہ دو عورتوں کی برابر ہے اور یہ نہیں فرمایا کہ دو عورتوں کا حصہ ایک مرد کے حصہ کی برابر ہے یا عورت کا حصہ مرد کے حصہ سے نصف ہے اس طرز بیان کے اختیار کرنے میں حکمت یہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت کی رسم عدم توریث نسوان کا پوری طرح ابطال ہو جائے کیونکہ یہ طرز بیان اس طرف مشیر ہے کہ عورت کی میراث مقرر معلوم ہے اور مرد کی میراث اس سے دوچند ہے لہٰذا مرد اپنی میراث کو عورت کی میراث سے دوچند سمجھ کر حق تعالیٰ کا شکر کرے کہ اس نے مجھ کو فضیلت دی اور یہ طمع نہ کرے کہ عورت کو بالکل میراث سے محروم کرے بلکہ اس کے لیے کافی ہے کہ اس کا حصہ عورت سے دوچند ہے۔

حصۂ والدین

اور میت کے ماں باپ کے لیے ترکہ میں سے ہر ایک کو چھٹا حصّہ ہے اگر میت کے کچھ اولاد ہے خواہ مذکر ہو یا مؤنث پس اگر میت کے کچھ اولاد نہ ہو اور صرف ماں باپ ہی اس کے وارث ہوں تو اس صورت میں پورے مال میں سے اس کی ماں کا تہائی حصّہ ہے اور باقی دو تہائی باپ کا پس اگر میت کے ایک سے زیادہ بھائی بہن ہوں تو پھر اس کی ماں کے لیے چھٹا ہے

جاننا چاہیے کہ ماں باپ کی میراث میں حق تعالیٰ نے تین صورتیں بیان فرمائیں پہلی صورت یہ ہے کہ اگر ماں باپ کے ساتھ میت کی اولاد بیٹا یا بیٹی ہو تو اس صورت میں میت کے ماں باپ کو ترکہ میں سے ہر ایک کو چھٹا حصّہ ملے گا دوسری صورت یہ ہے کہ میت کی اولاد کچھ نہ ہو بھائی بہن بھی نہ ہوں اور صرف ماں باپ ہی وارث ہوں تو اس صورت میں ماں کو ایک ثلث ملے گا اور باقی دو ثلث باپ کو ملیں گے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ ماں باپ کے ساتھ اولاد تو نہ ہو مگر میت کے ایک سے زیادہ بھائی بہن ہوں خواہ حقیقی ہوں یا علاتی یا اخیافی تو اس صورت میں ماں کو ترکہ کا چھٹا حصہ ملے گا اور باقی سب اس کے باپ کو ملے گا بھائی بہن کو کچھ نہیں ملے گا۔

وارثوں کے جس قدر حصے اب تک بیان کیے گئے یہ سب حصّے بعد اداء وصیت کہ جو میت نے کی ہے اور بعد ادائے قرض وارثوں کو دیے جائیں گے یعنی میت کے مال میں سے اول بمقدار وصیت اور بمقدار قرض روپیہ نکال کر پھر ورثہ پر تقسیم ہوگا اور باجماع علماء امت ترکہ میں جو پہلا حق متعلق ہوتا ہے وہ میت کی تجہیز و تکفین اور تدفین ہے اس لیے میت کے مال میں سب سے پہلے اس کے کفن اور دفن میں لگایا جائے گا اور پھر میت کے قرض میں اور پھر اس کی وصیت میں دیا جائے گا اور پھر جو باقی رہے گا وہ وارثوں پر تقسیم کیا جائے گا۔

نکتہ

ماں باپ کا حق اگرچہ اولاد سے کہیں زیادہ ہے مگر حق تعالیٰ نے میت کے ترکہ میں سے ماں باپ کا حصّہ۔ اولاد کے حصّہ سے کم رکھا ہے کیونکہ جب آدمی صاحب اولاد ہو کر مرتا ہے تو عادۃً اس عمر میں اس کے والدین بوڑھے ہو جاتے ہیں اور ان کی عمر کا تھوڑا حصّہ باقی رہ جاتا ہے ان کو زیادہ مال کی ضرورت نہیں ہوتی بخلاف اولاد کے کہ وہ کم عمر ہونے

کی وجہ سے زیادہ حاجت مند ہوتے ہیں نیز ماں باپ کے پاس اپنا اندوختہ اور اپنے والدین کا کچھ ترکہ بھی ہوتا ہے اور میت کی اولاد کا سرمایہ سر دست صرف یہی باپ کی کمائی ہوتی ہے اس لیے شریعت نے بہ نسبت ماں باپ کے اولاد کا حصہ زائد رکھا تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے تم نہیں جانتے کہ باعتبار نفع رسانی کے اُن میں سے کون سا تم سے زیادہ قریب ہے یعنی تم نہیں جانتے کہ تمہارے اصول و فروع میں سے دنیا و آخرت میں تمہارے لیے کون زیادہ نفع رساں اور فائدہ مند ہے اور جب تمہیں یہ خبر نہیں تو تقسیم میراث میں تم اپنی عقل اور رائے کو دخل نہ دو خدا کے حکم کے مطابق چلو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حصہ مقرر اور معین کر دیا گیا اس کی پیروی کرو بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری مصلحتوں کو جاننے والا ہے اور بڑی حکمت والا ہے اس نے جو میراث کے حصے مقرر فرما دیئے وہی عین حکمت اور سراسر مصلحت ہیں اس لیے تم پر لازم ہے کہ حق تعالیٰ کے مقرر کردہ حصوں کی پابندی کرو اور اپنی رائے سے اس میں دخل نہ دو اللہ تعالےٰ علیم و حکیم ہے اس نے اپنی حکمت سے جو حصے مقرر کر دیئے اسی میں حکمت اور مصلحت ہے۔

حصۂ زوجین

اب آیندہ آیت میں زوجین کی میراث کو بیان فرماتے ہیں اور زوجہ اور زوج کی ہر ایک کی میراث کی دو دو صورتیں بیان کیں۔

(۱) میت اگر زوجہ ہو اور اس کے کوئی اولاد نہ ہو تو اس صورت میں زوج یعنی شوہر کو نصف مال ملے گا۔

(۲) اور اگر اولاد ہو تو چوتھائی حصہ اور علیٰ ہذا اگر میت زوج ہو اور زوجہ اس کی وارث ہو تو اس کے بھی دو حال ہیں۔

(۱) زوج کے کوئی اولاد نہ ہو تو زوجہ کو چوتھائی حصہ ملے گا۔

(۲) اور اگر اولاد ہو تو آٹھواں حصہ

چنانچہ فرماتے ہیں اور تمہارے لیے یعنی شوہروں کے لیے اُس مال میں کا نصف حصہ ہے جو تمہاری بیبیاں چھوڑ جائیں اگر ان کے کوئی اولاد نہ ہو نہ مذکر نہ مؤنث نہ واحد نہ کثیر اور اگر ان بیبیوں کے کچھ اولاد ہو خواہ تم سے ہو یا پہلے شوہر سے تو اس صورت میں تم کو ان کے ترکہ سے چوتھائی ملے گا اور دونوں صورتوں میں تم کو یہ حصہ بعد وصیت کے جو کر گئی ہیں یا قرض کی ادائیگی کے بعد جو انہوں نے چھوڑا ہے ملے گا اور بیبیوں کو چوتھائی مال ملے گا اُس ترکہ میں سے جو تم چھوڑ

جاؤ اگر تمہارے کوئی اولاد نہ ہو پس اگر تمہارے کوئی اولاد ہو اس عورت سے یا کسی دوسری عورت سے تو بیبیوں کو تمہارے ترکہ میں آٹھواں حصہ ملے گا بعد وصیت کے جو تم کر جاؤ یا قرض کے بعد جو تم چھوڑ جاؤ تو اس وصیت اور قرض کے ادا کرنے کے بعد جو مال بچے گا تو اس سے بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا خواہ بیوی ایک ہو یا چار ہوں

فائدہ عورت چونکہ مہر بھی پاتی ہے اور شوہر کے مرنے کے بعد دوسرے شخص سے نکاح بھی کر سکتی ہے اس لیے اس کا حصہ ہر حال میں شوہر کے حصہ سے نصف رہا

حصۂ برادر و خواہر اخیافی

اب اس کے بعد ایسے شخص کا حال بیان فرماتے ہیں کہ جس کے وارثوں میں نہ باپ دادا ہو اور نہ اولاد صرف اس کے اخیافی بھائی بہن ہوں تو اگر ایک ہو تو ہر ایک کو چھٹا حصہ ہے اور اگر ایک سے زیادہ ہوں تو ایک تہائی میں سب شریک اور برابر کے حصہ دار ہوں گے۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور اگر کوئی مرد یا عورت جس کی میراث دوسروں کو ملے گی کلالہ ہو یعنی باپ دادا اور بیٹا نہ رکھتا ہو اور اس کے ایک اخیافی بھائی یا ایک اخیافی بہن ہو تو اس کلالہ کے مال میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا اور اگر یہ اخیافی بھائی بہن ایک سے زیادہ ہوں تو وہ سب ایک تہائی حصہ میں برابر کے شریک ہوں گے اور یہ تقسیم بعد اس وصیت کے نافذ کرنے کے ہوگی جو ہو چکی ہے یا ادائے قرض کے بعد بشرطیکہ وہ وصیت کرنے والا کسی کو ضرر یا نقصان پہنچانے والا نہ ہو یہ جو کچھ کہا گیا یہ سب اللہ کی جانب سے وصیت یعنی تاکیدی حکم ہے اور اللہ تعالے خوب جانتا ہے ضرر دینے والے کو اور نہ دینے والے کو بڑا بردبار ہے سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا۔

فائدہ

جاننا چاہیے کہ بھائی اور بہن تین طرح کے ہوتے ہیں

(۱) سگے - جن کے ماں اور باپ دونوں ایک ہوں ان کو عینی اور بنو الاعیان کہتے ہیں۔

(۲) سوتیلے جو صرف باپ میں شریک ہو یعنی باپ تو ایک ہو اور ماں دو ہوں ان کو علاتی کہتے ہیں۔

(۳) وہ سوتیلے کہ جن کی ماں تو ایک ہو اور باپ دو ہوں ان کو اخیافی کہتے ہیں۔
اس آیت میں اس آخری قسم کا ذکر ہے جیسا کہ ابی بن کعبؓ اور سعد بن ابی وقاصؓ کی قرأت میں وَلَهُ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ کے بعد مِنَ الْاُمِّ کا لفظ آیا ہے جس سے آیت کی تفسیر ہو گئی کہ اس جگہ کون سا بھائی اور بہن مراد ہے اور اسی پر سب کا اجماع ہے اور عینی اور علاتی بھائی بہنوں کی میراث کا حکم اس سورت کے آخر میں آئے گا۔

نکتہ

اخیافی بھائی بہن کو میت کی طرف جو نسبت ہے وہ صرف ماں کے واسطے سے ہے اور ماں کا حصّہ تہائی سے زیادہ نہیں لہذا وہ صرف اپنی ماں کا حصّہ پانے کے مستحق ہیں اور اسی وجہ سے ذکور اور اناث میں کوئی فرق نہیں کیا گیا سب کا حصّہ برابر رہا کیونکہ نسبت مذکورہ میں سب مساوی ہیں۔

تاکیدِ اطاعت و تہدید بر معصیت

یہ تمام احکام اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں لوگوں کو چاہیے کہ ان حدود کے اندر رہیں اور ان سے باہر قدم نہ نکالیں اور جس طرح انسان کسی مکان کی حدود سے باہر نکل کر خطرہ میں پڑ جاتا ہے اسی طرح احکام الٰہی کی حدود سے باہر نکلنے میں جان اور ایمان کا خطرہ ہے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر چلے گا اللہ تعالیٰ اس کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی ایسے اشخاص۔ ہمیشہ ہمیشہ انہی باغوں میں رہیں گے اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے کیونکہ جنت ہمیشگی کا گھر ہے اور اس کا آرام خالص ہے جس میں کسی قسم کے دکھ درد کا شائبہ بھی نہیں اور دنیا کی بڑی سے بڑی کامیابی آخرت کی کامیابی کے مقابلہ میں ہیچ ہے اور جو شخص اللہ اور اسکے رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی حدوں سے آگے بڑھے سو اس کو اللہ تعالیٰ آگ میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے ذلیل اور رسوا کرنے والا عذاب ہے یعنی ہمیشہ کے لیے مصیبت اور ذلت میں گرفتار رہے گا۔

مسئلہ میراث انبیاء کرام
علیہم الف الف صلوٰۃ والف الف سلام

بابت آیت یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ الآیۃ

شیعہ کہتے ہیں کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمۃ الزہراء کو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ترکہ میں سے جو ان کو اپنے والد محترم کی طرف سے پہنچتا تھا کوئی حصہ نہیں دیا اور عذر یہ کیا کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے کہ یہ فرماتے تھے کہ ہم گروہ انبیاء نہ کسی کے وارث ہوتے اور نہ ہمارا کوئی وارث ہوتا ہے حالانکہ یہ حدیث صریح نص قرآنی - یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ کے خلاف ہے۔

اور یہ آیت عام ہے اس میں نبی اور غیر نبی کی کوئی تخصیص نہیں لہذا یہ کہنا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا کوئی وارث نہیں اس آیت کی تکذیب کرنا ہے۔

نیز دوسری نصوص کے بھی خلاف ہے یعنی وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ اور آیت وَھَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ وَلِیًّا یَّرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ معلوم ہوا کہ انبیاء کرامؑ کے بھی وارث ہوتے ہیں

جواب

(۱) آیت یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ عام مخصوص البعض ہے جس سے بحکم حدیث نبوی لا نرث ولا نورث انبیاء کرام مخصوص ہیں اور چونکہ یہ حدیث صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے بلا واسطہ سنی اسلیئے علم قطعی اور یقینی کو مفید ہے اور جو چیز نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے بلا واسطہ سنی اس پر عمل کرنا قطعًا فرض ہے خواہ کسی اور سے اس حدیث کو سنے یا نہ سنے اور اسی پر شیعہ اور سنی تمام اہل اصول کا اجماع ہے اور متواتر اور غیر متواتر حدیث کی تقسیم ان لوگوں کے اعتبار سے ہے جنہوں نے اللہ کے نبی کو نہیں دیکھا اور دوسروں کے واسطہ سے حدیث سنی اور جس شخص نے خود اللہ کے نبی کو دیکھا اور بلا واسطہ ان سے حدیث سنی تو یہ حدیث اس کے حق میں متواتر سے بھی بالا اور برتر ہے بلکہ مشاہدہ عینی سے بھی زیادہ قطعی اور یقینی ہے چونکہ

۱؎ دیکھو منہاج السنۃ للحافظ ابن تیمیہ از ص۱۵۷ ج ۲ - تا ص۱۶۳ ج ۲ -

ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حدیث کو بلا واسطہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا اس لیے انہیں دوسروں سے تحقیق و تفتیش کی حاجت نہ تھی۔

نیز اس حدیث کے راوی صرف ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی نہیں بلکہ اس حدیث کو حضرت حذیفہ اور حضرت زبیر اور حضرت ابوالدرداء اور حضرت ابوہریرہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عباس اور حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم نے بھی روایت کیا ہے غرض یہ کہ حدیث تمام صحابہ میں معروف و مشہور تھی اور درجۂ تواتر کو پہنچی ہوئی تھی اور حدیث متواتر سے قرآن کی تخصیص بالاجماع جائز ہے۔

اور آیت میراث میں حدیث نبوی سے تخصیص ایسی ہے جیسے آیت اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ الخ : کے عموم سے انبیاء کرام اور ان کے موالی مخصوص ہیں کہ انبیاء کرام اور ان کے موالی کو باوجود فقر و فاقہ کے زکوٰۃ اور صدقات کا لینا حرام ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ آلِ محمد کے لیے زکوٰۃ اور صدقہ کا مال حلال نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان فقیری و درویشی ضرب المثل ہے مگر حضور پُر نورؐ بلا شبہ و ریب آیت صدقات کے عموم سے مخصوص اور مستثنیٰ ہیں اور آیت صدقات کے عموم کی تخصیص انہی احادیث سے ثابت ہے جن میں زکوٰۃ و صدقات کا آلِ رسول پر حرام ہونا مروی ہوا ہے اسی طرح سمجھیئے کہ جن احادیث میں یہ آیا ہے کہ انبیاء کرام کے ترکہ میں وراثت جاری نہیں ہوتی وہ تمام احادیث آیت میراث کی مخصص ہوں گی دیکھو ہدیۃ الشیعہ ص۳۱۰ مصنفہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رح۔

(۲)

نیز آیت يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ کا سیاق و سباق اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ حکم امتیوں ہی کے لیے ہے جیسا کہ گزشتہ آیات میں چار عورتوں کی تحدید اور مہر اور عدل بین النساء کا واجب ہونا یہ سب امتیوں کا حکم ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ان میں سے کوئی شئے واجب نہیں آیت فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ۔ اگرچہ عام ہے مگر بحکم آیت احزاب يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس چار کی تحدید سے مستثنیٰ ہیں سورۂ احزاب کی یہ آیت صراحۃً اس پر دلالت کرتی ہے کہ حضور پُر نور کے لیے چار عورتوں سے زیادہ بھی نکاح جائز ہے اور وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً بظاہر اگرچہ عام ہے علی العموم سب پر مہر کے واجب ہونے کی دلالت کرتی ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حکم سے مخصوص اور مستثنیٰ ہیں جیسا کہ سورۂ احزاب کی یہ آیت وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اس پر دلالت کرتی ہے کہ حضور پُر نورؐ پر کسی قسم کا مہر

واجب نہیں۔

اور آیت نساء بظاہر اگرچہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ سب پر عدل بین النساء واجب ہے مگر حسب ارشاد خداوندی تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِيْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔

اسی طرح اگر حکم میراث سے بھی انبیاء کرام مستثنیٰ ہوں تو کیا تعجب ہے مال و جائیداد میں میراث کا جاری ہونا امتیوں کا حکم ہے انبیاء کرام اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔

(۳)

نیز آیت يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ میں باتفاق فریقین اور بہت سی تخصیص ہوئی ہیں چنانچہ کافر وارث نہیں ہوتا غلام وارث نہیں ہوتا قاتل مورث وارث نہیں ہوتا اور ان تخصیصات پر دلالت کرنے والا کوئی لفظ آیت مذکورہ سے نہ متصل مذکور ہے نہ منفصل بجز اس کے کہ احادیث سے ان لوگوں کی تخصیص کی گئی تو پھر حدیث ما ترکنا صدقۃ کا کیا قصور ہے کہ وہ آیت میراث کیلئے مخصص نہ ہوسکے۔

شیعہ۔ حدیث سے قرآن کریم کی تخصیص کرنے کی وجہ سے ابوبکرؓ پر معترض ہیں لیکن اپنے لیے اس کو جائز سمجھتے ہیں خود ان کے نزدیک اخبار آحاد سے قرآن کریم کی تخصیص ثابت ہے اُن کا مذہب ہے کہ زمین میں زوجہ کو میراث نہیں پہنچتی اور میت کے ترکہ میں سے قرآن اور تلوار اور انگشتری اور پہننے کے کپڑوں کا وارث صرف بیٹا ہے۔

نیز اگر آیت يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ۔ متروکہ رسول کو بھی شامل ہو تو اسی متروکہ کو تو شامل ہوگی کہ جو مملوکہ نبوی بھی ہو کیونکہ میراث تو اشیاء مملوکہ ہی میں جاری ہوتی ہے اور وقف کے مال میں میراث جاری نہیں ہوتی اور سب کو معلوم ہے کہ فدک منجملہ اموال فیئ وقف تھا مملوکہ نبوی نہ تھا کیونکہ آیت مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ الخ = اس پر صاف دلالت کرتی ہے کہ اموال بنی نضیر و فدک وغیرہ سب کے سب منجملہ فیئ کے تھے اور سب وقف تھے اور حضور پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم کا اپنی زندگی میں ان میں جو تصرف تھا وہ محض متولیانہ تھا نہ کہ مالکانہ کیونکہ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ الیٰ آخرہ سے صاف ظاہر ہے کہ مال فیئ میں ذوی القربےٰ اور یتامیٰ اور مساکین اور فقراء مہاجرین اور انصار اور قیامت تک آنے والے مسلمان سب شریک اور حق دار ہیں جن کی تعداد معین نہیں اور نہ ہوسکتی ہے سو اموال فیئ کے مملوک ہونے کی کوئی صورت نہیں اور کتب شیعہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ فدک منجملہ اموال فیئ تھا۔

پس جب فدک مملوک ہی نہ ہوا تو وہ آیت يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ کے عموم میں کیسے داخل ہوگا اور جس طرح مال غیر مملوک میں میراث جاری نہیں ہوسکتی اسی طرح اس میں ھبہ اور عطیہ بھی جاری

نہیں ہوسکتا معلوم ہوا کہ اہل تشیع جو ہبۂ فدک کی روایت نقل کرتے ہیں وہ قطعًا غلط ہے اور بلاشبہ شیعوں کی ساختہ اور پرداختہ ہے۔

نیز جب حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ترکہ اُن کے قبضہ میں آیا تو انہوں نے اس میں سے نہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا حصہ دیا اور نہ حضرت عباس کے بعد اُن کے بیٹوں کو اور نہ ازواج مطہرات کو اگر آپ کے ترکہ میں میراث جاری ہوتی تو یہ سب حضرات کیوں حق میراث سے محروم رہے جس طرح جناب سیدہ آپ کے ترکہ کی حق دار تھیں اسی طرح یہ سب حضرات بھی اس کے حق دار تھے۔

حضرات شیعہ اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ ایمۂ غصب شدہ چیز کو واپس نہیں لیتے اور باغ فدک چونکہ غصب ہو چکا تھا اس لیے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس میں تصرف مناسب نہ سمجھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کے نزدیک جیسا باغ فدک غصب ہو چکا تھا اسی طرح آپ کے نزدیک خلافت بھی تو غصب ہو چکی تھی تو پھر اس کی کیا وجہ کہ جناب امیر نے ایک ادنے درجہ کی غصب شدہ چیز (باغ فدک) کو تو چھوڑ دیا اور خلافت جیسی کار آمد غصب شدہ چیز کو قبول کر لیا جس کے بیٹے میں لاکھوں باغ فدک سما جائیں اور پتہ بھی نہ چلے اور آیت وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ اور آیت هَبْ لِي مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا يَّرِثُنِي اس قسم کی آیات میں علم اور حکمت اور منصب نبوت کی وراثت مراد ہے دنیاوی ولی عہدی اور مالی وراثت مراد نہیں دیکھو الجوبۂ اربعین ص۶۵ ج ۲۔

باتفاق اہل تاریخ حضرت داؤد علیہ السلام کے انیس ۱۹ بیٹے تھے جو مالی وراثت میں سب برابر کے مستحق تھے پس اگر آیت مذکورہ میں مالی وراثت مراد ہوتی تو حق تعالیٰ حضرت داؤد علیہ السلام کے سب بیٹوں اور وارثوں کے ذکر کو چھوڑ کر سلیمان علیہ السلام کی تخصیص نہ فرماتے اس لیے کہ مالی وراثت میں سب بیٹے برابر ہیں حضرت سلیمان علیہ السلام کی خصوصیت نہیں۔

نیز مالی وراثت میں دنیا کے تمام نیک و بد اپنے باپ کے مال کے وارث ہوتے ہیں اس میں کوئی فضیلت اور بزرگی نہیں جس کو حق تعالیٰ نے حضرت سلیمان کے فضائل و مناقب میں بطور مدح ذکر فرمایا خدا تعالیٰ کو ایسی کیا ضرورت پیش آئی کہ حضرت سلیمانؑ جیسے جلیل القدر نبی کے فضائل و مناقب میں باپ کی مالی وراثت کا ذکر کیا جس میں دنیا کے تمام نیک و بد شریک ہیں غرض یہ کہ آیت مذکورہ میں وراثت سے مالی وراثت مراد لینے کی صورت میں نہ تو حضرت سلیمانؑ کی تخصیص کا کوئی فائدہ معلوم ہوتا ہے اور نہ اس سے ان کا کچھ فضل و کمال ظاہر ہوتا ہے بخلاف وراثت علم و نبوت سو اس صورت میں حضرت سلیمانؑ کا فضل و کمال بھی ظاہر ہوتا ہے اور انکی تخصیص کی وجہ بھی ظاہر ہے کیونکہ علم و نبوت ایسی چیز نہیں کہ سب لوگ اس

کے وارث ہوسکیں۔

اور علیٰ ہذا آیت هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ میں بھی وراثت مالی مراد نہیں بلکہ علم نبوت کی وراثت مراد ہے اسلیئے کہ اگر اس آیت میں وراثت سے مال کی وراثت مراد ہو تو یہ کلام محض لغو اور مہمل ٹھہرتا ہے کیونکہ اس صورت میں الفاظ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ کی کوئی صحیح تاویل نہیں ہوسکتی اگر آل یعقوب سے مراد نفس یعقوب ہو تو لازم آئیگا کہ یعقوب علیہ السّلام کا مال زکریا علیہ السلام کے زمانہ تک بغیر تقسیم کے باقی رہا اور اس بات کو کوئی عاقل تسلیم نہیں کرسکتا کیونکہ حضرت زکریا علیہ السلام کا زمانہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے زمانہ سے تقریبًا دو ہزار برس پیچھے ہے اتنے عرصہ تک ان کے مال کا بغیر تقسیم کے باقی رہنا قیاس میں نہیں آسکتا اور اگر آل یعقوب سے مراد حضرت یعقوب علیہ السلام کی جملہ اولاد ہو تو لازم آئیگا کہ یحییٰ علیہ السلام تمام زندہ اور مردہ بنی اسرائیل کے وارث ہوں اور یہ بات پہلی بات سے بھی زیادہ غیر معقول ہے اور اگر آل یعقوب سے بعض اولاد مراد ہو تو پھر یہ معلوم نہیں کہ وہ کون بعض مراد ہیں۔

نیز حضرت زکریاؑ جیسے پاک نفس کی نسبت جن کے دل میں دنیا کے مال و متاع کی ایک مچھر کے برابر بھی وقعت نہ تھی وہ خدا تعالیٰ سے صرف اس لیے بیٹا مانگیں کہ اُن کے بعد وہ انکے مال و متاع کا وارث ہوسکے اور مبادا ان کے چچا زاد بھائی ان کے مال کے وارث نہ ہوجائیں اس بات کو کوئی عاقل ایک منٹ کے لیے بھی تسلیم نہیں کرسکتا کہ اللہ کا نبی مالی وراثت کی وجہ سے اس درجہ رنجیدہ اور غمگین ہو۔

وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ

اور جو کوئی بدکاری کرے تمہاری عورتوں میں

فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا

تو شاہد لاؤ ان پر چار مرد اپنے پھر اگر وہ گواہی دے دیں

فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ

تو ان کو بند رکھو گھروں میں جب تک کہ اٹھا لیوے ان کو موت یا کردے

يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ﴿۱۵﴾ وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ

اللہ ان کی کچھ راہ اور جو دو کرنے والے ہیں تم میں سے

فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ؕ

وہی کام تو ان کو ستاؤ پھر اگر توبہ کریں اور سنوار پکڑیں تو ان کا خیال چھوڑ دو

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۱۶﴾

اللہ توبہ قبول کرتا ہے مہربان

حکم ہشتم دربارۂ تادیب زانیہ

قَالَ تَعَالٰی وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ .... الی .... اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا

(ربط) گزشتہ آیات میں حدود اللہ سے تعدی کا قانون بیان فرمایا تھا اب اس قانون عام کے بعد اس کی بعض خاص صورتیں بیان فرماتے ہیں اور ان کی اصلاح کا طریقہ ارشاد فرماتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ منجملہ تعدّی حدود اللہ ایک زنا ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ تمہاری منکوحہ بیبیوں میں سے جو عورتیں بے حیائی کی مرتکب ہوں یعنی زنا کریں تو تم ان کے اس فعل پر اپنی جنس میں کے یعنی عاقل بالغ آزاد مذکر چار آدمی گواہ لاؤ پس اگر وہ چار آدمی ان پر اپنی چشم دید گواہی دے دیں اور اپنا عینی مشاہدہ بیان کر دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں محبوس اور بند رکھو کہ گھر سے باہر نہ نکلنے دو یہاں تک کہ موت ان کی عمر کو تمام کر دے یا مقرر کرے اللہ تعالیٰ ان کے لیے کوئی دوسری راہ یہ حکم ابتداء اسلام میں تھا کہ جس عورت پر زنا کی شہادت گزر جائے اس کو گھر میں محبوس اور مقید رکھا جائے تاکہ وہ کسی سے میل جول نہ کر سکے اس وقت تک زانیہ کے لیے کوئی حد مقرر نہیں ہوئی تھی بعد چندے سورۂ نور میں حکم نازل ہوا کہ جو کنوارا یا کنواری ایسا فعل کرے تو اس کے سو دُرّے مارے جائیں اور جو بیاہا اور بیاہی جس کو محصن اور محصنہ کہتے ہیں ایسا فعل کرے تو اس کو سنگسار کیا جائے چنانچہ حضور پُر نور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا خذوا عنی خذوا عنی قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا (رواہ مسلم) یعنی لے لو مجھ سے یہ حکم یعنی جلد اور رجم کا اللہ نے عورتوں کی یہ راہ نکال دی ہے۔

فائدہ

چار گواہ لانے کا حکم اس لیے دیا کہ معاملہ سنگین اور نازک ہے نیز اس میں پردہ پوشی بھی

ملحوظ ہے نیز زنا ایک مرد اور ایک عورت سے مل کر پایا جاتا ہے اور شہادت کے لیے کم از کم دو گواہ چاہئیں بس دو گواہ بلحاظ مرد کے اور دو گواہ بلحاظ عورت کی اس طرح چار ہو گئے۔ اور جو دو شخص تم میں سے بے حیائی کا ارتکاب کریں خواہ ایک مرد اور ایک عورت ہو یعنی زنا کریں یا دونوں مرد ہوں یعنی لواطت کریں تو ان کو مناسب سزا دو اور آزار پہنچاؤ یعنی ان کو عار دلاؤ اور برا بھلا کہو اور جوتے لگاؤ ابتداء میں یہی حکم تھا کہ حاکم اور قاضی زجر اور عبرت کے لیے جو اور جتنی سزا مناسب سمجھے وہ دے دے۔

اس کے بعد حسب وعدہ حدِّ زنا کا حکم نازل ہوا لیکن لواطت کے لیے کوئی جُدا حد نہیں بیان فرمائی اس لیے اس میں فقہاء کا اختلاف رہا کہ لواطت کی بھی وہی حد ہے جو زنا کی ہے کیونکہ لواطت بھی زنا ہی کے معنی میں ہے یا لواطت کی سزا تلوار سے قتل کرنا یا سنگسار کر دینا یا جلا دینا یا منارہ پر سے گرا دینا ہے کیونکہ لواطت کا جرم زنا سے بڑھ کر ہے اسی لیے احادیث میں فاعل ومفعول کے قتل کا حکم آیا ہے اور لعنت میں لواطت پر زنا کا اطلاق نہیں ہوتا اسی وجہ سے لواطت کی سزا میں صحابہ کرام کا اختلاف ہے اگر لواطت بعینہٖ زنا ہوتی تو بالاتفاق لواطت میں حد زنا ہوتی۔

فائدہ

آیت وَالَّذٰنِ يَأْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ جمہور علماء کے نزدیک زنا کے بارہ میں ہے اور وَالَّذٰنِ بمعنی دو شخص سے مرد اور عورت مراد ہیں اور تثنیہ مذکر کا صیغہ بطریقِ تغلیب لائے جیسا کہ شمس و قمر کو بطریقِ تغلیب قمرین کہتے ہیں اور بعض علماء کے نزدیک وَالَّذٰنِ سے وہ دو شخص مراد ہیں جو قوم لوط جیسا فعل کریں اور بعض علماء کے نزدیک یہ آیت لواطت اور زنا دونوں کے حکم کو شامل ہے اس لیے کہ فاحشہ جیسے زنا کو کہتے ہیں ایسے ہی لواطت کو بھی فاحشہ کہتے ہیں جیسا کہ حق تعالیٰ نے قوم لوط کے حق میں فرمایا ہے اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ۔ پس اگر آئندہ کے لیے یہ دونوں بدکار بدکاری سے توبہ کر لیں اور اپنی حالت کو درست کر لیں تو تم ان سے اعراض کرو نہ ملامت کرو اور نہ درپئے ایذاء ہو بے شک اللہ تعالیٰ بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے توبہ کرنے والوں پر رحم فرماتا ہے۔

فائدہ اس قسم کے احکام اسلام کی خصوصیت ہیں کہ جن سے زنا کا دروازہ ہی بند ہو جاتا ہے اسی وجہ سے اسلام نے حجاب کا حکم دیا تاکہ انسان کی نگاہ بھی پاک اور محفوظ رہے مہذب قومیں جن میں بے حجابی ہے ان کو دیکھ لو کہ کس طرح ان میں بے حیائی

اور بدکاری کا دروازہ کھلا ہوا ہے ایسی تہذیب تو قابل رجم (سنگساری) ہے جس سے بے حیائی کا دروازہ کھلے۔

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ

توبہ قبول کرنی اللہ کو ضرور سو ان کی جو عمل کرتے ہیں

السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِن قَرِيبٍ فَأُولَٰئِكَ

برا نادانی سے پھر توبہ کرتے ہیں شتاب سے تو ان کو

يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١٧﴾

اللہ معاف کرتا ہے اور اللہ سب جانتا ہے حکمت والا

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ

اور ان کی توبہ نہیں جو کرتے جاتے ہیں برے کام

حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ

جب تک سامنے آئے ایسے کسی کو موت کہنے لگا میں نے توبہ کی اب

الْآنَ وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۚ أُولَٰئِكَ

اور نہ ان کو جو مرتے ہیں کفر میں ان کے واسطے ہم نے تیار کی

أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٨﴾

دکھ کی مار

حکم نہم بیان شرائطِ قبول توبہ

قال تعالیٰ إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ ...... الیٰ ..... أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝

(ربط) گزشتہ آیت میں یہ بیان فرمایا تھا کہ جو لوگ بدکاری کے مرتکب ہوں جب وہ توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لیں تو ان کو کسی قسم کی ایذاء نہ دو اب اس آیت میں قبول توبہ کی شرط کو بیان فرماتے ہیں جز این نیست کہ قبول توبہ کا وعدہ حق تعالٰی پر انہیں لوگوں کے لیے ہے جو برا کام کر بیٹھے ہیں نادانی کے ساتھ پھر اس پر اصرار نہیں کرتے بلکہ جلدی ہی توبہ کر لیتے ہیں یعنی وقت کے اندر حضور موت سے پہلے ہی پس ایسے ہی لوگوں پر اللہ تعالیٰ توجہ فرماتا ہے اور ان کی توبہ قبول کرتا ہے اور اللہ تعالٰی بڑے جاننے والے اور حکمت والے ہیں خوب جانتے ہیں کہ کس نے اخلاص کے ساتھ حقیقۃً توبہ کی ہے اور حکمت والے ہیں کہ توبہ کے بعد سزا نہیں دیتے اور قبول توبہ کا وعدہ ان لوگوں کے لیے نہیں کہ جو متواتر گناہ کرتے ہیں یہاں تک کہ جب موت ان کے سامنے آگئی اور عالم آخرت کی چیزیں ان کو نظر آنے لگیں تو کہنے لگے کہ اب میں نے توبہ کی اور نہ ان لوگوں کے لیے وعدہ ہے کہ جو کافر مرتے ہیں۔ یعنی تادم مرگ تو کفر پر قائم رہے اور جب مرنے لگے اور احوال مرگ کے مشاہدہ سے آخرت کا یقین آگیا اس وقت اپنے کفر سے توبہ کریں اور ایمان لائیں تو ان کی توبہ اور ایمان مقبول نہیں اس لیے کہ یہ توبہ اور ایمان اضطراری ہے اپنے ارادہ اور اختیار سے نہیں یا یہ مطلب ہے کہ جو لوگ کفر کی حالت میں مر جائیں اگر وہ آخرت میں اپنے کفر سے توبہ کریں گے تو ان کی وہ توبہ قبول نہ ہو گی کیونکہ آخرت دار الجزاء ہے دار العمل نہیں ایسے ہی لوگوں کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کیا ہے پہلی آیت مؤمن عاصی کے بارہ میں ہے اور دوسری آیت کافر کے بارہ میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ جب موت سامنے آکھڑی ہوئی اور آنکھوں سے پردہ اٹھ گیا اور ملک الموت اور اس عالم کی چیزیں نظر آنے لگیں تو ایسے وقت میں گنہگار مسلمان کی گناہوں سے توبہ اور کافر کی اپنے کفر سے توبہ مقبول نہیں اور اصل مقصود گنہ گار مسلمان کو تنبیہ ہے کہ اپنے گناہوں سے جلد توبہ کر کافر کی طرح موت کا انتظار نہ کر۔

فوائد و لطائف

(۱) بِجَهَالَةٍ کے ظاہری معنی ناواقفیت اور نادانی کے ہیں جس کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ جو گناہ نادانی سے سرزد ہو جائے وہ توبہ سے معاف ہو جائے گا ورنہ نہیں مگر یہ مطلب یہاں مقصود نہیں اس لیے کہ تمام صحابہ کا اس پر اتفاق ہے کہ انسان سے جو گناہ بھی صادر ہو وہ جہالت اور نادانی ہی ہے خواہ عمداً ہو یا سہواً ہر معصیت جہالت میں داخل ہے اور اصطلاح شرع میں ہر گنہگار کو جاہل اور نادان کہتے ہیں اور فراء[1] کہتے ہیں کہ بجہالۃ سے یہ مراد ہے کہ ان لوگوں کو معصیت کی کنہ اور حقیقت

---

[1] قال الفراء معنی قولہ سبحانہ بجھالۃ انھم لا یعلمون کنہ ما فی المعصیۃ من العقوبۃ فقال الزجاج معنی ذلك اختیارھم اللذۃ الفانیۃ علی اللذۃ الباقیۃ - روح المعانی ص ۲۱۴ ج ۴

اور اس کی عقوبت کا علم نہ تھا۔

اور زجاج کہتے ہیں کہ جہالت سے یہ مراد ہے کہ لذت فانیہ کو لذت باقیہ پر ترجیح دی۔

(۲) مِنۡ قَرِيۡبٍ کا ظاہری مطلب تو یہ ہے کہ گناہ کے بعد فوراً توبہ کرے تو معاف ہوگا ورنہ نہیں سو جاننا چاہیئے کہ یہ ظاہری مطلب مراد نہیں بلکہ حق تعالیٰ نے اپنی رحمت واسعہ سے بڑی وسعت عنایت فرمائی کہ انسان کی موت تک جس قدر بھی زمانہ ہے وہ سب قریب ہی میں شمار ہوگا کیونکہ جو چیز آنے والی ہے وہ قریب ہی ہے احادیث میں آیا ہے کہ جب تک غرغرہ کی حالت نہ پیدا ہو اس وقت تک توبہ قبول ہوتی ہے اور جب نزعِ روح شروع ہو جائے اور فرشتے وغیرہ دکھائی دینے لگیں تو اس وقت توبہ قبول نہیں ہوتی اس لیے کہ اس وقت ایمان بالغیب نہیں رہا۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ من قریب کے معنی یہ ہیں کہ دل میں گناہ کی محبت رچ جانے سے پہلے توبہ کرلے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ بِجَهَالَةٍ اور مِنۡ قَرِيۡبٍ کی قید جمہور علماء کے نزدیک قید واقعی ہے احترازی نہیں مگر شیخ الہندؒ کی رائے یہ ہے کہ بہتر یہ ہے کہ قید جہالت اور لفظ قریب دونوں کو اپنے ظاہری معنی پر رکھا جائے اور اِنَّمَا التَّوۡبَةُ عَلَى اللّٰهِ میں بھی لفظ علی اللہ کو ظاہر پر رکھا جائے اور مطلب آیت کا یہ ہو کہ قبول توبہ کا وعدہ اور ذمہ اُن لوگوں کے لیے مخصوص ہے کہ جو محض ناواقفیت اور نادانی سے کوئی صغیرہ یا کبیرہ کر بیٹھتے ہیں مگر جب اپنی خرابی پر مطلع ہوتے ہیں تو جب ہی نادم ہو کر توبہ کر لیتے ہیں ایسے لوگوں سے تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ان کی توبہ ضرور قبول فرمائے گا اور جو لوگ دیدہ و دانستہ گناہ کرنے کی جرأت کرتے ہیں یا متنبہ ہونے کے بعد بھی توبہ میں تاخیر کرتے ہیں تو اگرچہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی توبہ بھی اپنے فضل واحسان سے قبول کر لیتا ہے مگر ذمہ داری اور وعدہ نہیں جیسا کہ پہلے قسم کے لوگوں سے تھی خوب سمجھ لو کہ یہ مطلب نہایت لطیف ہے اے اللہ تو اپنی رحمت سے معصیت سے ہماری حفاظت فرما اور توبہ کی توفیق عطا فرما آمین۔

يَاأَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا يَحِلُّ لَكُمۡ اَنۡ تَرِثُوا النِّسَآءَ

اے ایمان والو حلال نہیں تم کو کہ میراث میں لے لو عورتوں کو

كَرۡهًا ۖ وَلَا تَعۡضُلُوۡهُنَّ لِتَذۡهَبُوۡا بِبَعۡضِ مَآ

زور سے اور نہ ان کو بند رکھو کہ لے لو ان سے کچھ

اٰتَيۡتُمُوۡهُنَّ اِلَّاۤ اَنۡ يَّاۡتِيۡنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ‌ ۚ

اپنا دیا مگر کہ وہ کریں بے حیائی صریح

وَعَاشِرُوۡهُنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ‌ ۚ فَاِنۡ كَرِهۡتُمُوۡهُنَّ

اور گزران کرو عورتوں کے ساتھ معقول پھر اگر وہ تم کو نہ بھاویں

فَعَسٰۤى اَنۡ تَكۡرَهُوۡا شَيۡـئًا وَّيَجۡعَلَ اللّٰهُ فِيۡهِ

تو شاید تم کو نہ بھاوے ایک چیز اور اللہ نے رکھی اس میں

خَيۡرًا كَثِيۡرًا ﴿۱۹﴾

بہت خوبی۔

حکمِ دہم ممانعتِ ظلم برنسواں

قال تعالیٰ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا يَحِلُّ لَـكُمۡ اَنۡ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرۡهًا ۔۔۔۔ الیٰ۔۔۔
وَيَجۡعَلَ اللّٰهُ فِيۡهِ خَيۡرًا كَثِيۡرًا ٥

(ربط) اس آیت میں بھی منجملہ تعدّی حدود اللہ کی ایک خاص صورت کو بیان فرماتے ہیں کہ عورتوں کا زبردستی مالک بن جانا یہ بھی حدود اللہ سے تجاوز کرنا ہے زمانۂ جاہلیت میں یہ رسم تھی کہ جب کوئی شخص بیوی چھوڑ کر مر جاتا تو اس کا سوتیلا بیٹا جو دوسری بیوی سے ہوتا یا کوئی اور وارث آکر اُس بیوہ عورت پر کوئی چادر یا کپڑا ڈال دیتا اور یہ کہتا کہ جس طرح میں میت کے مال کا وارث ہوں اسی طرح اس کی بیوہ کا بھی وارث ہوں اس کے بعد اگر وہ چاہتا تو بغیر مہر کے خود اس سے نکاح کر لیتا یا کسی اور سے نکاح کر دیتا مگر اُس کا مہر خود لے لیتا یا نہ خود نکاح کرتا اور نہ کسی سے اس کو نکاح کرنے دیتا تاکہ وہ جب مالدار بیوہ مر جائے تو اس کے تمام مال پر قبضہ کر لے حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے ان تمام ناشائستہ افعال سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا اے ایمان والو تمہارے لیے یہ حلال نہیں کہ تم زبردستی عورتوں کی جان و مال کے وارث بن جاؤ مطلب یہ ہے کہ تمہارے لیے یہ حلال نہیں کہ تم عورت کو میت کا ترکہ سمجھ کر اس کے وارث بن جاؤ اور زبردستی اس سے نکاح کر لو یا کسی دوسرے سے نکاح کرا دو اور اس کا مہر خود کھا جاؤ یا اُن کو

نکاح سے رو کے رکھو تاکہ جب وہ مرجائیں تو ان کے مال کے وارث ہو جاؤ اس آیت میں یہاں تک تو خطاب اولیاء میت یعنی وارثوں کو تھا اب آیندہ آیت میں شوہروں کی تعدّی کے متعلق حکم ارشاد فرماتے ہیں اور عورتوں کو محض اس لیے تنگ نہ کرو کہ جو کچھ تم ان کو دے چکے ہو اس میں کا کچھ حصّہ ان سے واپس لے لو یعنی تم کو اس کی اجازت نہیں کہ عورتوں کو اپنے نکاح میں رکھ کر ان کو ایسا تنگ کرو کہ وہ خلع کرنے پر مجبور ہو جائیں اور غرض صرف اس قدر ہو کہ جو مال تم اس کو مہر میں دے چکے ہو وہ خلع کے بہانہ سے پھر واپس لے لو مگر اس صورت میں کہ جب عورتیں کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں مثلاً زنا کریں یا بدزبانی یا نافرمانی کریں تو ایسی صورت میں تم کو حق پہنچتا ہے کہ ان کو خلع پر اور مہر کی واپسی پر مجبور کرو جیسا کہ سورۂ بقرہ میں گزرا ہے لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ الاٰيۃ ۔ یعنی زنا اور بدزبانی اور صریح نافرمانی کی صورت میں عورت کو مجبور کر کے مہر واپس لے لینے میں کوئی مضائقہ نہیں جیسے آج کل کی بعض آزاد عورتیں کہ جہاں چاہیں پھرتی ہیں ان کو خلع پر مجبور کرنا فقط جائز ہی نہیں بلکہ امید ہے کہ عند اللہ واجب ہی ہوگا جب عورت کی آزادی سے نسب ہی مشتبہ ہو گیا تو نکاح سے کیا فائدہ ہوا اس کے بعد آیندہ آیت میں شوہروں کو حسنِ معاشرت کا حکم دیتے ہیں اور فرماتے ہیں اور عورتوں کے ساتھ خوبی کے ساتھ گذران کرو یعنی حسن اخلاق کے ساتھ پیش آؤ اور نان و نفقہ کی خبرگیری رکھو اور اگر کئی بیویاں ہوں تو عدل اور انصاف کو ملحوظ رکھو پس اگر کسی وجہ سے تم ان کو ناپسند کرو تو صبر اور تحمل سے کام لو شاید عورتوں کی کوئی چیز تم کو ناپسند ہو اور اللہ اس میں بہت سی خیر اور خوبی پیدا کر دے یعنی اگر تم کو کسی وجہ سے اپنی بیویاں ناپسند ہوں تب بھی ان کے ساتھ حسن اخلاق اور خوبی اور نرمی کے ساتھ معاملہ کرنا چاہیے شاید ان سے کوئی اولاد صالح پیدا ہو جائے جو دنیا اور آخرت میں تمہارے کام آئے تو اس وجہ سے تمہاری کراہت و نفرت مبدل بہ محبت ہو جائے گی یا مثلاً اگر بیوی کچھ بدصورت ہے مگر سیرت اور عادت کے لحاظ سے اچھی ہے تو اس کی ظاہری صورت پر نظر نہ کرو بلکہ اس کی سیرت پر نظر کر کے حسن سلوک کے ساتھ پیش آؤ غرض یہ کہ اس آیت میں اس امر کی ہدایت کی گئی ہے کہ اگر کسی وجہ سے بیوی ناپسند ہو تو اپنی طبیعت پر جبر کر کے صبر اور تحمل سے کام لو اگر ان میں کوئی چیز ناپسند ہو تو شاید کچھ خوبی بھی ہو اور اقل درجہ یہ ہے کہ صبر کا اجر تو کہیں ضائع نہیں ہو سکتا ۔

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ

اور اگر — بدلہ چاہو — ایک عورت کی جگہ — دوسری عورت

وَاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ

اور دے چکے ہو ایک کو ڈھیر مال تو پھر نہ لو اس میں سے

شَيْـًٔا ۭ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝۲۰

کچھ کیا لیا چاہتے ہو ناحق اور صریح گناہ سے

وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ

اور کیونکر اس کو لے سکو اور پہنچ چکے ایک دوسرے تک

وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝۲۱

اور لے چکیں تم سے عہد گاڑھا

تتمہ مضمون سابق

اوپر کی آیت میں حق تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ تمہاری بیویاں فحاشی کی مرتکب ہوں تو اُن کو ضرر پہنچا کر خلع پر مجبور کرنا اور اس طرح ان سے دیا ہوا مہر واپس لے لینا روا ہے اب اس آیت میں یہ فرماتے ہیں کہ اگر عورتیں بے قصور ہوں اور بدکار اور نافرمان نہ ہوں اور تم ان کو محض اپنی رغبت سے چھوڑنا چاہو تو پھر ان کو ستا کر اور تنگ کر کے اپنا دیا ہوا مہر ان سے واپس لینا تمہارے لیے روا نہیں خواہ وہ دیا ہوا مہر کتنا ہی کثیر کیوں نہ ہو کیونکہ جب وہ بے قصور ہیں تو ان کو ایذاء پہنچانا حرام ہے زمانۂ جاہلیت کا ایک دستور یہ بھی تھا کہ جب کوئی شخص اپنی عورت سے ناخوش ہوتا اور اسے چھوڑ کر دوسری عورت سے نکاح کرنا چاہتا تو پہلی عورت پر جھوٹ موٹ کوئی تہمت لگاتا اور مختلف طرح سے اس کو ستاتا تاکہ مجبور ہو کر مہر واپس کر دے تاکہ یہ مہر جدید نکاح میں کام آئے اس کی ممانعت میں یہ آیت نازل ہوئی اور اگر تم محض اپنی رغبت سے ایک بیوی کی جگہ دوسری یعنی جو بیوی تمہارے نکاح میں ہے اور اس کا کوئی قصور بھی نہیں تو اس کو محض اپنی طبعی رغبت کی بناء پر طلاق دیکر دوسری بیوی کرنا چاہو اور ان میں سے اس بیوی کو مال کا ایک خزانہ بھی دے چکے ہو تو تم اس دیئے ہوئے مال میں سے کوئی چیز واپس نہ لو کیا تم اس دیئے ہوئے مال کو تہمت لگا کر اور صریح

گناہ کے ذریعہ واپس لینا چاہتے ہو۔ یعنی اگر تم بلا وجہ اور بے قصور پہلی بیوی سے مہر واپس لو گے تو یہ ناحق اور کھلا گناہ ہوگا اور بھلا تم اس دیئے ہوئے مہر کو کیسے اور کس طرح لیتے ہو حالانکہ ایک دوسرے سے خلوت اور تنہائی میں مل چکا ہے اور تمتع اور تلذذ سے کوئی مانع باقی نہیں رہا تو مہر تم پر واجب ہو چکا اب کس استحقاق سے تم اس کو ان سے واپس لیتے ہو اسی بناء پر امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مذہب ہے کہ جب میاں اور بیوی ایک جگہ خلوت میں جمع ہو جائیں اور کوئی امر شرعی جماع سے مانع نہ رہا ہو تو عورت کا پورا مہر مرد کے ذمہ واجب ہو جاتا ہے خواہ جماع متحقق ہو یا نہ ہو کیونکہ افضاء کے معنی فضاء یعنی خالی جگہ میں جانے کے ہیں معلوم ہوا کہ محض افضاء یعنی خلوت ہو جانے سے پورا مہر واجب ہو جاتا اور یہی جمہور صحابہ و تابعین کا مذہب ہے اور بعض فقہاء کے نزدیک ہمبستری یعنی جماع کے بعد پورا مہر واجب ہوتا ہے اور اگر جماع سے پہلے طلاق دیدے تو اس کے ذمہ آدھا مہر ہوگا تفصیل کیلئے ابو بکر رازیؒ کی احکام القرآن کو دیکھیئے

اور علاوہ ازیں وہ عورتیں تم سے مضبوط اور پختہ عہد لے چکی ہیں عہد سے مراد ایجاب اور قبول ہے یعنی جب تم نے گواہوں کے سامنے ایجاب و قبول کر لیا اور مہر اور تمام حقوق اور لوازم نکاح کا التزام کر لیا جو بروئے نکاح تم پر عائد ہوتے ہیں پس اس عہد اور میثاق کے بعد مہر کا واپس لینا سخت بے مروتی اور عہد شکنی ہے اس آیت میں مہر واپس لینے کی حرمت کی دو علتیں بیان فرمائیں۔

اوّل یہ کہ تم ایک دوسرے سے تنہائی اور خلوت میں مل چکے ہو اور جب مرد عورت تک پہنچ گیا اور جماع سے کوئی مانع باقی نہ رہا تو اس پر پورا مہر لازم ہو گیا۔

دوسری علت یہ بیان فرمائی کہ عورتیں ایجاب و قبول کے ذریعہ تم سے پختہ عہد لے چکی اور تمہاری ملک میں آگئی ہیں بغیر تمہارے چھوڑے دوسرے سے نکاح نہیں کر سکتیں پس اس پختہ عہد کے بعد ان سے مہر کو واپس لینا اس عہد کے خلاف ہے

وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ

اور نکاح میں نہ لاؤ جن عورتوں کو نکاح میں لائے

اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۭ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّ

تمہارے باپ مگر جو ہو چکا یہ بے حیائی ہے اور

مَقْتًا ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ﴿۲۲﴾ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّھٰتُكُمْ وَ

۳ ع ۸ ۱۴

کام غضب کا اور بری راہ ہے حرام ہوئی ہیں تم پر تمہاری مائیں

بَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ

اور بیٹیاں اور بہنیں اور پھوپھیاں اور خالائیں اور بھائی کی

الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّھٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ

بیٹیاں اور بہن کی بیٹیاں اور جن ماؤں نے تم کو دودھ دیا

وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّھٰتُ نِسَاۗىِٕكُمْ وَ

اور دودھ کی بہنیں اور تمہاری عورتوں کی مائیں اور

رَبَاۗىِٕبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَاۗىِٕكُمُ الّٰتِيْ

ان کی بیٹیاں جو تمہاری پرورش میں ہیں جن عورتوں سے تم نے

دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۡ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ

صحبت کی پھر اگر تم نے صحبت نہیں کی تو تم پر گناہ

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ۡ وَحَلَاۗىِٕلُ اَبْنَاۗىِٕكُمُ الَّذِيْنَ

نہیں اور عورتیں تمہارے بیٹوں کی جو تمہاری

مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ

پشت سے ہوں اور یہ کہ اکٹھے کرو دو بہنوں کو

اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۳﴾ۙ

مگر جو آگے ہو چکا اللہ بخشنے والا مہربان ہے

حکم یازدہم تفصیل محرّمات

قَالَ اللّٰهُ تعالیٰ وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ .... الیٰ ... اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا

(ربط) زمانۂ جاہلیت میں نکاح کے معاملات میں بھی سخت افراط و تفریط ہوتی تھی اور حدود اللہ سے تعدّی میں گرفتار تھے بعض لوگ اپنے باپ کی منکوحہ یعنی سوتیلی ماں سے بھی نکاح کر لیتے اور بعض اپنے بیٹوں کی بیویوں سے نکاح کر لیتے اور بعض دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرتے اس لیے حق تعالیٰ نے ان آیات میں اُن عورتوں کا ذکر فرمایا جن سے نکاح حرام ہے اور اس سلسلہ میں سب سے پہلے باپ کی منکوحہ سے نکاح کی حرمت اور ممانعت کو بیان فرمایا اور مت نکاح میں لاؤ ان عورتوں کو جن کو تمہارے آباء و اجداد نکاح میں لا چکے ہیں لیکن جو ہو چکا سو ہو چکا اس پر کوئی مؤاخذہ نہیں کیونکہ جو چیز نہی اور ممانعت سے پہلے کی جا چکی ہے اس پر عذاب نہیں ہاں اگر آئندہ ایسا نکاح کرو گے یا ایسے نکاح پر قائم رہو گے اس پر سخت مؤاخذہ ہوگا کیونکہ باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنا سخت بے حیائی ہے باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنا اپنی ماں سے نکاح کرنے کے مشابہ ہے اور بڑا ہی مبغوض کام ہے۔ اہل مروت کی نظر میں یہ کام نہایت ہی معیوب اور غایت درجہ قبیح اور قابل نفرت ہے اسی وجہ سے اہل عرب اس لڑکے کو جو کہ باپ کی منکوحہ کے بطن سے پیدا ہوتا تھا مقتی کہتے تھے مقت کے معنی لغت میں سخت بغض کے ہیں اور نہایت ہی برا طریقہ ہے کہ باپ کی حرمت اور آبرو کو ملحوظ نہ رکھا کہ اس کی منکوحہ کو اپنے نکاح میں لے آیا۔

براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میرا ماموں میرے پاس سے گزرا اور اس کے پاس ایک جھنڈا تھا میں نے کہا کہ آپ کہاں جا رہے ہیں تو یہ جواب دیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک آدمی کی طرف بھیجا ہے کہ جس نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کر لیا ہے کہ اس کا سر اتار لاؤں (رواہ احمد و ابو داؤد والترمذی وغیرہم)

فائدہ

باپ کی منکوحہ سے نکاح کی حرمت میں تین لفظ فرمائے ایک فاحشہ اور دوسرا مقت اور تیسرا ساء سبیلا فاحشہ سے قبیح عقلی مراد ہے یعنی باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنا عقلاً قبیح ہے اور مقتا سے قبیح شرعی مراد ہے یعنی شرعاً اور عند اللہ قبیح ہے موجب غضب خداوندی ہے اور ساء سبیلا

سے قبیح عرفی مراد ہے یعنی برا طریقہ اور بری عادت ہے مطلب یہ ہوا ہے کہ اس نکاح میں قبیح کی تمام مراتب جمع ہیں لہذا غایت درجہ قبیح ہوا اور ایسا شخص مستحق قتل ہوا۔

پھر جب باپ کی منکوحہ سے نکاح کی حرمت بیان فرما چکے تو اب ان عورتوں کی تفصیل فرماتے ہیں جن سے نکاح حرام اور باطل ہے اور ان کی کئی قسمیں ہیں۔

قسم اوّل محرمات نسبیہ

یعنی جو عورتیں نسب میں شریک ہونے کی وجہ سے حرام ہیں وہ یہ ہیں۔ حرام کی گئیں تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں یعنی تمہاری تمام اصول اور فروع عورتیں تم پر حرام ہیں خواہ وہ اصول و فروع بواسطہ ہوں یا بلا واسطہ اور حرام کی گئیں تم پر تمہاری بہنیں خواہ وہ عینی ہوں یا علاتی یا اخیافی اور حرام کی گئیں تم پر تمہاری پھوپھیاں یعنی تمہارے باپ دادا کی بہنیں خواہ کتنے ہی درجہ اوپر کی ہوں اور خواہ وہ باپ دادا کی عینی یا علاتی یا اخیافی بہنیں ہوں اور نانا کی کی بہن بھی پھوپھی کے حکم میں ہے اور حرام کی گئیں تم پر تمہاری خالائیں یعنی تمہاری ماں کی بہنیں خواہ وہ عینی ہوں یا علاتی یا اخیافی اور حرام کی گئیں تم پر تمہارے بھائی کی بیٹیاں یعنی بھتیجیاں اور حرام کی گئیں تم پر تمہاری بہن کی بیٹیاں یعنی تمہاری بھانجیاں یعنی جو عورتیں بھائی یا بہن کی نسل سے ہوں اور ان کا نسب بھائی یا بہن کی طرف منتہی ہوتا ہو وہ سب تم پر حرام ہیں۔

یہ سات قسمیں محرمات نسبیہ کی ہیں جو آدمی پر اس کے نسب میں شریک ہونے کی وجہ سے حرام ہیں اور ان کی حرمت تابیدی ہے یعنی ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے ان سے نکاح حرام ہے۔

قسم دوم محرمات رضاعیہ

اور حرام کی گئیں تم پر وہ رضاعی مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا اور ایسے ہی تمہاری رضاعی بہنیں بھی تم پر حرام کی گئیں ہیں اس آیت میں خدا تعالیٰ نے صرف رضاعی ماؤں اور رضاعی بہنوں ہی کی حرمت کا ذکر فرمایا حالانکہ رضاعی نانیاں اور رضاعی پھوپیاں اور خالائیں اور بھانجیاں اور بھتیجیاں بھی حرام ہیں مگر حق تعالیٰ نے صرف رضاعی ماں اور رضاعی بہن کی حرمت کے بیان پر اکتفا فرمایا تاکہ اس طرف اشارہ ہو جائے کہ رضاعت بمنزلہ نسب کے ہے اور جو ساتوں رشتے نسب سے حرام ہیں وہ رضاعت سے بھی حرام ہیں یعنی رضاعی بیٹی اور پھوپھی اور خالہ اور بھتیجی اور بھانجی بھی حرام ہیں اور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی صراحت فرما دی کہ یحرم من الرضاع ما

يحرم من النسب

ف اور دودھ پینا وہی معتبر ہے جو زمانۂ شیرخوارگی میں پیا ہو۔

قسم سوم محرمات صہریہ

یعنی جن عورتوں سے علاقۂ نکاح کی وجہ سے نکاح حرام ہے اب اُن کا ذکر فرماتے ہیں اور اسکی دو قسمیں ہیں اول وہ کہ اُن سے ہمیشہ کے لیے نکاح حرام ہے اور وہ زوجہ کی ماں یعنی ساس اور اس زوجہ کی بیٹی جو دوسرے شوہر سے ہو مگر شرط یہ ہے کہ تم نے اس زوجہ سے صحبت بھی کی ہو اگر صحبت سے پہلے ہی کسی عورت کو طلاق دے دو تو اس مطلقہ کی بیٹی سے نکاح ہو سکتا ہے یہ شرط بیوی کی بیٹی کے لیے ہے مگر بیوی کی ماں یعنی ساس کے لیے یہ شرط نہیں جس عورت سے نکاح کرلے خواہ اس سے ابھی صحبت نہ کی ہو صرف نکاح کرنے سے اس عورت کی ماں یعنی ساس ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس پر حرام ہو جاتی ہے اور تمہارے صلبی بیٹوں کی عورتیں ان سے بھی تمہارا نکاح کبھی درست نہیں ہو سکتا اور دوسری قسم وہ ہے کہ ان سے ہمیشہ کے لیے نکاح حرام نہیں بلکہ جب تک کوئی عورت تمہارے نکاح میں رہے اس وقت تک اس عورت کی قرابت والی عورت سے نکاح درست نہیں جیسے بیوی کی بہن کہ زوجہ کی موجودگی میں تو اس سے نکاح نہیں ہو سکتا البتہ زوجہ کی موت کے بعد یا اس کو طلاق دے دینے کے بعد اس کی بہن سے نکاح ہو سکتا ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور حرام کردی گئیں تم پر تمہاری بیویوں کی مائیں یعنی ساسیں اور حرام کی گئیں تم پر تمہاری بیویوں کی بیٹیاں جو تمہاری پرورش میں ہوں لیکن یہ حکم مطلقاً نہیں بلکہ اس میں یہ قید ہے کہ وہ لڑکیاں ان بیویوں سے ہوں کہ جن سے تم نے صحبت کی ہو یعنی کسی عورت کے ساتھ صرف نکاح کر لینے سے اس کی لڑکی (جو پہلے شوہر سے ہو) اس دوسرے شوہر پر حرام نہیں ہو جاتی بلکہ جب نکاح کے بعد اس عورت سے صحبت بھی کرلے تب اس پر بیوی کی لڑکی حرام ہو جاتی ہے پس اگر تم نے ان عورتوں سے صحبت نہیں کی صرف ابھی نکاح ہی ہوا ہے اور صحبت کی نوبت نہیں آئی تو ایسی عورتوں کی بیٹیوں سے نکاح کرنے میں تم پر کوئی گناہ نہیں۔

ف (۱) مرد کی بیوی کی لڑکی جو دوسرے خاوند سے ہو اس کو ربیبہ کہتے ہیں جس کی جمع ربائب ہے۔ اور ربائب کی صفت میں جو فی حجورکم کا لفظ آیا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ جو تمہاری پرورش میں ہیں اور جن کو تم اپنی گود میں پالتے ہو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر وہ ربیبہ یعنی عورت کے پہلے خاوند کی بیٹی تمہاری پرورش میں ہو تب تو اس سے تمہارا نکاح حرام ہے اور اگر تمہاری پرورش

میں نہ ہو تو نکاح حرام نہیں بلکہ ربیبہ سے ہر حال میں نکاح حرام ہے خواہ تمہاری پرورش میں ہو یا نہ ہو اور فی حجورکم کی قید واقعی ہے کہ اکثر و بیشتر ربیبہ دوسرے شوہر کی پرورش میں رہتی ہے اور اس صفت کے بڑھانے میں اشارہ اس طرف ہے کہ وہ ربیبہ جو تمہاری گود میں پل رہی ہے وہ بمنزلہ تمہاری بیٹی کے ہے اس سے نکاح کرنا گویا بیٹی سے نکاح کرنا ہے ربیبہ سے نکاح کی حرمت ظاہر کرنے کے لیے فی حجورکم کی یہ قید بڑھائی گئی اور حرام کی گئیں ہیں تم پر تمہارے صُلبی بیٹوں کی عورتیں یعنی تمہارے حقیقی بیٹوں کی عورتیں تم پر حرام ہیں بشرطیکہ وہ بیٹے تمہارے صلب (پشت) سے ہوں یعنی متبنیٰ اور منہ بولے اور لے پالک نہ ہوں کیونکہ لے پالک بیٹے کے حکم میں نہیں اپنے لے پالک (متبنیٰ) کی بیوی سے طلاق کے بعد نکاح جائز ہے اور حرام کیا گیا تم پر دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا یعنی دو سگی یا رضاعی بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں رکھنا حرام ہے اگر ایک عورت نکاح میں ہو تو اس کی موجودگی میں اس کی بہن سے نکاح کرنا حرام ہے ہاں اگر وہ مر جائے یا اس کو طلاق دے دیں تو اس حالت میں اس کی بہن یعنی اپنی سالی کے ساتھ نکاح کرنے میں مضائقہ نہیں اور اسی طرح ان دو عورتوں کا نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں جن میں اگر کسی ایک کو مرد فرض کیا جائے تو دوسری سے اس کا نکاح ناجائز ہو مثلاً ایک پھوپھی ہو اور ایک بھتیجی یا ایک خالہ ہو اور ایک بھانجی مگر جو اس حکم سے پہلے گزر چکا یعنی ممانعت سے پہلے جو تم اس قسم کے نکاح کر چکے ہو ان پر ہم تم سے مؤاخذہ نہیں کریں گے مگر آیندہ ہرگز ہرگز ایسے نکاح نہ کرو اور جو پہلے سے دو بہنیں تمہارے نکاح میں موجود ہوں تو ان میں سے دوسری کو جدا کر دو بے شک اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے کہ ممانعت سے پہلے جو کر چکے ہو اس پر مؤاخذہ نہیں کرتا کیونکہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ۔ اور اللہ تعالیٰ کسی قوم کو گمراہ نہیں قرار دیتے جب تک ان کو کھول کر نہ بتلا دیں کہ فلاں چیز سے بچنا ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا اور جب تک ہم رسول نہ بھیج لیں اس وقت تک ہم عذاب نہیں دیتے۔

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ

اور نکاح بند ہی عورتیں مگر جن کے مالک ہو جاویں تمہارے ہاتھ

كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ

حکم ہوا اللہ کا تم پر

قسم چہارم شوہر والی عورتیں

قال اللہ تعالیٰ وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ

اور حرام کی گئیں تم پر شوہر دار عورتیں کہ جو کسی کے قید نکاح میں ہیں یعنی خاوند والی عورتیں تم پر حرام ہیں جب تک ان کے خاوند نہ مریں یا طلاق نہ دیں اور وفات یا طلاق کی عدت نہ گزر جائے تو دوسروں کو ان سے نکاح درست نہیں۔

ف (۲) خاوند والی عورتوں کو المحصنٰت اس لیے فرمایا کہ لفظ محصنات۔ حصن بمعنی قلعہ سے مشتق ہے یعنی جو عورتیں نکاح کے قلعہ میں مقید ہیں جب تک مالک دروازہ نہ کھولے اس وقت تک قلعہ سے باہر نہیں نکل سکتیں خاوند نے یا نکاح نے ان کو مقید کر رکھا ہے مگر وہ خاوند والی عورتیں جو جہاد میں قید ہو کر آئیں اور ان کے شوہر ان کے ساتھ نہ ہوں اور تمہارے ہاتھ ان کے مالک ہو جائیں تو ایسی شوہر والی عورتیں حکم سابق سے مستثنیٰ ہیں مسلمان جب دار الحرب پر چڑھائی کر کے کسی عورت کو قید کر کے دار الاسلام میں لے آئیں اور اس کا شوہر وہیں دار الحرب میں رہ گیا ہو تو وہ عورت جس مسلمان کو غنیمت میں ملے گی وہ اس کے لیے حلال ہے اگرچہ اس کا شوہر دار الحرب میں زندہ موجود ہو اور اس نے طلاق بھی نہ دی اس لیے کہ وہ عورتیں غنیمت میں تقسیم ہو جانے کے بعد تمہاری مملوکہ بن گئیں تو اس سے ان کا سابق نکاح ختم ہو گیا اور اب وہ غیر منکوحہ ہو گئیں اور مجاہدین کے ملک میں داخل ہو جانے کی وجہ سے پہلا ازدواجی تعلق بالکل ختم ہو گیا۔

ف (۳) جو عورت کافرہ دار الحرب سے پکڑی ہوئی آئے اس کے حلال ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ایک حیض گزر جائے اور اگر حاملہ ہو تو وضع ہو جائے اس سے پہلے اس سے صحبت روا نہیں۔

شانِ نزول

صحیح مسلم میں ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ غزوۂ اوطاس میں جو عورتیں قید ہو کر آئیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو صحابہ پر تقسیم کیا اور ان کے شوہر ان کی قوم میں تھے تو صحابہ کو ان عورتوں سے صحبت کرنے میں تردد ہوا اور آپؐ سے اس کا ذکر کیا تو اس پر آیت نازل ہوئی یعنی وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۔ یعنی جن عورتوں کے تم مالک ہوگئے وہ تمہارے لیے حلال ہیں اگرچہ ان کے خاوند دار الحرب میں زندہ موجود ہیں (تفسیر قرطبی ص۱۲۱ ج ۵) وہکذا رواہ الامام احمد والترمذی والنسائی وابن ماجہ (تفسیر ابن کثیر ص۴۷۳ ج ۱)

اب ان سب محرمات کو بیان فرما کر اخیر میں بطور تاکید فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے تم پر یہ حکم لکھ دیا ہے اس کی پابندی تم پر لازم ہے اور زجاج نے اس جملہ کے یہ معنی کیئے ہیں کہ اللہ کی کتاب یعنی اس کے حکم کو اپنے اوپر لازم پکڑو یعنی اس کے حکموں پر چلو۔

وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ

اور حلال ہوئیں تم کو جو ان کے سوا ہیں یوں کہ طلب کرو اپنے مال کے بدلہ

مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ؕ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ

قید میں لانے کو نہ مستی نکالنے کو پھر جو کام میں لائے تم ان

مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ؕ وَلَا جُنَاحَ

عورتوں میں سے ان کو دو ان کے حق جو مقرر ہوئے اور گناہ نہیں

عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ؕ

تم کو اس میں جو ٹھہرا لو تم دونوں آپس کی رضا سے مقرر کیے پیچھے

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾

اللہ ہے خبردار حکمت والا۔

بیان شرائط نکاح

قال تعالیٰ وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ ... الیٰ ... اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیْمًا حَکِیْمًا ۝

(ربط) یہاں تک محرمات کا بیان تھا اب آگے یہ بتلاتے ہیں کہ ان کے سوا اور عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں یعنی ان سے نکاح کرنا تمہیں جائز ہے مگر چند شرائط کے ساتھ۔

۱ - اول یہ کہ دونوں طرف سے طلب لسانی ہو یعنی ایجاب وقبول ہو۔

۲ - دوم یہ کہ مال دینا یعنی مہر دینا قبول کرو۔

۳ - تیسرے یہ کہ ان عورتوں کو اپنی قید نکاح میں لانا اور ہمیشہ ہمیشہ اپنے قبضہ میں رکھنا مقصود ہو صرف مستی نکالنا اور شہوت رانی مقصود نہ ہو یعنی ہمیشہ کے لیے وہ اس کی زوجہ ہو جائے بغیر اس کے چھوڑے نہ چھوٹے مطلب یہ کہ کوئی مدت مقرر نہ ہو مہینہ یا برس دن تک اس سے متعہ کا حرام ہونا معلوم ہو گیا جس پر تمام اہل حق کا اجماع ہے۔

۴ - چوتھی شرط سورۂ مائدہ وغیرہ میں ذکر فرمائی کہ مخفی طور پر دوستانہ اور یارانہ نہ ہو یعنی کم از کم دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں اس معاملہ کے شاہد اور گواہ ہوں اگر بدون گواہوں کے ایجاب وقبول ہوا تو وہ نکاح نہیں ہو گا بلکہ زنا سمجھا جائے گا۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور حلال کر دی گئیں تمہارے لیے وہ عورتیں جو ان محرمات مذکورہ کے سوا ہیں یعنی ان محرمات کے علاوہ اور سب عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے مگر چند شرائط کے ساتھ وہ یہ کہ تم اپنے مالوں کے بدلے ان کو اپنے نکاح میں لانا طلب کرو یعنی ایجاب وقبول بھی ضروری ہے اور مہر بھی ضروری ہے لفظ ابتغاء سے ایجاب وقبول مراد ہے اور باموالکم سے مہر کا قبول کرنا مراد ہے درانحالیکہ تم طالب عفت ہو اور بیوی بنا کر اس کو قید نکاح میں رکھنا اور اپنی شرمگاہ کو بدکاری سے محفوظ رکھنا مقصود ہو محض شہوت رانی اور مستی نکالنے والے نہ ہو جیسے زنا اور متعہ میں شہوت رانی مقصود ہوتی ہے عفت اور پاکدامنی مقصود نہیں ہوتی پس جن عورتوں سے تم صحیح نکاح کر کے فائدہ اور نفع اٹھا چکے ہو اور صحبت کی لذت حاصل کر چکے ہو اور کم از کم خلوت سے لطف اندوز ہو چکے ہو تو ان عورتوں کا جو مہر مقرر ہوا ہے وہ ان کو دیدو مطلب یہ ہے کہ صحبت اور خلوت سے پورا مہر لازم ہو جاتا ہے ہاں اگر خلوت اور صحبت سے پہلے ہی مرد عورت کو طلاق دے دے تو پھر نصف مہر دینا ہو گا اور اگر عورت کوئی ایسا کام کر بیٹھے جس سے نکاح ٹوٹ جائے تو زوج کے ذمہ سے سارا مہر ساقط ہو جائے گا اور اس کو کچھ دینا نہیں پڑے گا اور تم پر اس بارہ میں کوئی گناہ نہیں کہ مہر مقرر کرنے کے بعد باہمی رضامندی سے مہر کی مقدار میں کچھ کمی اور زیادتی کر دو مثلاً عورت اپنی خوشی سے مہر کچھ کم کر دے یا مرد اپنی خوشی

سے کچھ زیادہ دیدے تو اس میں کوئی حرج نہیں بے شک اللہ تعالیٰ بڑا دانا اور حکمت والا ہے کہ جس نے ان سراپا حکمت و مصلحت احکام کو مشروع فرمایا اس کی متابعت میں تمہارے لیے خیر و برکت ہے اور اس کی مخالفت میں سراسر خسران اور حرمان ہے۔

فائدہ وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَاۗءَ ذٰلِكُمْ کے ظاہر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان محرمات مذکورہ کے سوا سب عورتوں سے نکاح جائز ہے حالانکہ احادیث سے ثابت ہے کہ ان محرمات مذکورہ کے علاوہ اور بھی چند عورتیں ہیں جن سے نکاح حرام ہے سو جاننا چاہیے کہ وہ عورتیں درحقیقت باعتبار عموم اور اشارہ کے انہیں محرمات مذکورہ میں داخل ہیں اور احادیث نبویہ آیات قرآنیہ کی تفسیر ہیں پس وہ عورتیں درحقیقت ماسوا میں داخل ہی نہیں۔

لطائف و معارف

علماء اہل سنت والجماعت یہ کہتے ہیں کہ آیت فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ میں نکاح صحیح کے ذریعہ نفع اٹھانا مراد ہے اور اجورہن سے منکوحہ عورتوں کے مہر مراد ہیں اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ تم جن عورتوں سے نکاح کرکے خلوت یا صحبت کا نفع اٹھا چکے ہو تو ایسی عورتوں کا پورا مہر دینا تمہارے ذمہ واجب ہوگیا جیسا کہ دوسری جگہ وَاٰتُوا النِّسَاۗءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً آیا ہے چنانچہ اُجُوْرَهُنَّ کے بعد فریضہ کا لفظ اس لیے بڑھایا گیا ہے کہ نکاح صحیح کے بعد اگر خلوت صحیحہ کی نوبت آجائے تو جتنا مہر مقرر ہوا ہے وہ سارا دینا آئے گا اور اس آیت میں فریضہ کا لفظ ایسا ہے جیسا کہ دوسری آیت میں ہے قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ اور اگر خلوت اور صحبت سے پہلے ہی ان کو طلاق دے دی ہو تو پھر تم پر پورا مہر واجب نہ ہوگا بلکہ نصف مہر واجب ہوگا جیسا کہ دوسری آیت میں ہے وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ (شیعہ) کہتے ہیں کہ اس آیت میں استمتاع سے متعہ کرنا مراد ہے اجورھن سے متعہ کا معاوضہ مراد ہے اور یہ آیت صراحۃً جواز متعہ پر دلالت کرتی ہے خصوصًا جب کہ پیشواء اہل سنت ابی بن کعبؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کی قراءت میں فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى کا لفظ آیا ہے جو صراحۃً تحدید مدت پر دلالت کرتا ہے جو متعہ میں ہوا کرتی ہے نہ کہ نکاح میں نیز لفظ اجورھن بھی اسی طرف مشیر ہے کہ یہ عقد اجارہ ہے۔

جواب حق یہ ہے کہ یہ آیت تو صراحۃً اور علانیۃً متعہ کی حرمت پر دلالت کرتی ہے کیونکہ اس آیت میں منھن کی ضمیر انہی منکوحہ عورتوں کی طرف راجع ہے جن سے حق تعالیٰ نے وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَاۗءَ ذٰلِكُمْ الخ میں نکاح کو حلال قرار دیا اور جن کی نسبت خدا تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ تم ان

کو اپنے مالوں کے بدلے طلب کرو اور پھر حلت نکاح کے لیے یہ شرط لگا دی کہ ماسوا محرمات مذکورہ کے اور عورتوں سے نکاح اس شرط کے ساتھ حلال ہے کہ تم عفت اور احصان کے طالب ہو مستی نکالنے والے نہ ہو۔

پس جب خدا تعالےٰ نے صریح لفظوں میں مستی نکالنے کی ممانعت کر دی تو متعہ کی کہاں گنجائش رہی نکاح اور زنا میں یہی تو فرق ہے کہ نکاح سے مقصود نسل ہوتی ہے اور زنا سے محض شہوت رانی اور ظاہر ہے کہ زنا اور متعہ میں کوئی فرق نہیں کیونکہ اولاد نہ زنا سے مقصود ہوتی ہے اور نہ متعہ سے دونوں کا مقصود شہوت رانی ہے جس کی خدا تعالےٰ نے ممانعت فرما دی۔

نیز آیت فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ گزشتہ آیت پر متفرع ہے جس میں نکاح اور شرائط نکاح کا بیان تھا یہ تفریع منکوحات سے متعلق ہے کوئی جدید حکم نہیں بلکہ حکم سابق کا جزء ہے کیونکہ وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ میں حلت نکاح کا بیان تھا جیسا کہ حرمت علیکم میں حرمت نکاح کا بیان تھا فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ اسی پر تفریع ہے جو اس امر کی صریح دلیل ہے کہ یہ کلام پہلے کلام سے متعلق ہے اگر یہ مستقل کلام ہوتا تو بجائے فاء کے واو لاتے نیز منھن کی ضمیر انہی خاص نساء کی طرف راجع ہے جن کا نکاحی ہونا پہلی آیت میں بیان کیا گیا ہے مضمر کی ضمیر خاص مذکورہ ہی کی طرف راجع ہوتی ہے معلوم ہوا کہ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ میں نکاح صحیح کے ذریعہ استمتاع اور انتفاع مراد ہے شیعوں والے متعہ کا استمتاع اور اور انتفاع مراد نہیں ورنہ اول کلام اور آخر کلام میں تعارض لازم آئے گا کہ اول کلام میں تو نکاح اور شرائط نکاح کا ذکر ہو اور آخر کلام میں بلا شرط عورتوں سے نفسانی اور شہوانی انتفاع کی اجازت ہو اور ابی بن کعبؓ اور عبد اللہ بن مسعودؓ کی قرائت الٰی اجل مسمی قرائت شاذہ ہے جو تفسیر کا حکم رکھتی ہے اور وجہ تفسیر کی یہ کہ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّى۔ اِسْتَمْتَعْتُمْ کی غایت ہے اور لفظ اجل نکرہ ہے جو قلیل و کثیر سب کو شامل ہے ایک ساعت قلیلہ سے لے کر زمانۂ دراز تک کو اجل کہہ سکتے ہیں اور استمتاع کے معنی انتفاع کے ہیں اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ نکاح صحیح کے بعد جس قدر اور جتنی مدت بھی تم کو استمتاع اور انتفاع کی نوبت آئے تو تم کو سارا مہر لازم ہوگا نکاح کے بعد جس شخص نے منکوحہ سے اجل طویل اور مدت دراز تک استمتاع اور انتفاع کیا ہو جس طرح اس پر پورا مہر واجب ہو جاتا ہے اسی طرح اس شخص پر بھی پورا مہر واجب ہوگا جس نے نکاح صحیح کے بعد اپنی منکوحہ سے استمتاع اور انتفاع قلیل کیا ہو یعنی بقدر خلوت صحیحہ اس سے منتفع ہوا ہو الغرض شیعہ اِلٰٓی اَجَلٍ کو عقد کی انتہاء اور غایت سمجھ کر بہک گئے اگر استمتاع اور انتفاع کی غایت اور نہایت سمجھتے تو اس غلطی میں مبتلا نہ ہوتے اور اِسْتَمْتَعْتُمْ میں تضمین معنی عقد کی ضرورت نہ پڑتی دیکھو اجوبۃ اربعین حصہ دوم ص ۳۷ مصنفہ حضرت مولانا قاسم نانوتوی قدس اللہ سرہٗ۔

شبہ لفظ اُجُوْرَھُنَّ سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ اجرت دیکر مدت معینہ کے لیے استمتاع جائز ہو۔

جواب اس شبہ کا یہ ہے کہ اس آیت کے متصل جو دوسری آیت ہے اس میں ارشاد ہے وَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ یَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَیٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِیْمَانِكُمْ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ آیا ہے اس آیت میں صراحۃً ذکر نکاح کے بعد اجورھن کا لفظ موجود ہے اور ظاہر ہے کہ نکاح میں مدت محدود نہیں ہوتی معلوم ہوا کہ لفظ اجورھن۔ تحدید مدت کو متقضی نہیں پس اسی طرح آیت استمتاع میں بھی سمجھو کہ لفظ اجورھن تحدید مدت کو متقضی نہیں کہ شیعوں کی مطلب برآری ہو سکے اور مہر چونکہ درحقیقت عورتوں کے منافع کا عوض اور بدل ہے نہ کہ ان کی ذوات کا اس لیے اس کو اجر کہا گیا اور قرآن کریم میں متعدد جگہ اجر بمعنی مہر آیا ہے از انجملہ یہ آیت ہے لَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ

جواب دیگر نیز قراءت الٰی اجل مسمی میں بر تقدیر ثبوت اجل مسمی سے موت مراد ہے یا اجل مسمی فی علم اللّٰہ مراد ہے جو وقت طلاق و موت وغیرہ سب کو شامل ہے اور اجل معین فیما بین المتعاقدین مراد نہیں کہ جس سے متعہ مفہوم ہو سکے۔

جواب دیگر اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ ابی بن کعب کی یہ قراءت الی اجل مسمّٰی صحیح ہے اور شاذ بھی نہیں اور آیت میں استمتاع سے متعہ ہی مراد ہے تو جواب یہ ہے کہ ابتداء اسلام میں متعہ مباح تھا بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا اور آیات اور احادیث میں اس کی حرمت بتلا دی گئی لہٰذا آیت استمتاع سے اگر جواز متعہ ہی مراد لیا جائے تو یہ کہا جائے گا کہ اس آیت میں اس وقت کا حکم مذکور ہے کہ جب متعہ مباح تھا اور نسخ کے بعد یہ حکم باقی نہیں رہا دیکھو منہاج السنۃ ص۱۵۵ ج۲ للحافظ ابن تیمیہؒ۔

وقال سعید بن المسیب نسختها آیۃ المیراث اذ کانت لا میراث فیها

سعید بن مسیب کہتے ہیں کہ متعہ کو آیت میراث نے منسوخ کر دیا جبکہ متعہ میں متاعی عورت کو میراث نہیں ملتی۔

وروی الدار قطنی عن علی بن ابی طالب قال نهی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم عن المتعۃ قال وانما کانت لمن لم یجد فلما نزل النکاح والطلاق والعدۃ والمیراث بین الزوج والمرأۃ نسخت (تفسیر قرطبی ص۱۳۰ ج ۵)

ابتداء اسلام میں کس قسم کا متعہ جائز تھا

حضرات شیعہ جس قسم کے متعہ کے جواز کے قائل ہیں وہ متعہ تو کسی دین میں کسی وقت بھی جائز

نہیں ہوا اور نہ وہ متعہ ابتداء اسلام میں جائز تھا اس لیے کہ شیعوں کے متعہ اور زنا میں کوئی فرق نہیں اور زنا کسی دین میں کسی وقت بھی حلال نہیں ہوا تمام شریعتیں اور تمام ادیان زنا کی حرمت پر متفق ہیں۔

ابتداء عالم سے لے کر اس وقت تک اطراف عالم میں کسی دین میں آسمانی ہو یا زمینی سوائے مذہب شیعہ کے متعہ کا کہیں نام ونشان نہیں ملتا سوائے گرفتار ان ہواء وہوس کوئی ادنیٰ حیا والا بھی اس فحش صریح کی حلت کا تصور بھی نہیں کرسکتا شیعوں کے نزدیک متعہ کی حقیقت یہ ہے کہ محرمات اور شوہر دار کے سوا جس کسی عورت سے جتنی مدت کے لیے چاہے جس قدر اجرت معینہ پر وہ راضی ہوسکے بلا گواہ وشاہد کے اس سے عقد کرے اور اس مدت مقررہ کے گزر جانے کے بعد بلا طلاق کے وہ خود ہی اس سے جدا ہو جاتی ہے اور جدائی کے بعد اس پر کسی قسم کی عدت نہیں اور یہ متعہ اہل تشیع کے نزدیک نکاح کی ایک قسم ہے اور اعلیٰ ترین عبادت ہے اور اہل سنت کے نزدیک متعہ صریح زنا اور کھلی بے حیائی ہے اور جو متعہ شروع اسلام میں جائز یعنی غیر ممنوع تھا اس کی حقیقت صرف نکاح موقت ہے یعنی ایک مدت معینہ کے لیے گواہوں کے سامنے ولی کی اجازت سے کسی عورت سے نکاح کیا جائے اور مدت معینہ گزر جانے کے بعد بلا طلاق کے مفارقت ہو جائے لیکن مفارقت کے بعد استبراء رحم کے لیے ایک مرتبہ ایام ماہواری یعنی ایک حیض کا آجانا ضروری ہے تاکہ دوسرے نطفہ کے ساتھ اختلاط سے محفوظ رہے فقط یہ صورت ابتداء اسلام میں جائز تھی بعد میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام ہوگئی باقی رہا متعہ متعارف کہ کوئی شخص کسی عورت سے یہ کہے کہ میں تجھ سے ایک دو روز کے لیے متمتع ہوں گا اور اس ایک روز یا دو روزہ انتفاع کی تجھ کو یہ اجرت دوں گا یہ صریح زنا اور عین زنا ہے متعہ کی یہ صورت کبھی بھی اسلام میں جائز اور مباح نہیں ہوئی تاکہ یہ کہا جائے کہ شروع میں جائز تھا اور بعد میں منسوخ ہوگیا بلکہ متعہ کی یہ صورت تو کسی دین میں بھی حلال نہیں اس لیے کہ متعہ کی یہ صورت تو صریح زنا ہے اور زنا کسی دین میں کبھی حلال نہیں ہوا۔

البتہ متعہ بمعنی نکاح مُوَقّت (یعنی مدت معینہ کے لیے گواہوں کی موجودگی میں ولی کی اجازت سے نکاح کرنا اور پھر مدت معینہ گزر جانے کے بعد ایک حیض عدت گزارنا اور بغیر ایک حیض آئے دوسرے مرد سے متعہ نہ کرسکنا)

اس قسم کا نکاح ایک برزخی مقام ہے یعنی ان قیود وشرائط کے ساتھ نکاح مُوَقّت نکاح مطلق اور زنا محض کے درمیان ایک درمیانی درجہ ہے کہ جو نہ تو زنا محض ہے اور نہ نکاح مطلق ہے کہ جس میں عدت اور میراث ہو نکاح متعہ کی یہ صورت حقیقی نکاح نہیں بلکہ نکاح حقیقی کے ساتھ صرف ظاہری طور پر مشابہ ہے کہ نکاح متعہ کی اس صورت میں گواہوں کے سامنے ایجاب

وقبول اور ولی کی اجازت ضروری ہے اور مرد سے علیحدہ ہوجانے کے بعد اگر دوسرے مرد سے متعہ کرنا چاہے تو جب تک ایک حیض نہ آجائے اس وقت تک دوسرے مرد سے متعہ نہیں کر سکتی اس لیے اس صورت کو محض زنا بھی نہیں کہا جاسکتا ایسے نکاح موقت میں (کہ جس میں ابتداء میں گواہی اور اذن ولی ضروری ہو اور انتہاء میں استبراء رحم کے لیے ایک حیض کا آنا ضروری ہو) اور نکاح صحیح ومؤبّد میں صرف مؤقت اور مؤبد کا اور میراث اور عدم میراث کا فرق ہے باقی شرائط میں متفق ہیں۔

اور احادیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے صرف نکاح موقت کی رخصت اور اجازت دی تھی اور متعہ کی اجازت نہیں دی تھی اور جس نے اس کو متعہ کہا تو وہ صرف مجازاً کہا ہے یا باعتبار مشابہت کے کہا ہے۔ امام قرطبی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں

روى الليث بن سعد عن بكير بن الاشج عن عمار مولے الشريد قال سألت ابن عباس عن المتعة أسفاح هى ام نكاح قال لا سفاح ولا نكاح قلت فما هى قال المتعة كما قال الله تعالى قلت هل عليها عدة قال نعم حيضة قلت يتوارثان قال لا (تفسیر قرطبی ج ۵ ص ۱۳۲)

امام لیث بن سعد بکیر بن اشج سے راوی ہیں کہ عمار مولائے شرید کہتے ہیں کہ میں نے عبد اللہ بن عباسؓ سے متعہ کے متعلق سوال کیا کہ متعہ زنا ہے یا نکاح فرمایا متعہ نہ زنا ہے اور نہ نکاح میں نے پھر سوال کیا کہ آخر وہ ہے کیا۔ فرمایا وہ متعہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر لفظ متعہ کا اطلاق کیا ہے میں نے سوال کیا کہ متعہ والی عورت پر عدت ہے فرمایا ہاں متعہ کی مدت کے گزر جانے کے بعد اس پر ایک حیض کا انتظار کرنا واجب ہے میں نے سوال کیا کہ کیا وہ ایک دوسرے کے وارث ہوں گے فرمایا نہیں

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ نکاح متعہ بمعنی نکاح مؤقت بشرائط مذکورۂ بالا ایک برزخی مقام ہے یعنی نکاح مطلق اور زنا محض کے درمیان ایک درمیانی درجہ ہے۔

ابتداء اسلام میں فقط اس قسم کا نکاح متعہ جائز تھا اور بایں معنی جائز اور مباح تھا کہ زمانہ جاہلیت کی رسم ورواج کے مطابق لوگ اس قسم کا متعہ کیا کرتے تھے اور شریعت میں اس نکاح متعہ یعنی نکاح مؤقت بشرائط مذکورۂ بالا کی ممانعت اور حرمت کا ابھی تک کوئی حکم

نازل نہیں ہوا تھا جیسا کہ شراب اور سود کے ابتداء اسلام میں مباح اور حلال ہونے کے معنی یہ ہیں کہ ابتداء اسلام میں حق تعالیٰ کی طرف سے شراب اور سود کی ممانعت کا کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا اور جن لوگوں نے حرمت اور ممانعت سے پہلے شراب پی یا سود لیا شریعت کی طرف سے ان پر کوئی حد جاری نہیں کی گئی اور نہ ان کو کوئی سزا دی گئی یہاں تک کہ شراب اور سود کی حرمت کا حکم نازل ہوا۔

ابتداء اسلام میں شراب اور سود کے حلال ہونے کے یہ معنی نہیں کہ معاذ اللہ شریعت کی طرف سے اجازت تھی کہ جس کا جی چاہے شراب پیئے اور جس کا جی چاہے سود لے اسی طرح نکاح متعہ بمعنی نکاح مؤقت کے ابتداء اسلام میں جائز اور مباح ہونے کے یہ معنی ہیں کہ ابتداء اسلام میں نکاح متعہ کی ممانعت نہ تھی معاذاللہ۔ معاذ اللہ اباحت کے یہ معنی نہیں کہ حضور پر نور صلے اللہ علیہ وسلم نے قولاً نکاح متعہ کی اجازت دی تھی نکاح متعہ کی حرمت کا پہلا اعلان غزوۂ خیبر میں ہوا اور پھر غزوۂ اوطاس میں اور پھر غزوۂ تبوک میں اور پھر حجۃ الوداع میں تاکہ عوام اور خواص کو اس کی حرمت کا خوب علم ہو جائے اور حضور پرُنور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حرمت متعہ کے متعلق یہ بار بار اعلان اسی پہلی حرمت کی تاکید در تاکید کے لیے تھا کہ جو آپ غزوۂ خیبر میں فرما چکے تھے کوئی جدید حکم نہ تھا باقی شیعوں والا متعہ شنیعہ کہ مرد عورت سے ایک دن یا دو دن کے لیے معاوضہ طے کر کے متمتع ہو تو یہ خالص زنا اور صریح بدکاری ہے یہ صورت کبھی بھی اور کسی وقت بھی اسلام میں جائز اور مباح نہیں ہوئی چہ جائیکہ منسوخ ہو جیسے زنا نہ کبھی مباح ہوا اور نہ منسوخ ہوا

دلائل تحریم متعہ

اب ہم اختصار کے ساتھ حرمت متعہ کے چند دلائل ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

دلیل اوّل

قال تعالیٰ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۔ یعنی فلاح اور بہتری ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر صرف اپنی عورتوں پر اور اپنی باندیوں پر سو یہ لوگ قابل ملامت نہیں پس جو شخص اس کے سوا کوئی اور طریقہ نکالے تو ایسا شخص حدود شریعت سے تجاوز کرنے والا ہے اور ظاہر ہے کہ جس عورت سے متعہ کیا جائے اس کو نہ شیعہ زوجہ کہتے اور نہ ان کے مخالفین کے نزدیک وہ زوجہ ہے اس لیے کہ متعہ والی عورت کے لیے مرد کے ذمہ نہ نان و نفقہ ہے

اور نہ سکنی (یعنی رہنے کا مکان) اور نہ اس کے لیے طلاق ہے اور نہ عدت ہے اور نہ میراث ہے اور نہ زن متعہ شرعاً لونڈی اور باندی ہے اور نہ بیع وشراء وہبہ اور عتق کے سب احکام جاری ہوتے ہیں جب یہ ثابت ہو گیا کہ زن متعہ نہ زوجہ ہے اور نہ باندی تو متعہ کرنے والی اور والا منجملہ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ یعنی حدود شرع سے تجاوز کرنے والوں میں سے ہوں گے۔

دلیل دوم وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ ۔ یعنی اگر تم کو یہ ڈر ہو کہ یتیم لڑکیوں کے بارہ میں تم عدل اور انصاف نہ کر سکو گے تو ان کے ساتھ نکاح نہ کرو بلکہ دوسری عورتوں کے ساتھ نکاح کر لو جو تم کو پسند آئیں خواہ دو سے خواہ تین سے اور خواہ چار سے پس اگر تم کو یہ ڈر ہو کہ چند عورتوں میں عدل اور انصاف نہ کر سکو گے تو صرف ایک عورت کے نکاح پر اکتفاء کرو یا اپنی شرعی مملوکہ باندی سے منتفع ہو اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ صرف چار عورت تک نکاح میں رکھنا جائز ہے اور ظاہر ہے کہ متعہ میں کسی عدد کی تعیین اور تحدید نہیں پس جس عورت سے متعہ کیا جائے گا نہ تو وہ منکوحہ ہوگی اور نہ شرعی لونڈی ہوگی تو ضرور بالضرور وہ حرام ہوگی اس لیے کہ اباحت اور اجازت اس آیت میں صرف انہی دو قسموں میں منحصر ہے کہ منکوحہ ہو یا شرعی باندی ہو۔

دلیل سوم قال تعالیٰ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ حق جل شانہ نے گزشتہ آیات میں محرمات عورتوں کی تعداد بیان فرمائی اب یہ بیان فرماتے ہیں کہ ان محرمات کے سوا دوسری عورتوں سے نکاح حلال ہے مگر چار شرط کے ساتھ اوّل یہ کہ طلب کرو یعنی زبان سے ایجاب وقبول کرو یہ مطلب ہے اَنْ تَبْتَغُوْا کا دوم یہ کہ مال دینا قبول کرو جسے مہر کہتے ہیں یہ مطلب ہے بِاَمْوَالِكُمْ کا جس سے معلوم ہوا کہ نکاح میں مہر ضروری ہے سوم یہ کہ نکاح سے قید میں لانا مقصود ہو صرف آب ریزی یعنی فقط منی نکالنا اور منی گرانا مقصود نہ ہو اور قید میں لانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ عورت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بلا شرکت غیرے اس مرد کی ہو جائے کہ بغیر اس کے چھوڑے ہوئے اس کی قید نکاح سے نہ نکل سکے اور اس کی قید نکاح میں ہوتے ہوئے عورت کسی سے راہ و ربط نہ پیدا کر سکے مطلب یہ ہے کہ محرمات مذکورہ کے سوا اور عورتوں سے نکاح جب جائز ہے کہ مہر مقرر کرنے کے بعد نکاح سے غرض احصان (عفت) حاصل کرنا ہو اور عفت کے معنی اپنی شرمگاہ کو بدکاری سے اور نفس کو ملامت اور عذاب سے بچانے کے ہیں اور غیر مسافحین کے معنی یہ ہیں کہ مقصود شہوت رانی نہ ہو لفظ مسافحین - سفح سے ماخوذ ہے جس کے معنی منی گرانے کے ہیں زنا سے یہی مقصود ہوتا ہے بقاء نسل مقصود نہیں ہوتا جیسا کہ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ سے معلوم ہوتا ہے کہ مقصود نکاح سے توالد اور تناسل ہے پس محصنین غیر مسافحین کی قید سے متعہ خود بخود باطل ہو گیا اس لیے کہ متعہ میں صرف

مستی کا نکالنا اور منی کا گرانا مقصود ہوتا ہے عفت اور پاکدامنی مقصود نہیں ہوتی اور نہ وہ عورت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس کے ساتھ مخصوص ہوتی ہے بلکہ ہر ہفتہ اور ہر مہینہ جدید آشنا کے پاس ہوتی ہے اسی وجہ سے شیعہ مذہب کا یہ فتویٰ ہے کہ جس شخص نے متعہ تو کیا ہو مگر نکاح نہ کیا ہو تو ایسا شخص اگر زنا کر بیٹھے تو اس پر رجم نہیں اس لیے کہ رجم کے لیے احصان شرط ہے جو نکاح سے حاصل ہوتی ہے متعہ سے حاصل نہیں ہوتی معلوم ہوا کہ متعہ میں شیعوں کے نزدیک بھی احصان حاصل نہیں ہوتا

چہارم - یہ ہے کہ علی الاعلان گواہوں کے سامنے ہو پوشیدہ طور پر نہ ہو جیسا کہ سورۂ مائدہ میں ہے وَلَا مُتَّخِذِیٓ اَخۡدَانٍ - یعنی اور خفیہ اور پوشیدہ طور پر آشنائی کرنے والی نہ ہوں یہی شرط (یعنی گواہوں کے سامنے ہونا) نکاح اور زنا کے درمیان فرق کرتی ہے نکاح گواہوں کے سامنے علی الاعلان ہوتا ہے اور زنا میں مخفی تعلقات ہوتے ہیں الحاصل جب یہ چار شرطیں پائی جائیں گی تب جماع حلال ہوگا اور ظاہر ہے کہ یہ شرطیں متعہ میں نہیں پائی جاتیں اس لیے متعہ حلال نہیں ہو سکتا

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ محرمات مذکورہ کے علاوہ جو عورتیں باقی ہیں وہ کیف ما اتفق حلال نہیں بلکہ بشرط ارادۂ احصان حلال ہیں -

اور احصان کے لغوی معنی حفظ کے ہیں اور اصطلاح میں خاوند کا اپنی عورت کو ننگ و ناموس کی خاطر غیر مرد سے محفوظ رکھنے کا نام احصان ہے اور ننگ و ناموس سے مراد یہ ہے کہ اس کا نسب اختلاط سے محفوظ رہے اور شریعت میں عدت کا حکم اسی اختلاط نسب سے حفاظت کے لیے ہے

دلیل چہارم قال تعالیٰ وَلۡیَسۡتَعۡفِفِ الَّذِیۡنَ لَا یَجِدُوۡنَ نِکَاحًا حَتّٰی یُغۡنِیَهُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ - یعنی جو لوگ نکاح کرنے کا مقدور نہیں رکھتے ان کو چاہیے یعنی جو مہر اور نفقہ دینے کی طاقت نہیں رکھتے ان کو چاہیے کہ اپنی عفت اور پاکدامنی کو تھامے رکھیں اور اپنی عفت اور پاکدامنی کے تھامنے میں تکلیف کو گوارا کریں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے اور سامان نکاح (مہر و نفقہ) کی قدرت دے دیں -

پس اگر متعہ جائز ہوتا تو کسی عورت کو ایک رات کے دو چار روپیہ دے کر اور دو چار مرتبہ جماع کر کے فراغت کر لینے اور عفت اور پاکدامنی کی حفاظت اور تھامنے میں کسی تکلیف اور رنج اٹھانے کی ضرورت نہ ہوتی معلوم ہوا کہ عفت اور پاک دامنی کے بچانے اور تھامنے کے لیے سوائے اس کے کوئی صورت نہیں کہ جب تک نکاح کی استطاعت میسر نہ آئے اس وقت تک تکلیف برداشت کرے اور روزہ اور صبر سے اپنی پاکدامنی کو تھامے رکھے -

دلیل پنجم۔ حرمت متعہ کی ایک وجدانی دلیل

ہر شریف الطبع اور باغیرت انسان اپنے اور اپنی بیٹی اور اپنی بہن کے نکاح کے اعلان کو فخر سمجھتا ہے اور غایت مسرت اور انبساط کے ساتھ ولیمۂ نکاح پر اقارب اور احباب کو مدعو کرتا ہے بخلاف متعہ کے کہ اس کو چھپاتا ہے اور اپنی بیٹی اور بہن اور ماں کی طرف متعہ کی نسبت کرنے سے عار محسوس کرتا ہے آج تک کسی ادنے غیرت مند بلکہ کسی بے غیرت کے متعلق بھی یہ نہیں سنا گیا کہ اس نے کسی مجلس میں بطور فخر یا بطور ذکر ہی یہ کہا ہو کہ میری بیٹی اور میری بہن اور میری ماں نے اتنے متعے کیے ہیں نیز تمام عقلاء نکاح پر مرد اور عورت کو اور اس کے والدین کو مبارک باد دیتے ہیں مگر متعہ کے متعلق کہیں مبارک باد دیتے نہیں سنا۔

نیز نسب اور مصاہرت تمام عقلاء کے نزدیک ایک عظیم نعمت ہے جیسا کہ آیت قرآن واقعۂ سورۂ فرقان ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا اس کی شاہد عدل ہے اور متعہ میں انسان ان دونوں نعمتوں سے محروم ہو جاتا ہے نہ نسب ہی ثابت ہوتا ہے اور نہ مصاہرت جس طرح انسان زنا میں ان دونعمتوں سے محروم رہتا ہے اسی طرح متعہ میں بھی محروم رہتا ہے پس جس طرح محرومی نعمت میں متعہ اور زنا برابر ہیں اسی طرح حرمت میں بھی دونوں برابر ہیں۔

تحقیق مذہب ابن عباسؓ در بارۂ متعہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اولاً حلت متعہ کے قائل تھے وجہ اس کی یہ تھی کہ ان کو متعہ کے حرام ہونے کی اطلاع نہ تھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت اور نصیحت سے جب اس کی حرمت پر مطلع ہوئے تو رجوع کیا اور یہ فرمایا۔ اللّٰھم انی اتوب الیک من قولی بالمتعۃ وقولی فی الصرف کما ذکرہ صاحب الکشاف وغیرہ من المفسرین وذکرہ الامام الرازی فی تفسیرہ ص۲۰۰ ج۳۔

سبب عدم اطلاع ابن عباسؓ بتحریم متعہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا تحریم متعہ پر مطلع نہ ہونا مستبعد نہیں جن لوگوں کی نظر اس بات پر جاتی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے قرب خاص اور مقام باختصاص

اگر حضرت ابن عباسؓ کی کیفیت عمر اور تعداد ایام سکونت کا لحاظ کرتے تو یہ استبعاد نہ ہوتا حقیقت حال یہ ہے کہ ابن عباسؓ ہجرت مدینہ سے ایک دو سال قبل مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے اور آٹھ نو برس کی عمر تک اپنے والد بزرگوار کے ساتھ مکہ میں رہے جہاں احکام شرعیہ کی اطلاع نہیں پہنچتی تھی جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم غزوۂ فتح کے لیے ہجرت کے آٹھویں سال مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے تو ادھر مکہ مکرمہ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عم محترم حضرت عباسؓ مع اہل وعیال کے ہجرت کے لیے مدینہ منورہ روانہ ہوئے راستہ میں جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو تو اپنے ہمراہ لے لیا اور یہ ارشاد فرمایا کہ اہل وعیال کو جن میں ابن عباسؓ بھی تھے ان سب کو مدینہ بھیج دو حسب الحکم حضرت عباسؓ نے ابن عباسؓ کو اور سب ذریات اور مستورات کو مدینہ روانہ کر دیا اور خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ ہوگئے اور غزوۂ خیبر جس میں تحریم متعہ واقع ہوئی تھی وہ ابن عباسؓ کے مدینہ آنے سے دو سال پہلے ہو چکا تھا ان کو تحریم متعہ کی اطلاع کیسے ہوتی اور غزوۂ اوطاس کے بعد جو تحریم متعہ کا اعلان ہوا وہ فتح مکہ کے کچھ دن ہی بعد ہوا ابن عباسؓ اس میں بھی شریک نہ تھے غرض یہ کہ ان غزوات میں جو واقعات پیش آئے ابن عباسؓ کو بذات خاص ان کی کچھ بھی خبر نہ ہو سکی صرف دوسرے صحابہ کی زبانی ان دو غزوؤں کا حال معلوم ہوا اور ہجرت کے بعد حضرت ابن عباسؓ صرف دو سال صحبت نبوی سے مستفیض ہوئے اور اس عرصہ میں کوئی واقعہ متعہ کا پیش نہیں آیا اس لیے حضرت ابن عباسؓ کو تحریم متعہ کی کوئی خبر نہیں ہوئی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں جب مسئلہ زیر بحث آیا تو ابن عباسؓ کو معلوم ہوا کہ فلاں فلاں آیات قرآنیہ سے متعہ کی حرمت ثابت ہوتی ہے اور ابن عباسؓ کو دوسرے صحابہ سے معلوم ہوا کہ غزوۂ اوطاس میں متعہ کی اباحت واقع ہوئی تو ابن عباس نے یہ سمجھا کہ شدید ضرورت کے وقت فقط رفع ضرورت کی غرض سے فقط سفر میں متعہ حلال کیا گیا اور جب اشد ضرورت نہ ہو تو اس وقت بمقتضائے آیات قرآنیہ متعہ حرام ہے پس اباحت کو وقت ضرورت پر حمل کیا اور تین دن کے بعد جو متعہ حرام کیا گیا تو اس کو حضرت ابن عباسؓ نے انقطاع رخصت بارتفاع ضرورت پر حمل کیا یعنی یہ سمجھا کہ ضرورت باقی نہیں رہی اس لیے متعہ حرام ہو گیا اور ہر حال میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے متعہ حرام نہیں ہوا یعنی ابن عباسؓ نے تین دن کے بعد کی تحریم کو تحریم مؤبد نہ سمجھا بلکہ انقطاع رخصت بارتفاع ضرورت پر حمل کیا۔

معلوم ہوا کہ ابن عباس کے مذہب کی بناء اجتہاد پر تھی کہ جو مجموعۂ آیات اور قصۂ اوطاس پر نظر کر کے فرمایا۔

لیکن حقیقۃ الامر یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کو اس اجتہاد میں خطا واقع ہوئی چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو جب ابن عباسؓ کے قول کا علم ہوا تو یہ فرمایا۔

انک رجل تائہٌ ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نھی عن المتعۃ	تحقیق تو مرد متحیر ہے تحقیق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے متعہ سے منع فرمایا ہے

اس کے بعد عبداللہ بن زبیرؓ کے عہد خلافت میں مابین عبداللہ بن عباس و عبداللہ بن زبیر و دیگر صحابہ کبار بار بار مکالمہ اور مباحثہ ہوا اور روایات حرمت ابدیہ پیش ہوئیں تو ابن عباسؓ نے حلت عند الضرورت سے رجوع فرمایا اور تحریم مؤبد کے قائل ہوئے جیسا کہ جامع ترمذی کی روایت اس پر دلالت کرتی ہے عن ابن عباس انما کانت المتعۃ فی اول الاسلام کان الرجل یقدم البلدۃ لیس لہ بھا معرفۃ فیتزوج المرأۃ بقدر مایری انہ یقیم فتحفظ لہ متاعہ وتصلح لہ شیئہ حتی اذ انزلت اِلَّا عَلٰٓی اَزْوَاجِهِمْ اَوْمَامَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ الآیۃ قال ابن عباس فکل فرج سواھما حرام۔

حاصل یہ کہ ابن عباس ابتداء میں متعہ کو میتہ کی طرح حالت اضطرار میں جائز بتلاتے تھے پھر جب مختلف صحابہ کرام اور حضرت علی وغیرہ سے تحریم کی احادیث کا علم ہوا تو اخیر میں اس سے بھی رجوع فرمایا کیونکہ عبداللہ بن زبیر وغیرہ سے بحث کرنے کے بعد یہ معلوم ہوگیا کہ یہ حکم منسوخ ہے اس لئے اپنے سابق فتوے سے رجوع کیا اور علیٰ ہذا جو جو حضرات لاعلمی کی وجہ سے جواز متعہ کے قائل تھے جب ان کو نسخ کا علم ہوا تو سب نے اپنے قول سے رجوع کیا اور تمام صحابہ و تابعین کا حرمت متعہ پر اجماع ہوگیا۔

اطلاع ناظرین کرام کو تحریم متعہ کی اگر مزید تفصیل درکار ہو تو سیرۃ المصطفیٰ جلد سوم مؤلفہ ناچیز میں غزوۂ خیبر کا بیان ملاحظہ فرمائیں۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ شبہ یہ ہے کہ سورۂ مومنون اور سورۂ معارج کی آیت جس سے متعہ کی حرمت ثابت کی گئی وہ مکی ہے اور تحریم مدینہ میں واقع ہوئی سب سے پہلے جو حرمت متعہ کا اعلان ہوا وہ غزوۂ خیبر میں ہوا ہے جو ۷ھ میں پیش آیا۔

جواب بعض آیات سے بعض احکام بطور اشارہ مفہوم ہوتے پھر جب اللہ کا ارادہ ہوتا ہے کہ یہ حکم واضح کر دیا جائے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر اللہ کی وحی نازل ہو جاتی ہے کہ آپ اس حکم کو لوگوں کے سامنے صاف طور پر بیان کردیں اور صراحت اور وضاحت کے

ساتھ اس کو بتلادیں۔ اس وقت وہ حکم اس آیت سے صراحۃً معلوم ہوجاتا ہے اور عوام اور خواص اس کے مکلف بن جاتے ہیں اور جب تک اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہوتا ہے کہ وہ حکم عام طور پر واضح اور ظاہر نہ ہو اس وقت تک اس کے واضح اور ظاہر کرنے کے لیے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل نہیں ہوتی اگرچہ خواص اور اذکیاء نے بطور اشارہ اس حکم کو سمجھ لیا ہو مگر عام طور پر عام لوگ اس کے مکلف نہیں ہوتے جیسے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وَتَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا اور بنالیتے ہو تم اس انگور سے نشہ والی چیز اور رزق حسن یعنی عمدہ روزی۔

حق تعالیٰ نے اس آیت میں سکراً کو رزق حسن کے مقابل ذکر فرمایا اور سکراً کے ساتھ حسن کی صفت ذکر نہیں فرمائی جس سے اشارۃً مفہوم ہوتا ہے کہ شراب اچھی چیز نہیں بلکہ حرام اور ممنوع ہے حالانکہ یہ آیت مکی ہے شراب حرام ہونے سے بہت قبل نازل ہوئی۔

نیز حق تعالےٰ کا ارشاد ہے قُلْ فِيهِمَآ إِثْمٌ كَبِيرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَآ أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا - آپ کہہ دیجئے کہ شراب اور جوئے میں بہت گناہ ہے اور ان دونوں میں لوگوں کے لیے فوائد اور منافع بھی ہیں لیکن ان کا گناہ ان کے منافع سے بڑھا ہوا ہے اور ظاہر ہے کہ جس میں گناہ غالب ہوگا وہ شئے حرام اور ممنوع ہوگی اس لیے کہ تمام عقلاء کا اس پر اتفاق ہے کہ دفع مضرت جلب منفعت پر مقدم ہے اور اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس بارہ میں یہ دعا کرتے تھے اللّٰھم بیّن لنا فی الخمر بیانا شافیا۔ اے اللہ شراب کے بارہ میں کوئی واضح اور صاف حکم نازل فرما جس سے دل کو شفا اور اطمینان ہو جائے اور یہ دعا نہیں کرتے تھے کہ اللہ شراب کو حرام فرما۔

اسی طرح سمجھیے کہ آیت مؤمنون اور آیت معارج میں حرمت متعہ کی طرف اشارہ تھا مگر جب تک آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی صراحت نہیں فرمائی تھی اس وقت تک متعہ کی حرمت کا ثبوت اس آیت سے ظنی تھا آپ کی تصریح کے بعد اس کی حرمت قطعی ہوگئی جب آپؐ نے اس کی حرمت کا اعلان فرما دیا تو وہ اشارہ اب مبدّل بر صراحت ہو گیا اور ظنیت مبدّل بر قطعیت ہو گئی سب سے پہلے آپ نے جنگ خیبر میں متعہ سے منع فرمایا اور اس کے بعد کے غزوات میں بار بار حرمت متعہ کا اعلان خطبوں میں فرماتے رہے یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں حرمت متعہ کا خوب اعلان کرایا تاکہ کوئی شخص ناواقفی اور لاعلمی کی بنا پر متعہ میں مبتلا نہ ہو جائے۔

وَمَن لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنكُمْ طَوْلًا أَن يَنكِحَ الْمُحْصَنَٰتِ

اور جو کوئی نہ پائے تم میں مقدور اس کا کہ نکاح میں لاوے بیبیاں

الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ

مسلمان تو جو ہاتھ کا مال ہیں آپس کی تمہاری لونڈیاں مسلمان

الْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ۭ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ

اور اللہ کو بہتر معلوم ہے تمہاری مسلمانی تم آپس میں ایک

بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ

ہو سو ان کو نکاح کر لو ان کے لوگوں کے اذن سے اور دو ان کے مہر

اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ

موافق دستور کے قید میں آتیاں نہ مستی نکالتیاں

وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ

اور نہ یار کرتیاں چھپ کر پھر وہ جب قید میں آچکیں تو اگر کریں

بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَي الْمُحْصَنٰتِ

بے حیائی کا کام تو ان پر ہے آدھی وہ مار جو بیبیوں پر مقرر ہے

مِنَ الْعَذَابِ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ۭ

یہ اس کے واسطے جو کوئی تم میں ڈرے تکلیف میں پڑنے سے

وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٥﴾ ع ۴ ع ۳ ۱

اور صبر کرو تو بہتر ہے تمہارے حق میں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

حکم دوازدہم متعلق بہ نکاح کنیزاں

قَالَ تَعَالٰی وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا .... الیٰ ...... وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

(ربط) اوپر سے نکاح کے احکام چلے آرہے ہیں اب آگے کنیزوں یعنی شرعی باندیوں سے نکاح کا حکم بیان فرماتے ہیں اس آیت میں حق تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ جس شخص کو آزاد عورت سے نکاح کرنے کی قدرت نہ ہو یعنی اس کے مہر ادا کرنے پر قادر نہ ہو اور اس کے خرچ خوراک اور پوشاک کا متحمل نہ ہو سکے تو وہ کسی مسلمان باندی سے نکاح کر لے اس کے مہر اور نان و نفقہ میں خرچ زیادہ نہ ہوگا اس کے بعد ارشاد ہے کہ اگر زنا کا خوف ہے تو ایسا کر لو ورنہ صبر کرنا بہتر ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور جو شخص تم میں سے آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی استطاعت اور گنجائش نہ رکھتا ہو تو اس باندی اور لونڈی سے نکاح کرے جو تمہارے مسلمان بھائیوں کی مملوکہ ہے یعنی ایمان والی لونڈیوں میں سے کسی کنیز سے نکاح کرلے اور کنیز کو محض باندی ہونے کی وجہ سے حقیر نہ سمجھو اصل فضیلت کا دار و مدار ایمان اور اسلام اور اعمال صالحہ پر ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے تمہارے ایمان کو کون کس درجہ کا مومن ہے ممکن ہے کہ وہ کنیز ایمان اور اسلام اور اعمال صالحہ میں آزاد مرد اور آزاد عورت سے بڑھ کر ہو اور حسب و نسب کی ظاہری کمتری پر بھی نظر نہ کرو تم میں کا بعض بعض کی جنس سے ہے یعنی سب ایک جنس ہو حضرت آدمؑ اور حضرت حوّاؑ کی اولاد ہونے میں سب شریک ہو لہذا نفرت اور عار کی کوئی وجہ نہیں سو تم ان ایمان والی کنیزوں سے نکاح کرلو ان کے مالکوں کی اجازت سے باندی کا نکاح بغیر اس کے مالک کی اجازت کے درست نہیں آزاد اور بالغ عورت تو اپنا نکاح خود کر سکتی ہے لیکن کنیز اپنا نکاح خود نہیں کر سکتی جب تک اس کے مالک کی اجازت نہ ہو اور دیدو ان کا مہر موافق دستور کے یعنی ان کا مہر مثل دیدو اور ان سے نکاح کی یہ اجازت اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ درحالیکہ وہ عفیفہ اور پاک دامن ہوں زنا کرنے والی اور بدکار نہ ہوں اور نہ در پردہ یارانہ کرنے والی اور چھپے طور پر آشنا بنانے والی ہوں یعنی نکاح انہیں لونڈیوں سے کرو جو پاک دامن ہوں ان سے نہ کرو جو بدکار اور زنا کار ہوں اور چھپے طور پر کسی سے یارانہ رکھتی ہوں۔

ف زنا کار وہ عورت کہلاتی ہے جو ہر ایک سے زنا کرائے اور چھپے طور پر یارانہ رکھنے والی وہ عورت ہے جو ہر ایک سے تو زنا نہ کرائے البتہ کسی ایک شخص کو اپنا یار اور آشنا بنالے جُہلائے عرب پہلی قسم کے زنا کو حرام جانتے تھے اور دوسری قسم کے زنا کو حلال (جیسا کہ آج کل کے متمدن قوموں اور ان کے مقلدوں کا مذہب بھی یہی ہے) اس لیے خدا تعالیٰ نے ان دونوں قسموں کو علیحدہ علیحدہ ذکر فرما کر یہ ظاہر فرما دیا کہ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں دونوں ہی حرام ہیں پس جب وہ کنیزیں نکاح میں آجائیں پس اس کے بعد اگر وہ بے حیائی یعنی زنا کریں تو جتنی سزا آزاد عورتوں کی ہے اس سے آدھی سزا ان کنیزوں کی ہے آزاد عورتوں سے صرف کنواری آزاد عورتیں مراد ہیں کیونکہ وہ اگر زنا کریں تو اس کی سزا سو کوڑے ہیں اور باندی کی سزا پچاس دُرّے ہیں شادی شدہ آزاد عورتیں اگر زنا کریں تو ان کی سزا رجم (سنگساری) ہے جس کا نصف ممکن نہیں اور لونڈی اور غلام کے لیے قبل نکاح

اور بعد نکاح ہر حالت میں صرف پچاس کوڑے ہیں زیادہ نہیں اور یہ لونڈیوں سے نکاح کی اجازت اس شخص کے لیے ہے کہ جو تم میں سے گناہ اور بدکاری کی تکلیف میں پڑنے سے ڈرتا ہو یعنی اس کو یہ ڈر ہے کہ اگر نکاح نہیں کروں گا تو زنا میں مبتلا ہو جاؤں گا تو ایسے شخص کو باندی سے نکاح کرنے کی اجازت ہے اور تمہارا صبر کرنا اور باندیوں کے نکاح سے بچا رہنا تمہارے لیے بہت بہتر ہے کیونکہ لونڈی سے اگر نکاح کرو گے تو تمہاری اولاد آزاد نہ ہوگی بلکہ دوسرے کی غلام اور مملوکہ ہوگی جس میں تمہاری بے عزتی ہے اور بیوی کنیز ہونے کی وجہ سے مستقلاً تمہاری خدمت نہیں کر سکتی اور نہ مستقلاً تمہارے پاس رہ سکتی ہے جس میں سراسر تمہارا نقصان ہے لہذا بہتر یہی ہے کہ باندیوں کے ساتھ نکاح نہ کیا جائے لیکن اگر بدرجۂ مجبوری تم نے باندی سے نکاح کر لیا تو مضائقہ نہیں اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے کہ بدرجۂ مجبوری تم کو باندیوں سے نکاح کی اجازت دی اور تمہاری کوتاہی سے درگذر فرمایا۔

ف امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک بلا ضرورت مطلق باندی سے خواہ وہ مسلمان ہو یا کتابیہ نکاح فی حد ذاتہ درست ہے مگر مکروہ ہے اس لیے کہ وہ اُحِلَّ لَکُمۡ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمۡ اور فَانۡکِحُوۡا مَا طَابَ لَکُم کے عموم اور اطلاق میں داخل ہے فی حد ذاتہ وہ حرام نہیں البتہ عوارض مذکورہ اور مفاسد بالا کی وجہ سے باندی سے نکاح مکروہ ہوگا اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک بدون مجبوری اور لاچاری کے باندی سے نکاح درست نہیں تفصیل کے لیے احکام القرآن کو دیکھیں۔

يُرِيدُ اللَّهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ

اللہ چاہتا ہے کہ تمہارے واسطے بیان کرے اور چلاوے تم کو

مِن قَبْلِكُمْ وَيَتُوبَ عَلَيْكُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٢٦﴾

اگلوں کی راہ اور تم کو معاف کرے اور اللہ جانتا ہے حکمت والا

وَاللَّهُ يُرِيدُ أَن يَتُوبَ عَلَيْكُمْ قف وَيُرِيدُ الَّذِينَ

اور اللہ چاہتا ہے کہ تم پر متوجہ ہوئے اور جو لوگ لگے ہیں

يَتَّبِعُونَ الشَّهَوَاتِ أَن تَمِيلُوا مَيْلًا عَظِيمًا ﴿٢٧﴾

اپنے مزوں کے پیچھے وہ چاہتے ہیں کہ تم مڑ جاؤ راہ سے بہت دور

يُرِيدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ

اللہ چاہتا ہے کہ تم سے بوجھ ہلکا کرے اور انسان بنا ہے

ضَعِيْفًا ﴿۲۸﴾

کمزور

ذکر الطاف و عنایات خداوندی بر اہل اسلام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ .... الٰى .... وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ٥

(ربط) حلال و حرام کے احکام بیان کرنے کے بعد اہل اسلام پر اپنی عنایات اور الطاف کا ذکر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تم کو ایسی چیزوں کا حکم دیتا ہے جو تمہارے لیے سراسر باعث منفعت اور مصلحت ہوں اور شہوت پرست تم کو دوسری طرف لے جانا چاہتے ہیں شہوت پرستوں کے نزدیک حلال و حرام کی کوئی تقسیم نہیں خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہارے لیے بیان کر دے یعنی تمہارے فائدہ اور مصلحت کے لیے حلال و حرام کو خوب کھول کر بیان کر دے تاکہ تمہیں کسی امر میں اشتباہ باقی نہ رہے اور تم حق اور باطل اور حلال اور حرام میں تمیز کر سکو اور تاکہ خدا تعالیٰ تم کو ان لوگوں کی راہ پر چلائے جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں یعنی خدا تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ جو انبیاء اور صالحین تم سے پہلے گذرے ہیں تم ان کی راہ پر چلو اور ان کی تقلید کرو اور تاکہ اللہ تعالیٰ تم پر خاص عنایت اور رحمت مبذول فرمائے اور وہ عنایت اور رحمت یہی ہے کہ تم کو تمہارے حال پر نہ چھوڑے بلکہ تمہارے لیے ایسے احکام بیان کر دے جن میں تمہارے لیے دین و دنیا کی مصلحتیں ہوں اور اللہ اپنے بندوں کی مصلحتوں کو جاننے والا حکمت والا ہے اس نے جو حکم دیئے ہیں انہی میں حکمت اور مصلحت ہے اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم پر متوجہ ہو اور جو لوگ نفسانی شہوتوں کے تابع اور پیرو ہیں جدھر ان کی شہوت ان کو کھینچ کر لے جاتی ہے اس کے پیچھے دوڑے چلے جاتے ہیں اے مسلمانو! ان شہوت پرستوں کی خواہش یہ ہے کہ تم راہ حق سے بہت دور ہٹ جاؤ اور انہی کے ہمرنگ بن جاؤ تم ان شہوت پرستوں کی طرف التفات نہ کرنا ہمارے حکموں پر چلنا اسی میں تمہارا نفع ہے اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوَاتِ سے زیادہ تر مجوس اور یہود اور زناکار مراد ہیں مجوسیوں کے نزدیک بہنوں اور بھتیجیوں سے نکاح حلال ہے اور یہود اپنے سوتیلی بہنوں اور بھانجیوں اور بھتیجیوں کو حلال جانتے ہیں اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو متنبہ فرمایا کہ یہود اور نصاریٰ اور مجوس جو اپنے خواہشوں کے تابع

اور پیرو ہیں ان کا ارادہ یہ ہے کہ تم کو راہ حق سے ہٹا دیں اور اپنے ڈھنگ کا بنا لیں تم خدا کے حکموں پر چلو ان کی بات کی طرف التفات نہ کرو اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ تم سے بوجھ ہلکا کر دے اس لیے تم کو آسان دین عطا فرمایا اور جو چیزیں پہلوں پر حرام تھیں وہ تم پر حلال کر دیں اور انسان فطرۃً کمزور پیدا کیا گیا ہے خواہشوں سے صبر کرنا اس کے لیے دشوار ہے اس لیے بوقت ضرورت اس کو باندی سے نکاح کی اجازت دی اور عورتوں کے باب میں اس پر تنگی نہیں کی اور تمام احکام میں اس کے ضعف کو ملحوظ رکھا اور سخت احکام کا اس کو مکلف نہیں بنایا اور طبعی خواہش پوری کرنے کے لیے جائز طریقے بتلا دیئے خلاصۂ کلام یہ کہ عورتوں کے بارہ میں جس قدر احکام تم کو دیئے گئے ان میں کوئی دشواری اور تنگی نہیں اور ان کی پابندی نہایت ضروری اور مفید ہے اور شہوتوں کا اتباع تمہارے لیے سراسر مضر ہے

يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا لَا تَأْكُلُوٓا أَمْوَٰلَكُم
اے ایمان والو نہ کھاؤ مال ایک دوسرے

بَيْنَكُم بِالْبَٰطِلِ إِلَّآ أَن تَكُونَ تِجَٰرَةً عَن تَرَاضٍ
کے آپس میں ناحق مگر یہ کہ سودا ہو آپس کی خوشی سے

مِّنكُمْ ۚ وَلَا تَقْتُلُوٓا أَنفُسَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ
اور نہ خون کرو آپس میں اللہ کو تم پر

رَحِيمًا ﴿٢٩﴾ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ عُدْوَٰنًا وَظُلْمًا
رحم ہے اور جو کوئی یہ کام کرے تعدی سے اور ظلم سے تو ہم

فَسَوْفَ نُصْلِيهِ نَارًا ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ
اس کو ڈالیں گے آگ میں اور یہ اللہ پر آسان ہے

يَسِيرًا ﴿٣٠﴾ إِن تَجْتَنِبُوا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ
اگر تم بچتے رہو گے بڑی چیزوں سے جو تم کو منع ہوئیں تو ہم اتار دیں گے

عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾

تم سے تقصیریں تمہاری اور داخل کریں گے تم کو عزت کے مقام میں

حکم سیزدہم دربارۂ اتلاف اموال و نفوس

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ..... الٰی ...... وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ۝

(ربط) شروع سورت سے یتامٰے کے اموال اور مواریث اور بے کس عورتوں کے تنگ کرنے کے متعلق احکام بیان فرمائے اور اخیر میں تعدّی حدود اللہ سے ممانعت فرمائی اب ان آیات میں ارشاد فرماتے ہیں کہ باہمی حقوق کا خیال رکھو نہ کسی کے مال کو ناجائز طریقہ سے کھاؤ اور نہ کسی کو قتل کرو اس لیے کہ کسی کے مال اور نفس میں ناجائز تصرف حدود اللہ سے تعدّی اور تجاوز میں داخل ہے نیز کسی کی جان و مال میں ناجائز تصرف اتباع شہوات ہے اور سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ سے میل عظیم ہے چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق اور ناجائز طریقہ سے مت کھاؤ مگر سوداگری کے طریقہ سے کہ جو آپس کی رضامندی اور خوشی سے ہو مقصود یہ ہے کہ ناجائز طریقہ سے کسی کا مال لینا جیسے غصب اور چوری اور خیانت اور سود و بیاج وغیرہ یہ تمہارے لیے حرام ہے البتہ تجارت یعنی جائز طریقہ سے مال حاصل کرنا تمہارے لیے حلال ہے اور آپس میں ایک دوسرے کا خون نہ کرو دوسروں کے قتل کرنے کو اپنے قتل کرنے سے اس لیے تعبیر فرمایا کہ جب سب کا دین ایک ہے اور سب مانند شخص واحد کے ہیں لہذا کسی کو قتل کرنا اپنے ہی کو قتل کرنا ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اپنے قتل کرنے سے حقیقۃً اپنا ہی قتل کرنا مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ خودکشی نہ کرو خودکشی حرام ہے تم اپنی جان کے مالک نہیں کہ جو چاہے اس میں تصرف کرسکو مالک اللہ تعالیٰ ہیں اور یہ جان اللہ تعالیٰ کی تمہارے پاس امانت ہے تم پر اس کی حفاظت واجب ہے بے شک اللہ تعالیٰ تم پر بڑا مہربان ہے کہ اس نے اپنی رحمت سے تم کو اچھی باتوں کا حکم دیا اور بری باتوں سے منع کیا تاکہ تم ہلاک نہ ہو جاؤ اللہ کی نافرمانی اپنے کو قتل کرنے کے مرادف ہے اور جو شخص زور اور ظلم سے اور تعدّی اور ستم سے یہ کام کرے کہ ناحق کسی کا مال کھا جائے یا کسی کو بے قصور مار ڈالے پس البتہ ہم اس کو آگ میں ڈالیں گے اور یہ آگ میں جھونکنا اللہ پر بہت آسان ہے اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی چیز دشوار نہیں اس کی قدرت قدیمہ کے سامنے ہر چیز آسان ہے

ف عدوان کے معنی زیادتی میں حد سے گذر جانا ہے اور ظلم کے معنی کسی کے حق میں ناحق دست درازی کرنا یہ قید اس لیے لگائی کہ کسی کو حق پر مارنا جیسے قصاص یا کسی کا مال دیت میں لینا

یہ عدوان اور ظلم نہیں۔

اور ذلک کا مشار الیہ یا تو اکل اموال بالباطل اور قتل ناحق کو قرار دیا جائے جیسا کہ قریب ہے اور یا ذلک کا مشار الیہ اُن تمام امور کو قرار دیا جائے کہ جن کی شروع سورت سے لے کر یہاں تک حق تعالیٰ نے ممانعت فرمائی وہ سب ذلک کا مشار الیہ ہیں۔

ابتداء سورت سے لے کر یہاں تک حق تعالیٰ نے جن گناہوں سے منع فرمایا وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک گناہ کبیرہ ہیں جو موجب عذاب ہیں اب آیندہ آیت میں گناہوں سے بچنے کی ترغیب اور گناہوں سے اجتناب پر کفارۂ سیآت اور جنت کا وعدہ فرماتے ہیں جن باتوں سے تم کو منع کیا جاتا ہے اگر تم ان منہیات اور ممنوعات میں سے بڑی بڑی باتوں یعنی بڑے بڑے گناہوں سے اجتناب اور پرہیز کرو یعنی ان سے کنارہ کش رہو اور پہلو تہی کرتے رہو تو ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ان کبائر سے اجتناب اور احتراز کے صلہ میں تمہاری تقصیرات اور برائیاں یعنی چھوٹی چھوٹی خطائیں جو تم کو دوزخ میں لے جاسکتی ہیں تم سے دور کر دیں گے یعنی معاف کر دینگے اور تمہارے نامۂ اعمال سے مٹا دیں گے ایک نماز سے دوسری نماز تک اور ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک اور ایک رمضان سے دوسرے رمضان تک اور تم کو عزت کے مقام میں داخل کر دینگے اور تم سے صغائر پر مؤاخذہ نہیں کریں گے قصور خواہ کتنا ہی معمولی کیوں نہ ہو عقلاً وشرعاً اس پر مواخذہ ہو سکتا ہے اور اگر تم نے کبائر سے اجتناب اور احتراز نہ کیا تو پھر ہماری طرف سے تکفیر سیئات اور عزت کے مقام میں داخل کرنے کا وعدہ نہیں ہماری حکمت لم یزلی ولا یزالی اور شان لا ابالی جو فیصلہ کرے وہ اس کو اختیار ہے وہ پردۂ غیب میں مستور ہے اس کے متعلق کچھ نہیں بتلایا جاسکتا اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے کہ چاہے معاف کرے اور چاہے مؤاخذہ کرے معتزلہ نے آیت کا مطلب یہ سمجھ لیا کہ اگر کبائر سے نہ بچے تو اس کے لیے سزا ضروری ہے اہل سنت کے نزدیک مرتکب کبائر پر سزا ضروری نہیں اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ہاں وعدہ نہیں چاہے معاف کرے اور چاہے مؤاخذہ کرے۔

ف (۱) گناہ کبیرہ کی تعریف میں علماء کے مختلف اقوال ہیں سب سے زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ گناہ کبیرہ وہ ہے کہ جس پر اللہ اور اس کے رسول نے دنیا میں غصہ یا کوئی حد مقرر کی ہے اور آخرت میں اس پر عذاب عظیم مرتب کیا ہے یا اس کے مرتکب پر لعنت کی ہے یا اس کو کفر کے ساتھ موسوم کیا ہے اور صغیرہ وہ ہے کہ جس سے منع تو فرمایا مگر اس پر غضب و لعنت وغیرہ جیسے امور کو نہیں فرمایا

ف (۲) ابن عباس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ کبائر کس قدر ہیں فرمایا کہ سات سے لے کر قریب قریب ستر تک ہیں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ایک قول یہ ہے کہ شروع

سُورۂ نساء سے لے کر اس آیت تک حق تعالیٰ نے جن باتوں کی ممانعت فرمائی وہ سب کبیرہ ہیں حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں صغائر کو کبائر سے ممتاز نہیں کیا تاکہ لوگ ہر گناہ سے بچنے کی کوشش کریں اگر صغائر کو کبائر سے ممتاز کر دیا جاتا تو لوگ صغائر کو ہلکا سمجھ کر ان سے بچنے کی چنداں پروا نہ کرتے البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض گناہوں کے کبیرہ ہونے پر نص فرمادی ہے مثلاً (۱) اللہ کے ساتھ شرک کرنا (۲) کسی کو ناحق قتل کرنا (۳) والدین کی نافرمانی کرنا (۴) جھوٹی گواہی دینا اور جھوٹ بولنا (۵) یتیم کا مال کھا جانا (۶) جادو کرنا (۷) زنا اور خاص کر ہمسایہ کی بیوی سے زنا کرنا نہایت ہی برا ہے (۸) میدان جنگ سے بھاگنا (۹) اولاد کو فقر و فاقہ کے اندیشہ سے مار ڈالنا (۱۰) پاکدامن بے خبر مسلمان عورت پر بہتان باندھنا یہ بخاری اور مسلم کی روایتوں کا مضمون ہے جن سے مقصود حصر نہیں بلکہ مقصود یہ بتلانا ہے کہ گناہ کبیرہ ایسے ہوتے ہیں کیونکہ احادیث میں کبیرہ گناہوں کی تفصیل آئی ہے چنانچہ جامع ترمذی میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص دو نمازیں بلا عذر جمع کرے وہ ابواب کبائر میں سے ایک دروازہ پر آیا امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند میں حنش (یعنی حسین بن قیس) واقع ہے جس کو امام احمد وغیرہ نے ضعیف کہا ہے اور ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو ابن ابی حاتم نے دوسری سند سے روایت کیا ہے نیز موطأ امام احمد میں ہے کہ فاروق اعظم رضؓ نے اپنی مملکت کے اطراف و جوانب میں جمع بین الصلاتین کی ممانعت کا حکم لکھ کر بھیج دیا اور اسباب کی سب کو اطلاع دیدی کہ وقت واحد میں دو نمازوں کا جمع کرنا منجملہ بڑے گناہوں کے ایک بہت بڑا گناہ ہے فاروق اعظم کے اس فرمان واجب الاذعان سے معلوم ہوا کہ ابن عباسؓ والی حدیث درحقیقت صحیح ہے اس لیے صحابہ نے دل و جان سے اس حکم کو قبول کیا پس ان احادیث کی بناء پر آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اے مسلمانو! اگر تم جمع بین الصلاتین جیسے بڑے گناہ سے اجتناب کروگے تو ہم تم سے وعدہ کرتے ہیں کہ تمہارے دوسرے گناہوں کو معاف کر دیں گے ورنہ نہیں۔

ف (۳) یہ آیت یعنی اِنۡ تَجۡتَنِبُوۡا کَبَآئِرَ انہی پانچ آیتوں میں سے ہے جن کے متعلق عبداللہ بن مسعود کا قول نقل ہو چکا ہے کہ پانچ آیتیں مجھ کو دنیا اور مافیہا سے زیادہ محبوب ہیں۔

(۴) بعض عارفین کا قول ہے کہ تمام کبائر تین چیزوں میں مندرج ہیں۔

(اول) اتباع ہوی۔ یعنی نفسانی خواہشوں اور لذتوں کی پیروی کما قال تعالیٰ وَلَا تَتَّبِعِ الۡهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اور عقوق والدین اور قطع رحمی وغیرہ اتباع ہوی سے پیدا ہوتا ہے

غبار ہوا چشم غفلت بدوخت ∴ سموم ہوس کشت عمرت بسوخت
بکن سرمۂ غفلت از چشم پاک ∴ کہ فردا شوی سرمہ در چشم خاک

(دوم) حُبِ دنیا، قتل اور ظلم اور غصب اور سرقہ اور سود خواری اور مال یتیم کا کھا جانا اور زکوٰۃ کا نہ دینا اور جھوٹی قسمیں کھانا وغیرہ وغیرہ اس قسم کے تمام کبائر حُبِ دنیا سے پیدا ہوتے ہیں اور حدیث میں ہے حب الدنیا رأس کل خطیئۃ۔

عاقلاں میل بسوئیت نکنند اے دنیا ∴ ہم امید کرم ولطف تو جاہل دارد
ہر کہ خواہد بکند از تو سرا دے حاصل ∴ حاصل آنست کہ اندیشۂ باطل دارد

(سوم) رؤیۃ الغیر یعنی غیر اللہ پر نظر کرنا اور رکھنا شرک اور نفاق اور ریاء اور اس قسم کے کبائر غیر اللہ پر نظر کرنے سے پیدا ہوتے ہیں اسی بناء پر ارشاد ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ وقال تعالیٰ فَمَنْ کَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّہٖ فَلْیَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا یُشْرِکْ بِعِبَادَۃِ رَبِّہٖ اَحَدًا اور حدیث میں ہے الیسیر من الریاء شرک لہٰذا عاقل کو چاہیے کہ اپنی انظار کو اغیار سے ہٹا کر واحد قہار پر لگا دے

گرچہ زندانست بر صاحبدلاں ∴ ہر کجا بوے ز وصل یار نیست
ہیچ زنداں عاشق محتاج را ∴ تنگ تر از صحبت اغیار نیست

(۵) اکل حلال یعنی حلال روزی سے بڑھ کر کوئی چیز اللہ کی طاعت پر آمادہ کرنے والی نہیں اکل حلال تمام طاعتوں کی جڑ ہے خوب سمجھ لو خوب سمجھ لو۔ خوب سمجھ لو۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰہُ بِہٖ بَعْضَکُمْ عَلٰی بَعْضٍ ؕ

اور ہوس مت کرو جس چیز میں بڑائی دی اللہ نے ایک کو ایک سے

لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اکْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ

مردوں کو حصہ ہے اپنی کمائی سے اور عورتوں کو حصہ ہے

مِّمَّا اکْتَسَبْنَ ؕ وَسْـَٔلُوا اللّٰہَ مِنْ فَضْلِہٖ ؕ اِنَّ اللّٰہَ

اپنی کمائی سے اور مانگو اللہ سے اس کا فضل اللہ کو

کَانَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ﴿۳۲﴾

ہر چیز معلوم ہے۔

حکم چہاردہم ممانعت از رشک بر تفوق دیگراں

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ .... الٰی .... اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا

(ربط) گزشتہ آیات میں یہ ارشاد فرمایا کہ شہوات کی پیروی نہ کرو اور ناحق طریقہ سے کسی کا مال نہ کھاؤ اب اس آیت میں یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ کسی کے خدا داد شرف اور فضل و امتیاز کو دیکھ کر اس پر رشک نہ کرو اور اس آرزو میں مت پڑو کہ ہم بھی ایسے ہو جائیں جیسا کہ بعض عورتوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ کاش ہم مرد ہوتے اور مردوں کی طرح جہاد کرتے اور میراث میں مرد کا دوہرا حصہ ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے جس کسی کو کوئی فضیلت اور فوقیت عطا کی ہے اس کی آرزو میں پڑنا یہ بھی ایک قسم کا اتباع شہوات ہے جس طرح ظاہری طور پر دوسرے کے مال و منال اور اس کے فضل و کمال کی طرف نظر اٹھانا ممنوع ہے اسی طرح باطنی طور پر کسی کے خدا داد تفوق اور شرف اور فضیلت کی تمنا اور آرزو بھی ممنوع ہے ہر شخص کو اپنی قسمت پر راضی رہنا چاہیے کسی کے خدا داد فضل و کمال و جاہ و جلال و مال و منال کی طرف دیکھنا حرص اور حسد کے مادہ کو ابھارتا ہے اس لیے حق تعالےٰ نے اس آیت میں اس کا حکم دے دیا کہ تم کسی کے تفوق کو دیکھ کر رشک نہ کرو اور اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے کسی کو مال و متاع اور جاہ و منصب وغیرہ امور میں جو برتری عطا کی ہے اس کی تمنا اور آرزو میں مت پڑو تاکہ یہ تمنا تم کو حسد میں مبتلا نہ کر دے اور پھر تم کو ناحق قتل کرنے اور ناحق مال کھانے پر آمادہ کرے اور اس طرح تم شہوات کے تتبع اور پیرو بنکر حدود اللہ سے تعدی کر جاؤ اور سُنَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ سے میل اور انحراف کر جاؤ۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور مت تمنا کرو تم اس چیز کی کہ جس کے ذریعہ اللہ تعالےٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت اور فوقیت دی ہے خواہ وہ تفضیل باعتبار دین کے ہو یا دنیا کے ہو مراد اس سے وہ فضائل و کمالات ہیں جو وہبی ہیں یعنی محض اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہیں بندہ کے عمل کو اس میں دخل نہیں جیسے حسن و جمال اور عقل و فہم اور مرد ہونا اس آیت میں اس قسم کے امور خلقیہ اور وھبیہ کی تمنا اور آرزو کی ممانعت مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ ایسے امور کی تمنا اور آرزو مت کرو جو تمہارے اختیار میں نہیں تم کو چاہیئے کہ اپنی نظر اور فکر کو ان فضائل و کمالات کے حاصل کرنیکی طرف متوجہ کرو کہ جس میں تمہارے عمل اور فعل کو دخل ہے ان فضائل اور کمالات کے حاصل کرنے کی کوشش کرو جن کا حصول تمہاری سعی اور جدوجہد اور کسب و اکتساب پر موقوف ہے کیونکہ

مردوںؒ کے لیے حصہ ہے اس چیز سے جو انہوں نے اپنی سعی سے حاصل کیا اور عورتوں کے لیے حصہ ہے اس چیز سے جو انہوں نے اپنی سعی سے حاصل کی پس عمل کے ذریعہ فضل کو طلب کرو محض تمنا اور آرزو اس کے لیے کافی نہیں آخرت کی فضیلت اگر چاہتے ہو تو اپنی استطاعت کے مطابق کسب اور اکتساب میں دریغ نہ کرو آخرت کی فضیلت کا قانوناً دار و مدار یہی اعمال ہیں جن میں کسب اور اختیار کو دخل ہے اس لیے مِمَّا اكْتَسَبُوا فرمایا اور مما فضلوا بہ نہیں فرمایا۔

اور اعمال اختیاریہ میں کسی کی تخصیص نہیں۔ پس اگر دوسروں پر فضیلت اور فوقیت حاصل کرنے کا شوق ہے تو فضائل کسبیہ (جن کا تعلق کسب واکتساب سے ہے) میں کوشش کرکے دوسروں سے زیادہ ثواب حاصل کر لو اور اعمال صالحہ کی دوڑ میں دوسروں سے سبقت لے جاؤ تاکہ تم کو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو جائے۔ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ مگر باوجود قدرت کے اعمال اختیاریہ کے کسب واکتساب میں کوتاہی اور سستی کرنا اور فضائل وھبیہ غیر اختیاریہ کی تمنا میں پڑنا محض ہوس اور فضول ہے پھر فضائل وھبیہ کی دو قسمیں ہیں ایک وہ ہیں جن میں عادۃً تغیر اور تبدل نہیں ہوتا جیسے مرد ہونا یا شریف النسب ہونا یا نبی ہونا ایسے امور کی تو دعا بھی جائز نہیں کہ کوئی عورت مرد ہونے کی دعا کرے یا کوئی جولاہا سید ہونے کی یا کوئی امتی نبی ہونے کی دعا مانگنے لگے تو ایسی دعا بھی ناجائز ہے اور ایک قسم وہ ہے جس میں عادۃً من جانب اللہ تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے جیسے جاہ وجلال اور امیری و فقیری تو ایسے امور وھبیہ کی تمنا اور آرزو تو محض ہوس ہے ہاں اس طرح دعا کرنا جائز ہے کہ اول ان اعمال کو اختیار کرے جن پر حصول وہب کا ترتب عادۃً ہو جاتا ہے ایسے امور وھبیہ کے لیے دعا کرنا جائز ہے جیسا کہ ارشاد ہے اور سوال کرو اللہ سے اس کے فضل کا یعنی غیر کے حصہ کی تمنا مت کرو بلکہ جو کچھ مانگنا ہے خدا کے فضل سے مانگو اس کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں جس طرح اس نے اس کو دیا ہے تم کو دے گا بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے اس کو خوب معلوم ہے کہ تمہارے حق میں کیا بہتر ہے تم تو اللہ سے اس کا فضل مانگے جاؤ اگر وہ تمہارے حق میں بہتر جانے گا تو تمہارے سوال کو پورا کر دے گا ورنہ تمہارے اس سوال اور دعا کا تم کو قیامت میں اجر عطا فرمائے گا جو تمہاری تمنا اور آرزو سے کہیں بالا ہوگا اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ علیم اور حکیم ہے اس نے جس کو جو فضیلت عطا کی ہے وہ سراسر علم اور حکمت کے مطابق ہے تم اپنی لاعلمی اور نادانی کی وجہ سے خلجان میں مت پڑو اور کسی کی خداداد فضیلت

لہ دیکھو عصم الصنوف وعظ سویم از سلسلۂ البلاغ ص۲۲ اور دیکھو اسباب الفضائل وعظ ۲۲ از سلسلۂ تبلیغ ۱۲ منہ عفا اللہ عنہ۔

اور فوقیت کو دیکھ کر حرص اور تمنا اور آرزو کی دلدل میں مت پھنسو آخرت کی فضیلت اور فوقیت کا دارومدار اعمال صالحہ پر ہے اس میں مرد اور عورت دونوں برابر ہیں ہر ایک کو اس کے اعمال کا پورا اجر ملے گا دنیا میں جو ایک دوسرے پر فضیلت اور برتری ہے اس کا دل میں خیال نہ لاؤ آخرت کی برتری جس سے حاصل ہو اس کی فکر اور کوشش کرو رہا یہ امر کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو مرد اور کسی کو عورت اور کسی کو حسین و جمیل اور کسی کو بدشکل اور بدصورت کیوں بنایا سو اس عقدہ کو کوئی حل نہیں کر سکتا۔

کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معمارا

گر مفلس وگر تونگرت گرداند ⁂ او مصلحت تو از تو بہ می داند

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ ۚ

اور ہر کسی کے ہم نے ٹھہرا دیئے وارث اس مال میں جو چھوڑ جاوے ماں باپ

وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ ۚ

اور قرابت والے اور جن سے قرار باندھا تم نے ان کو پہنچاؤ ان کا حصہ

إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ﴿٣٣﴾ ع

اللہ کے روبرو ہے ہر چیز

حکم پانزدہم بابت میراث حلیف

قال تعالیٰ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ .... الیٰ .... كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ۝

(ربط) گزشتہ آیت میں عورتوں کی اس تمنا کا جواب تھا کہ میراث میں مرد کو بہ نسبت عورت کے دوہرا حصہ دیا جاتا ہے اب آگے ارشاد فرماتے ہیں اور ہر ایک کے لیے خواہ مرد ہو یا عورت ہم نے وارث مقرر کر دیئے ہیں اس مال میں سے جس کو ماں باپ اور قرابت دار چھوڑ جائیں ہم نے اپنی علم و حکمت سے ہر ایک کا حصہ مقرر کر دیا ہے اس میں تغیر و تبدل کرنا حدود اللہ سے تعدی کرنا ہے اور جن لوگوں سے تمہارا عہد اور پیمان ہو چکا ہے۔ یعنی جو لوگ تمہارے حلیف ہیں یا جن سے اسلام میں تمہارا بھائی چارہ ہو چکا ہے تو تم ان کو حصہ دیدو بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر حاضر ہے

www.ahlehaq.org

شروع اسلام میں حلیف کو میت کے مال میں چھٹا حصّہ ملتا تھا پھر جب آیت وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ نازل ہوئی تو یہ حکم منسوخ ہوگیا اور اگر نصیبھم سے بطور وصیت اور بطور احسان اور اعانت دینا مراد ہے تو یہ حکم اب بھی باقی ہے منسوخ نہیں شروع اسلام میں میراث کا یہ دستور تھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب میں سے دو دو شخصوں کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا تھا وہی ایک دوسرے کے وارث ہوتے بعد میں یہ آیت اتری کہ میراث تو اقارب اور رشتہ داروں ہی کا حق ہے رہے منہ بولے بھائی تو ان کے لیے میراث نہیں ہاں زندگی میں ان کے ساتھ سلوک کرو اور مرتے وقت ان کے لیے کچھ وصیت کردو تو یہ مناسب ہے مگر میراث میں ان کا کوئی حصہ نہیں۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ

مرد حاکم ہیں عورتوں پر اس واسطے کہ بڑائی دی اللہ نے

بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ

ایک کو ایک پر اور اس واسطے کہ خرچ کیے انہوں

اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا

نے اپنے مال پھر جو نیک بختیاں ہیں سو حکم بردار ہیں خبرداری کرتیاں ہیں پیٹھ پیچھے

حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ

اللہ کی خبرداری سے اور جن کی بدخوئی کا ڈر ہو تم کو تو ان کو سمجھاؤ

وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ

اور جدا کرو سونے میں اور مارو ان کو پھر اگر

اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ

تمہارے حکم میں آویں تو مت تلاش کرو ان پر راہ الزام کی بے شک اللہ ہے

عَلِيًّا كَبِيرًا ﴿٣٤﴾ وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا

سب سے اوپر بڑا اور اگر تم لوگ ڈرو کہ وہ دونوں آپس میں ضد رکھتے ہیں تو کھڑا کرو

حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا ۚ إِن يُرِيدَا

ایک منصف مرد والوں میں سے اور ایک منصف عورت والوں میں سے اگر یہ دونوں

إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا

چاہیں گے صلح تو اللہ ملاپ دے گا ان میں اللہ سب جانتا ہے

خَبِيرًا ﴿٣٥﴾

خبر رکھتا

حکم شانزدہم بابت معاشرۂ زوجین

قال تعالیٰ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ ... الی ...... اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ۝

(ربط) گزشتہ آیات میں میراث کے باب میں عورتوں پر مردوں کی فضیلت بیان کی اب ان آیات میں مطلقاً مردوں کی فضیلت بیان فرماتے ہیں کہ مردوں کو عورتوں پر ہر طرح کی فضیلت حاصل ہے ذاتی اور عرضی دونوں قسم کی فضیلتیں مردوں کو خدا تعالیٰ نے عطا کی ہیں اور مردوں کو عورتوں پر حاکم بنایا ہے اور ان کو اجازت دی ہے کہ بغرض تادیب و اصلاح عورتوں کو تنبیہ کریں اور اگر ضرورت پیش آئے تو مارنے کی بھی اجازت ہے تاکہ عورتوں کا شبہ بھی دور ہو جائے کہ مردوں کو دوہری میراث کیوں ملتی ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ مرد عورتوں پر دو وجہ سے حاکم اور قائم ہیں مردوں کی وجہ سے عورتوں کا وجود قائم ہے ایک وجہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر بزرگی اور بڑائی دی ہے یعنی ذاتی طور پر اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر بہت سی باتوں میں فضیلت دی ہے اور اس فضیلت کا اقتضاء یہی ہے کہ مرد عورتوں پر حاکم ہوں اور عورتیں ان کی محکوم ہوں حق تعالیٰ نے بہ نسبت عورتوں کے مردوں کو عقل اور علم اور حلم اور فہم اور حسن تدبر اور قوت نظریہ اور قوت عملیہ اور قوت جسمانیہ وغیرہ وغیرہ کہیں زائد عطا کی اور نبوت اور امامت اور خلافت اور بادشاہت اور قضاء و شہادت اور وجوب جہاد اور جمعہ اور عیدین اور اذان اور خطبہ

اور جماعت اور میراث میں حصہ کی زیادتی اور نکاح کی مالکیت اور تعدد ازدواج اور طلاق کا اختیار اور بلا نقصان کے نماز اور روزہ کا پورا کرنا اور حیض اور نفاس اور ولادت سے محفوظ رہنا یہ فضائل حق تعالیٰ نے مردوں ہی کو عطا کیے ہیں انہی فضائل اور خصوصیات کی بناء پر حدیث میں آیا ہے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں کسی کے لیے حکم دیتا کہ وہ کسی کو سجدہ کرے تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔

جسمانی قوت میں عورتیں مردوں کا مقابلہ نہیں کر سکتیں اور ظاہر ہے کہ کمزور اور ناتواں کو قوی اور توانا پر نہ حکومت کا حق ہے اور نہ وہ کر سکتا ہے قضاء وقدر نے عورتوں کی سرشت میں برودت اور نزاکت رکھی ہے اور مردوں میں حرارت اور قوت رکھی ہے اسی وجہ سے فوجی بھرتی اور جنگ وجدال اور قتال اور شجاعت اور بہادری اور میدانِ جنگ میں حکومت وسلطنت کے لیے جانبازی اور سرحدوں کی حفاظت اور نگرانی اور حکومت کی بقاء کے لیے جس قدر اعمال شاقہ کی ضرورت پڑتی ہے وہ سب مردوں ہی سے سرانجام پاتے ہیں مرد کی ساخت اور بناوٹ ہی اسکی فضیلت اور فوقیت کا ثبوت دے رہی ہے اور عورت کی فطری نزاکت اور اس کا حمل اور ولادت اس کی کمزوری اور لاچاری کی کھلی دلیل ہے الغرض حق تعالیٰ نے مرد کو عورت پر دو قسم کی فضیلتیں عطا کی ہیں ایک ذاتی جس کا بیان گزر گیا اور دوسری فوقیت اور فضیلت عرضی اور کسبی ہے وہ وجہ یہ ہے کہ مردوں نے عورتوں پر اپنے مالوں میں سے بہت کچھ خرچ کیا ہے یہ مردوں کے عورتوں پر حاکم ہونے کی دوسری وجہ ہے اور یہ امر کسبی اور عرضی ہے یعنی مرد عورتوں پر اسلیے حاکم ہیں کہ انہوں نے عورتوں پر اپنے مال خرچ کر کے کہ ان کو مہر دیا اور ان کا نفقہ اور خرچ اپنے ذمہ لیا تو مرد عورتوں کے محسن ہوئے اور محسن کو حکومت کا حق ہے کیونکہ وہ عورتوں کا آقا اور ولی نعمت ہے اپنے سے زیادہ ان کی راحت رسانی کا خیال رکھتا ہے ان ذاتی اور عرضی فضائل اور وہبی اور کسبی کمالات کی بناء پر محکمۂ قضاء وقدر نے مرد کو عورت پر حاکم مقرر کیا اور مرد کو سرداری کی سند عطا کی اور ظاہر ہے کہ دینے والا ہاتھ اوپر ہوتا ہے اور لینے والا ہاتھ نیچے غرض کہ ان وجوہ کی بنا پر عورتوں کو مردوں کا تابع اور محکوم بنایا۔

عقلی احتمالات

اس مقام پر عقلی احتمالات صرف تین ہیں (۱) مرد حاکم ہو اور عورت محکوم (۲) عورت حاکم ہو مرد محکوم (۳) مرد اور عورت دونوں برابر ہوں نہ کوئی کسی کا حاکم ہو اور نہ کوئی کسی کا محکوم اسکے علاوہ اور کوئی احتمال عقلی ذہن میں نہیں آتا۔

شریعت نے پہلے احتمال کو اختیار کیا یعنی مرد کو حاکم اور عورت کو اس کا محکوم قرار دیا اور اس پر یہ حکم دیا کہ مرد چونکہ حاکم اور بالادست ہے اس لیے عورت کے تمام مصارف کی ذمہ داری مرد پر ہے اور مرد ہی پر مہر واجب ہے پس اگر عورتیں یہ چاہیں کہ ہم حاکم بنیں اور مرد ہمارے محکوم بنیں (جیسا کہ دوسرا احتمال ہے) تو پھر عورتوں کو چاہیئے کہ مرد کے تمام مصارف کی کفیل اور ذمہ دار عورتیں بنیں اور عورتوں ہی پر مردوں کا مہر واجب ہو اور نکاح کے بعد جو اولاد ہو اس کی خورد ونوش اور ان کی تعلیم و تربیت کے کل مصارف کی ذمہ دار عورتیں ہی ہوں حتے کہ مکان کا کرایہ بھی عورتوں کے ذمہ ہو جس طرح مرد حاکم ہونے کی صورت میں ان تمام مصارف کا کفیل اور ذمہ دار تھا اسی طرح جب عورتیں مردوں کی حاکم بنیں تو بجائے مرد کے عورتیں ان تمام مصارف اور اخراجات کی کفیل اور ذمہ دار بنیں اور اگر عورتیں تیسرا احتمال اختیار کرتی ہیں کہ مرد اور عورت دونوں برابر رہیں نہ کوئی حاکم ہو اور نہ کوئی محکوم تو پھر اس کا تقاضا یہ ہے کہ مہر تو پہلے ہی مرحلہ میں ختم ہو جائے گا اور پھر نان نفقہ کا مسئلہ بھی ختم ہو جائے گا اس لیے مساوات یعنی برابری کا تقاضا یہ ہے کہ ہر ایک اپنا اپنا ذمہ دار رہے اور خانگی مصارف خورد ونوش و بنگلہ کا کرایہ آدھا مرد پر اور آدھا عورت پر واجب ہو اور بچوں کے خورد ونوش اور ان کے تعلیمی مصارف آدھے باپ کے ذمہ اور آدھے ماں کے ذمہ رہیں اور مرد اور عورت اپنے اپنے ذاتی مصارف مثلاً لباس وغیرہ کے بطور خود الگ الگ ذمہ دار رہیں عورتیں اگر حقوق میں مرد کی مساوات چاہتی ہیں تو مصارف اور ذمہ داریوں میں بھی تو مساوات کو قبول کریں ہر مساوی اپنا اپنا کفیل اور ذمہ دار ہوتا ہے دوسرے مساوی کا کفیل اور ذمہ دار نہیں ہوتا غرض یہ کہ شریعت نے جو مرد کے حاکم ہونیکا فیصلہ کیا ہے وہ نہایت عادلانہ اور حکیمانہ فیصلہ ہے اور عورتوں کے حق میں اس سے زیادہ نافع اور مفید کوئی فیصلہ نہیں ہو سکتا عورتوں پر اس فیصلہ کا شکر واجب ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کے ضعف اور کمزوری اور وسائل معاش سے لاچاری اور مجبوری کی بناء پر اس کو شوہر کا محکوم بنا کر پیکر محبوبیت و نزاکت بنایا کہ مرد پر ناز کرے اور تمام مصارف اور ذمہ داریوں سے اس کو سبکدوش کر دیا پس نیک بخت ہیں وہ عورتیں جو اپنے مردوں کی فرمانبردار ہیں اور ان کی فضیلت اور برتری کو ملحوظ رکھ کر اطاعت گزار ہیں اور غائبانہ اپنے شوہروں کے مال اور ناموس کی حفاظت اور نگہبانی کرتی ہیں اللہ کی حفاظت سے یعنی اللہ کے حکم کے مطابق کہ اس نے حکم دیا ہے کہ شوہروں کی عدم موجودگی میں ان کے مال اور ناموس کی حفاظت کرنا یا معنی یہ کہ اللہ کی نیک توفیق سے یہ کام کرتی ہیں اور اپنے نفس و ناموس میں اور شوہر کے مال و متاع میں کسی قسم کی خیانت نہیں کرتیں۔

خلاصۂ کلام

جب مردوں کو ذاتی فضائل اور کمالات کے علاوہ یہ فضیلت اور فوقیت بھی حاصل ہے کہ مرد عورتوں پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں اور ان کی خوراک اور پوشاک اور جملہ ضروریات کا تکفل کرتے ہیں تو عورتوں کو چاہیئے

کہ مردوں کی حکم برداری کریں کیونکہ مرد ان کے آقا اور ولی نعمت اور محسن ہیں یہ تو نیک بخت عورتوں کا حال بیان ہوا۔

اب آیندہ آیت میں ان عورتوں کا حال بیان کرتے ہیں جو نیک بخت نہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور جن عورتوں کی سرکشی اور بدخوئی کا تم کو ڈر ہو جس کی علامت یہ ہے کہ عورت شوہر کی بات کا سختی سے جواب دے اور جب وہ اس کو اپنے پاس بلائے تو اس کے بلانے کی کچھ پروا نہ کرے یہ علامت ہے اس بات کی کہ وہ عورت شوہر کے سر چڑھنے لگی اور نشوز کے اصلی معنی اونچے ہونے کے ہیں پس جن عورتوں کے متعلق یہ محسوس ہو کہ وہ سر چڑھنے لگی ہیں تو ان کی تادیب اور تنبیہ کا پہلا درجہ یہ ہے کہ ان کو نصیحت اور فہمائش کرو اور نشوز کی برائی ان پر ظاہر کرو اور یہ بتلاؤ کہ تم پر میرا حق ہے اور میری اطاعت تم پر فرض ہے لہذا اپنے نشوز سے باز آجاؤ اور اگر تمہارے سمجھانے اور نصیحت کرنے سے بھی باز نہ آئیں تو پھر تادیب وتنبیہ کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ ان کو بستروں اور خوابگاہوں میں تنہا چھوڑ دو یعنی ان کے پاس سونا چھوڑ دو شاید وہ تمہاری اس بے التفاتی سے متاثر ہو کر اپنے نشوز سے باز آجائیں اور اگر وہ تمہارے بستروں سے الگ ہونے سے بھی متاثر نہ ہوں تو اخیر علاج یہ ہے کہ تم ان کو مارو اور مار کر درست کرو۔

حدیث میں ہے کہ عورت کے منہ پر نہ مارنا ایسا مارے کہ چوٹ زیادہ لگ جائے اور ہڈی ٹوٹ جائے بعض تفسیروں میں ہے کہ مسواک وغیرہ سے مارے مگر چہرہ پر نہ مارے اور ایسا بھی نہ مارے کہ بدن پر نشان پڑ جائے امام شافعی فرماتے ہیں کہ مارنا مباح اور جائز ہے مگر نہ مارنا افضل ہے پس اگر عورتیں تمہاری نصیحت یا علیحدگی یا ضرب وتادیب کے بعد تمہاری مطیع اور فرمانبردار ہو جائیں اور اپنی بدخوئی اور سرکشی سے باز آجائیں تو پھر تم ان کے ستانے کیلئے الزام کی راہ مت تلاش کرنا کہ ان پر ناحق الزام رکھ کر درپئے آزار ہو اور عورتوں کو عاجز سمجھ کر کسی قسم کی زیادتی ان پر نہ کرو بے شک اللہ تعالیٰ نے بہت بلند مرتبہ اور سب سے بڑا ہے کہ وہ اس بات پر قادر ہے کہ ظالم مردوں سے مظلوم عورتوں کا بدلہ لے اور تمہیں اپنی عورتوں پر وہ قدرت نہیں کہ جو اس علی کبیر کو تمام عالم پر حاصل ہے پس جب وہ علی کبیر باوجود اپنے رفعت اور کبریائی اور علوشان کے تم سے نرمی کا معاملہ کرتا ہے تو تم بھی اپنی عورتوں سے نرمی کا معاملہ کرو اور خوب جان لو کہ جس قدر تم اپنے ماتحتوں پر قدرت رکھتے ہو اس سے کہیں زیادہ اللہ تعالیٰ تم پر قدرت رکھتا ہے اور اے مسلمانو اگر تم کو یہ معلوم ہو جائے کہ میاں اور بیوی کے درمیان مخالفت ہے اور ایسی سخت کشمکش ہے کہ جس کو وہ باہم نہیں سلجھا سکے اور نہ یہ معلوم ہو سکا کہ قصور کس کا ہے اور دن بدن بدمزگی بڑھ رہی ہے تو اس مخالفت کے تصفیہ کا طریقہ یہ ہے کہ ایک پنچ یعنی ایک منصف جس میں تصفیہ کی صلاحیت ہو اور نیک ہو مرد کے

خاندان سے مقرر کرو اور ایک پنچ اور منصف عورت کے کنبہ اور خاندان سے پنچ کے مرد اور عورت کے اقارب میں سے ہونے کی قید اس لیے لگائی کہ اقارب کو بہ نسبت اجانب کے خانگی امور کا علم زیادہ ہوتا ہے نیز اقارب بہ نسبت اجانب کے صلح کرانے میں زیادہ کوشش کریں گے اور یہ شرط بطور استحباب کے ہے اگر دونوں پنچ مرد اور عورت کے کنبہ سے نہ ہوں اور اجنبی ہوں تو تب بھی جائز ہے اور دو پنچ مقرر کرنے میں مصلحت یہ ہے کہ مرد کا پنچ مرد سے اور عورت کا پنچ عورت سے تخلیہ میں ان کی دلی مرضی کو معلوم کرلے گا کہ نکاح پر قائم رہنا چاہتے ہیں یا نکاح سے علیحدہ ہونا چاہتے ہیں اگر یہ دونوں پنچ حقیقۃً اصلاح کا ارادہ کریں گے اور اپنے اپنے کنبہ کی پاسداری اور طرف داری نہ کریں گے تحقیق حال کے بعد جس کا جتنا قصور دیکھیں گے اس کو سمجھا کر راہ راست پر لانے کی کوشش کریں گے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں یعنی میاں بیوی کے درمیان موافقت کرا دیگا بے شک اللہ تعالیٰ بڑا جاننے والا اور خبردار ہے اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ میاں بیوی کے پنچ کس راہ پر جا رہے ہیں اور ان کی کیا نیت ہے ۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا

اور بندگی کرو اللہ کی اور ملاؤ مت اس کے ساتھ کسی کو اور

وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى

ماں باپ سے نیکی اور قرابت والے سے اور یتیموں سے

وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَ

اور فقیروں سے اور ہمسایہ قریب سے اور ہمسایہ اجنبی سے اور برابر کے

الصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ

رفیق سے اور راہ کے مسافر سے اور اپنے ہاتھ کے

اَيْمَانُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۙ (۳۶)

مال سے اللہ کو خوش نہیں آتا جو کوئی ہو اترانا بڑائی کرتا

الَّذِينَ يَبْخَلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَ

وہ جو بخل کرتے ہیں اور سکھاتے ہیں لوگوں کو بخل اور

يَكْتُمُونَ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۗ وَأَعْتَدْنَا

چھپاتے ہیں جو ان کو دیا اللہ نے اپنے فضل سے اور رکھی ہے

لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا ﴿٣٧﴾ وَالَّذِينَ يُنْفِقُونَ

ہم نے منکروں کو ذلت کی مار اور وہ جو خرچ کرتے ہیں

أَمْوَالَهُمْ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا

اپنے مال لوگوں کو دکھانے کو اور یقین نہیں رکھتے اللہ پر اور نہ

بِالْيَوْمِ الْآخِرِ ۗ وَمَنْ يَكُنِ الشَّيْطَانُ لَهُ قَرِينًا فَسَاءَ

پچھلے دن پر اور جس کا ساتھی ہوا شیطان تو بہت برا ساتھی ہے

قَرِينًا ﴿٣٨﴾ وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ آمَنُوا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ

اور کیا نقصان تھا ان کا اگر یقین لاتے اللہ پر اور پچھلے

الْآخِرِ وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللَّهُ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِهِمْ

دن پر اور خرچ کرتے اللہ کے دیئے میں سے اور اللہ کو ان کی

عَلِيمًا ﴿٣٩﴾ إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۖ وَإِنْ تَكُ

خوب خبر ہے اللہ حق نہیں رکھتا کسی ایک کا ذرہ برابر اور اگر نیکی

حَسَنَةً يُضَاعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَدُنْهُ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٤٠﴾

ہو تو اس کو دونا کرے اور دیوے اپنے پاس سے بڑا ثواب

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَّجِئْنَا
پھر کیا حال ہوگا جب بلاویں گے ہم ہر امت میں سے احوال کہنے والا
بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا ﴿۴۱﴾ يَوْمَئِذٍ يَوَدُّ الَّذِينَ
اور بلاویں گے تجھ کو ان لوگوں پر احوال بتلانے والا اس دن آرزو کریں گے جو لوگ
كَفَرُوا وَعَصَوُا الرَّسُولَ لَوْ تُسَوَّىٰ بِهِمُ الْأَرْضُ
منکر ہوئے تھے اور رسول کی بے حکمی کی تھی کسی طرح ملا دیجیے ان کو زمین میں
وَلَا يَكْتُمُونَ اللَّهَ حَدِيثًا ﴿۴۲﴾
اور نہ چھپا سکیں گے اللہ سے ایک بات

حکم ہفدہم
حسن معاملہ با خالق و خلق

قال تعالیٰ وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا .... الی .... وَلَا يَكْتُمُونَ اللَّهَ حَدِيثًا ۔

(ربط) یہاں تک یتامیٰ اور ورثہ اور زوجین کے حقوق کو بیان فرمایا اب یہاں سے عام لوگوں کے حقوق کو بیان فرماتے ہیں کہ والدین اور اقارب اور احباب کے ساتھ کیا معاملہ رکھنا چاہیے اور سب سے پہلے حق تعالیٰ نے اپنے حق کو یعنی ایمان اور عبادت کو بیان فرمایا کہ خالق کا حق مخلوق کے حق سے مقدم ہے اور حقوق العباد بھی صحیح طور پر وہی شخص ادا کر سکتا ہے جو شخص اللہ اور اس کے رسول اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسی لیے سب سے مقدم ایمان کو بیان فرمایا پھر اعمال صالحہ اور مکارم اخلاق کی تعلیم دی پھر بخل اور تکبر اور ریاء کی مذمت بیان فرمائی اس لیے کہ تکبر اور بخل حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں حارج اور مزاحم ہوتے ہیں اور حدود اللہ سے تعدی کا سبب بنتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور عبادت کرو تم خدا تعالیٰ کی اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو یعنی عبادت خالص اسی کی کرو اور عبادت اور ربوبیت میں کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ یہ تو اللہ تعالیٰ کا حق ہوا اور مخلوق کا حق یہ ہے کہ ماں باپ کے ساتھ سلوک اور احسان

کرو اگرچہ وہ کافر ہوں والدین کی حق تربیت کا شکر بجا لانا فرض اور واجب ہے اور قرابت داروں کے ساتھ سلوک اور احسان کرو صلہ رحمی مکارم اخلاق کی جڑ ہے اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ بھی احسان کرو جو یتیموں اور مسکینوں پر رحم کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرتا ہے اور یتیم کو مسکین پر اس لیے مقدم کیا کہ یتیم دو طرح سے عاجز ہے ایک تو صغیر اور کمسن ہونے کی وجہ سے کسی پر اپنی حاجت کا اظہار نہیں کر سکتا دوسرے یہ کہ اس کا کوئی ولی اور سرپرست نہیں اور مسکین صرف ایک وجہ سے عاجز ہوتا ہے یعنی صرف اپنے فقر و فاقہ کی وجہ سے اور قریب کے پڑوسی اور دور کے پڑوسی کے ساتھ بھی سلوک اور احسان کرو جو ہمسایہ تمہارے قریب رہتا ہے وہ قریبی ہمسایہ ہے اور جو تم سے کچھ فاصلہ پر رہتا ہے وہ دور کا ہمسایہ ہے امام زہری سے منقول ہے کہ پڑوس کی حد چالیس گھر ہے یعنی ہر شخص کے گھر سے چاروں طرف چالیس چالیس گھر تک اس کا پڑوس ہے اور رفیق مجلس کے ساتھ بھی سلوک اور احسان کرو یعنی اپنے پاس بیٹھنے والے دوستوں اور اپنے ہم سبقوں اور ہم جماعتوں کے ساتھ احسان کرو ان کے حق صحبت کو ملحوظ رکھو اور مسافر یعنی راستہ کے ساتھی کے ساتھ بھی سلوک اور احسان کرو اور جن باندی اور غلاموں اور مویشیوں کے تمہارے ہاتھ مالک ہیں اور تمہارے قبضہ میں ہیں ان کے ساتھ بھی سلوک اور احسان کرو باندی اور غلام کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرو اور جانوروں پر اتنا بوجھ نہ لادو جس کا وہ تحمل نہ کر سکیں غرض یہ کہ ان سب کے حقوق کو ادا کرو تحقیق اللہ تعالیٰ اس شخص کو دوست نہیں رکھتا جو متکبر ہو یعنی جو دل سے اپنے کو بڑا خیال کرے اور دوسرے کو حقیر سمجھے اور زبان سے اپنی بڑائی کرتا ہو یعنی خدا تعالیٰ نے جو اس کو دوسروں سے زائد نعمت دی ہے اس پر فخر کرتا ہو اور کمتر کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہو خدا تعالیٰ نے جس کسی کو کچھ دیا وہ بلا استحقاق محض اپنے فضل سے دیا پھر فخر کس بات پر کرتا ہے نیز جو خود بخل کرتے ہیں اور دوسروں کو بخل کی ترغیب دیتے ہیں جیسے اس زمانہ میں ماہرین علم اقتصاد اور خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے جو ان کو مال و دولت دیا ہے اس کو چھپاتے ہیں کہ کوئی حاجت مند ہمارا مال دیکھ کر ہم سے سوال نہ کر بیٹھے اس ڈر کے مارے اپنے کو مفلس ظاہر کرتے ہیں اس میں مال اور علم دونوں داخل ہیں مستحق سے مال کا اور علم کا چھپانا ناجائز ہے اور ہم نے ایسے ناشکروں کے لیے ذلت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے متکبر اور بخیل دنیا میں بھی ذلیل ہے اور آخرت میں بھی۔

بخیل ار بود زاہد بحر و بر ⁘ بہشتی نباشد بحکم خبر

اور وہ لوگ جو ظاہر میں بخیل نہیں معلوم ہوتے اپنے مالوں کو لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتے ہیں یعنی محض اپنی نمود اور شہرت کے لیے خرچ کرتے ہیں اور اللہ اور روز آخرت پر ایمان نہیں رکھتے خرچ کرنے سے ثواب آخرت انہیں مقصود نہیں ہوتا تو ایسے لوگوں کو بھی اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا ان کا دوست تو شیطان ہے اور شیطان جس کا ساتھی اور دوست ہو تو وہ بہت ہی برا ساتھی اور بہت ہی برا دوست ہے یہ یار تو مار (سانپ) سے بھی برا ہے اور ان پر کیا مصیبت

آجاتی اور ان کا کیا بگڑ جاتا اگر یہ لوگ اللہ اور روز آخر پر ایمان لے آتے اور اس کثیر مال میں سے جو اللہ تعالیٰ نے ہی ان کو دیا ہے کچھ اس کی راہ میں خرچ کر ڈالتے یعنی یہ لوگ اگر یہ کام کرتے تو ان کا کیا حرج ہو جاتا ان کاموں میں تو ان کا نفع ہی تھا مَاذَا عَلَيْهِمْ سے ان کی جہالت اور حماقت پر توبیخ مقصود ہے کہ ان نادانوں نے اس شئی کو جس میں اعلیٰ درجہ کا نفع تھا اس کو ضرر اور نقصان کی شئی سمجھا اور اللہ تعالیٰ ان کو خوب جانتا ہے یعنی جو لوگ اپنی نمود اور شہرت کے لیے اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کو ان کی نیتوں کا حال خوب معلوم ہے تحقیق اللہ تعالیٰ ذرہ برابر بھی کسی پر ظلم نہیں کرتا ہر ایک کو اس کے نیک عمل کا پورا ثواب دیتا ہے ایمان لانے والوں اور راہ خدا میں خرچ کرنے والوں کو آخرت کے دن ضرور ثواب دے گا اور اگر وہ عمل ذرہ برابر نیکی ہو گی تو جہاں تک چاہے گا تو اس کے ثواب اور اجر کو بڑھائے گا یعنی اس کے ثواب کی کوئی حد مقرر نہیں جس قدر چاہتا ہے بڑہاتا چلا جاتا ہے کسی کو دس گونہ اور کسی کو دس لاکھ الی غیر النہایۃ زیادتی کا مدار نیت اور اخلاص پر ہے جتنا جس کا اخلاص ہو گا اتنا ہی خدا اس کی نیکی کو بڑھائے گا اور اس کے علاوہ اپنے پاس سے اجر عظیم دے گا یعنی عمل کے مقابلہ میں جو وعدہ کیا ہے اس کے علاوہ اپنے فضل وکرم سے اور زیادہ دے گا پس کیا حال ہو گا ان لوگوں کا جو نہ اللہ کے حقوق ادا کرتے ہیں اور نہ بندوں کے جس وقت کہ ہم حاضر کریں گے ہر امت میں سے ایک گواہی دینے والا یعنی اس امت کا نبی جو ان پر ان کے بھلے اور برے کی گواہی دے اور اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہم آپ کو ان لوگوں پر گواہی دینے کے لیے حاضر کریں گے یعنی قیامت کے دن ہر نبی اپنی امت کی نافرمانی اور فرمانبرداری کو بیان کرے گا اور اس بات کی گواہی دے گا کہ میں نے اللہ کے احکام امت تک پہنچا دیئے تھے امتیں ان کی تکذیب کریں گی اس وقت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم انبیاء سابقین کی صداقت پر گواہی دیں گے آپؐ کی گواہی کے بعد مجرمین پر جرم ثابت ہو جائے گا اور کافروں کے لیے عجب پریشانی اور اضطراب کا وقت ہو گا اس وقت وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور پیغمبر کی نافرمانی اور عدول حکمی کی یہ تمنا کریں گے کہ کاش ہم زمین کے پیوند ہو جائیں مطلب یہ کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بہائم اور وحوش اور طیور اور درندوں سے کہے گا کہ تم سب مٹی ہو جاؤ وہ سب مٹی ہو جائیں گے اور زمین ان سے ہموار کر دی جائے گی اس حال کو دیکھ کر کافر یہ آرزو اور تمنا کریں گے کہ کاش وہ بھی جانوروں کی طرح زمین کے ساتھ ہموار کر دیئے جاتے اور ان کی طرح مٹی ہو جاتے تاکہ عذاب سے رہائی پاتے جیسا کہ سورۂ نبا میں ہے وَيَقُولُ الْكَافِرُ يَا لَيْتَنِي كُنْتُ تُرَابًا یعنی قیامت میں کافر یہ کہے گا کہ کاش میں مٹی ہوتا اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے کوئی بات چھپا نہیں سکیں گے شروع میں اگرچہ اپنے کفر وشرک کا انکار کریں گے اور یہ کہیں گے وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ خدا

کی قسم ہم مشرک نہ تھے مگر اس کے بعد ان کے منہ پر مہر لگادی جائے گی اور ان کے اعضاء اور جوارح کو حکم ہوگا کہ وہ شہادت دیں چنانچہ اعضاء و جوارح ان تمام اعمال کی شہادت دیں گے جو انہوں نے کیے ہوں گے اور پھر ذرہ ذرہ کا حساب ہوگا ۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ

اے ایمان والو! نزدیک نہ ہو نماز کے

وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ

جب تم کو نشہ ہو جب تک کہ سمجھنے لگو جو کہتے ہو

وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا

اور نہ جب جنابت میں ہو مگر راہ چلتے ہوئے جب تک کہ غسل کر لو

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ

اور اگر تم مریض ہو یا سفر میں یا آیا ہے کوئی شخص

مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا

تم میں جائے ضرور سے یا لگے ہو عورتوں سے پھر نہ پایا

مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ

پانی تو ارادہ کرو زمین پاک کا پھر ملو اپنے منہ کو اور

اَيْدِيْكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۴۳﴾

ہاتھوں کو اللہ ہے معاف کرنے والا بخشتا

حکم ہشتدہم متعلق بہ صلوٰۃ وطہارت

قال تعالیٰ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ ... الیٰ .... اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا

(ربط) گزشتہ آیت میں عبادت کا ذکر تھا اور ایمان کے بعد تمام عبادتوں میں سب سے بڑی عبادت نماز ہے اس لیے اس آیت میں نماز کے آداب کو بیان فرماتے ہیں کہ نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھو کیونکہ نشہ کی حالت میں آدمی کو یہ علم نہیں رہتا کہ میں نماز میں کیا پڑھ رہا ہوں اور کس ذات بابرکات کے سامنے کھڑا ہوں اور اس سے کیا عرض و معروض کر رہا ہوں یہ حکم اس وقت تھا کہ جب تک شراب کی حرمت نازل نہیں ہوئی تھی چند صحابہ ایک دعوت میں جمع تھے چونکہ ابھی تک شراب حرام نہیں ہوئی تھی اس لیے ان لوگوں نے شراب پی مغرب کا وقت آگیا تو اسی حالت میں نماز کے لیے کھڑے ہوگئے اور عبدالرحمٰن بن عوف نے نماز پڑھائی اور قُلْ يَآ أَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ لَآ أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ کی جگہ أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ نشہ کی حالت میں پڑھ دیا جس سے معنی بالکل غلط ہو گئے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور قطعاً اس کی ممانعت کر دی گئی کہ نشہ کی حالت میں نماز کے قریب بھی نہ آئیں اس آیت کے نازل ہونے کے بعد صحابہؓ نے اوقات نماز میں شراب پینا چھوڑ دی دوسرا ادب نماز کا اس آیت میں یہ بتلایا کہ حالت جنابت میں نماز نہ پڑھنا حالت جنابت میں انسان شیاطین کے مشابہ ہو جاتا ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو ایمان کا مقتضیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے حیا کرو اور اس سے شرماؤ اور من جملہ حیاء کے یہ ہے کہ تم نشہ کی حالت میں نماز کے نزدیک نہ جاؤ یہاں تک کہ تم سمجھو اور جانو کہ تم اپنی زبان سے کیا کہہ رہے ہو اور کس ذات پاک سے مناجاۃ اور خطاب کر رہے ہو اور کیا خطاب کر رہے ہو نہ معلوم اس حالت میں تمہارے منہ سے کیا کلمہ نکل جائے اور سکران یعنی مست وہ ہے کہ جو اپنے کہے ہوئے کو نہ سمجھتا ہو اور بعض کہتے ہیں کہ سکران وہ ہے جو مرد اور عورت میں فرق نہ کرے یا زمین اور آسمان میں تمیز نہ کرے یا چلنے میں لڑکھڑاتا ہو۔

اور نہ حالت جنابت میں (جب کہ تم ناپاک ہو اور غسل تم پر فرض ہو) نماز کے قریب جاؤ جب تک غسل نہ کر لو مگر ہاں بحالت سفر جب کہ پانی نہ ملے تو پھر تیمم کر کے نماز پڑھ سکتے ہو یعنی حالت جنابت میں بغیر غسل کے نماز پڑھنے کی اجازت نہیں مگر سفر میں تیمم کر کے نماز پڑھنا جائز ہے جس کا حکم آئندہ آیت میں آتا ہے اور سفر سے عذر کی حالت مراد ہے یعنی عذر کی حالت میں تیمم جائز ہے چونکہ اس آیت میں اجمالی طور پر تیمم کی طرف اشارہ فرمایا اس لیے آئندہ آیت میں اسباب عذر اور مواقع تیمم کو بیان فرماتے ہیں کہ چاروں حالتوں میں تیمم جائز ہے۔ بیماری۔ اور مسافری۔ اور حدث اصغر یعنی پیشاب اور پیخانہ کرنے کے بعد اور حدث اکبر یعنی اپنی عورتوں سے صحبت کے بعد مگر ان چاروں صورتوں میں شرط یہ ہے کہ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً یعنی پانی نہ ملے ان چار حالتوں میں پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم جائز ہے پس فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً کی

قید ان چاروں قسموں سے متعلق ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور اگر تم مریض ہو یا مسافر ہو یا تم میں سے کوئی شخص پیشاب یا پاخانہ سے فارغ ہو کر جا ضرور سے آیا ہے یعنی قضاء حاجت کرکے آیا ہے یا تم نے عورتوں سے مباشرت اور اختلاط کیا ہے پھر ان تمام صورتوں میں تم طہارت صغریٰ اور طہارت کبریٰ یعنی وضوء اور غسل کے لیئے پانی نہ پاؤ جس سے تم حدث اصغر اور حدث اکبر کو زائل کر سکو پانی نہ ملنے کا مطلب یہ ہے کہ پانی موجود ہی نہ ہو یا موجود تو ہو مگر بیماری اور معذوری کی وجہ سے استعمال نہ کر سکتا ہو تو یہ بھی نہ ہونے ہی کے حکم میں ہے پس تم ان تمام حالتوں میں طہارت حاصل کرنے کے لیے تیمم کرو جس کا طریقہ یہ ہے کہ تم پاک زمین کا قصد کرو پس مسح کر لو اپنے چہروں پر اور اپنے ہاتھوں پر پاک زمین کا قصد کرنا یہ تو تیمم کی نیت ہوئی اور چہروں اور ہاتھوں پر مسح کر لینے کا نام تیمم ہے بے شک اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے اور بڑے بخشنے والے ہیں کہ اس نے اپنی رحمت سے مٹی کو پانی کے قائم مقام کر دیا کہ جو پانی سے بھی زیادہ سہل الوصول ہے اور تمہارا مبداء اور منتہی ہے مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى اور تواضع اور خاکساری کا خاص نشان ہے جو ظاہری اور باطنی نجاستوں کے زائل کرنے میں پانی سے کم نہیں

فوائد - (۱) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ میں مفسرین کے دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ آیت میں صلوٰۃ سے نماز مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ تم نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو کہ تم زبان سے کیا کہہ رہے ہو اور دوسرا قول یہ ہے کہ صلوٰۃ سے موضع صلوٰۃ یعنی مسجد مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ نشہ کی حالت میں مسجد میں نہ جایا کرو جب نشہ اتر جایا کرے اور ہوش آجائے اور اپنے قول کو سمجھنے لگو کہ کیا کہتے ہو اس وقت جایا کرو (۲) اور علیٰ ہذا وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ میں بھی دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ عَابِرِيْ سَبِيْلٍ سے مسافر مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ حالت جنابت میں نماز کے قریب مت جاؤ جب تک غسل نہ کرو الآیہ کہ تم مسافر ہو اور وہاں تم کو پانی نہ ملے تو تیمم کر کے نماز پڑھ لو یہ قول حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور عبداللہ بن عباسؓ اور مجاہدؒ اور قتادہؒ کا ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ سے نفس نماز مراد ہے اور دوسرا قول عبداللہ بن مسعودؓ اور سعید بن مسیبؒ اور اور عطاءؒ وغیرہم کا ہے کہ عَابِرِيْ سَبِيْلٍ سے عبور فی المسجد یعنی مسجد سے گزرنا مراد ہے ان حضرات کے نزدیک لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ میں صلوٰۃ سے مواضع صلاۃ یعنی مساجد مراد ہیں اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ نشہ کی حالت اور جنابت کی حالت میں مسجد میں مت جاؤ مگر یہ کہ گزرتے چلے جاؤ اس فریق کے نزدیک جس شخص کو نہانے کی حاجت ہو اس کو مسجد میں سے گزر جانا روا ہے

اور فریق اول کے نزدیک حالت جنابت میں مسجد سے گزر جانا جائز نہیں یہ امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے فریق ثانی کے نزدیک حالت جنابت میں بیٹھنا اور ٹھہرنا تو گناہ ہے مگر مسجد سے گزر جانا گناہ نہیں اور یہی امام شافعیؒ کا مذہب ہے دلائل کی تفصیل امام فخر الدین رازیؒ اور امام ابوبکر جصاصؒ کے کلام میں دیکھئے (۳) فریق اول یعنی حضرت علیؓ اور عبداللہ بن عباسؓ اور امام ابوحنیفہؒ کے قول کی بناء پر اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ کے استثناء کا تعلق فقط وَلَا جُنُبًا سے ہے اور اَنْتُمْ سُکَارٰی سے اس کا کچھ تعلق نہیں اور فریق ثانی یعنی عبداللہ بن مسعودؓ اور امام شافعیؒ کے قول کی بناء پر اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ کا تعلق دونوں حالتوں سے ہے یعنی وَاَنْتُمْ سُکَارٰی اور وَلَا جُنُبًا دونوں سے متعلق ہے اور دونوں حالتوں کے حکم سے استثناء ہے کذافی تفسیر ابی السعود وروح المعانی وروح البیان (۴) آیت اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاۗءَ میں ائمۂ تفسیر کے دو قول ہیں حضرت علیؓ اور عبداللہ بن عباسؓ اور قتادہؒ اور مجاہدؒ اور حسن بصریؒ اور امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک ملامستہ نساء (عورتوں کے چھونے سے) صحبت اور جماع مراد ہے اور عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہ بن عمرؓ اور شعبیؒ اور نخعیؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک ایک جسم کا دوسرے جسم سے اتصال یعنی لگ جانا مراد ہے خواہ جماع سے یا بغیر جماع کے اس اختلاف کا نتیجہ یہ ہے کہ فریق اول کے نزدیک عورت کو چھو دینے سے وضوء نہیں ٹوٹتا اور فریق ثانی کے نزدیک ٹوٹ جاتا ہے (۵) صَعِیْدًا کے معنی روئے زمین اور طَیِّبًا کے معنی طاہر کے ہیں یعنی وہ زمین جس پر تیمم کیا جائے پاک ہو نجس نہ ہو زجاجؒ اور امام اعظمؒ کے نزدیک زمین کے تمام سطح کا نام صعید ہے خواہ وہ مٹی ہو یا وہ پاک پتھر ہو جس پر مٹی اور غبار کا نام ونشان بھی نہ ہو اس سے بھی تیمم جائز ہے اگر متیمم ایسے پتھر پر اپنا ہاتھ مار کر اپنے منہ اور ہاتھوں کا مسح کرے تو کافی ہے لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک صعید سے مراد صرف مٹی ہے پس ان کے نزدیک ایسے پتھر سے تیمم جائز نہیں ہے جس پر مٹی یا غبار نہ ہو امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ لفظ صعید صعود سے مشتق ہے جس کے معنی اوپر کو چڑھنے کے ہیں یہ اشتقاق اسبات کو متقضی ہے کہ تیمم ایسی چیز سے ہونا چاہیے جو بالطبع اوپر چڑھنے والی ہو یعنی مٹی یا غبار سے (۶) تیمم کی کیفیت میں فقہاء کا اختلاف ہے امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اور اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ تیمم میں دو ضربیں ہیں اول دفعہ ہاتھ مٹی پر مار کے منہ پر پھیرے اور دوسری دفعہ ہاتھ مار کر کہنیوں تک پھیرے اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ایک ہی دفعہ ہاتھ زمین پر مار کے منہ پر اور ہاتھوں پر پھیرے کہنیوں تک پھیرنا ضروری نہیں احادیث کثیرہ اور قیاس علی الوضوء پہلے ہی قول کی تاکید کرتی ہیں اور احتیاط بھی اسی میں ہے (۷) عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا نشہ کی حالت میں نماز مغرب میں بجائے لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ کے اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ پڑھ دینا جس سے معنی بالکل برعکس ہوگئے یہ اس امر کی دلیل ہے کہ نشہ کی حالت میں اگر زبان سے کوئی کلمۂ کفر اور شرک نکل جائے اور اس کو مطلق اس کی

خبر نہ ہو کہ میری زبان سے کیا نکلا ہے تو ایسا شخص عنداللہ کافر نہ ہوگا۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتٰبِ

تو نے نہ دیکھے جن کو ملا ہے کچھ ایک حصہ کتاب سے خرید

يَشْتَرُونَ الضَّلٰلَةَ وَيُرِيدُونَ أَنْ تَضِلُّوا السَّبِيلَ ﴿۴۴﴾

کرتے ہیں گمراہی اور چاہتے ہیں کہ تم بھی بھکو راہ سے

وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِأَعْدَائِكُمْ ۚ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۙ وَّكَفٰى

اور اللہ خوب جانتا ہے تمہارے دشمنوں کو اور اللہ بس ہے حمایتی اور اللہ

بِاللّٰهِ نَصِيرًا ﴿۴۵﴾ مِنَ الَّذِينَ هَادُوا يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ

بس ہے مددگار وہ جو یہودی ہیں بے ڈھب کرتے ہیں بات کو اس کے

عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُولُونَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ

ٹھکانا سے اور کہتے ہیں ہم نے سنا اور نہ مانا اور سن نہ سنایا

غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِأَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّينِ ۚ

جائیو اور راعنا موڑ دے کر اپنی زبان کو اور عیب دیکر دین میں

وَلَوْ أَنَّهُمْ قَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا

اور اگر وہ کہتے ہم نے سنا اور مانا اور سن اور ہم پر نظر کر تو

لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَقْوَمَ ۙ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ

بہتر ہوتا ان کے حق میں اور درست لیکن لعنت کی ان کو اللہ نے ان کے کفر سے

فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۴۶﴾

سو ایمان نہیں لاتے مگر کم

ذکر بعض قبائح یہود

قال تعالیٰ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ .... الیٰ .... فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝

(ربط) یہاں تک مواقع تقویٰ اور حدود اللہ سے ان تعدیوں کا بیان تھا جن کا تعلق مسلمانوں سے تھا اب آیندہ آیات میں اہل کتاب کی تعدی کو بیان فرماتے ہیں اور مسلمانوں کو متنبہ کرنے کے لیے یہود کی بعض قبائح اور ان کے مکر و فریب اور ان کی پرانی اور جبلی شرارتوں کا ذکر کرتے ہیں کہ یہود ہمیشہ اس کوشش میں رہتے ہیں کہ مسلمانوں کو دین سے پھیر دیں اور توریت میں تحریف کرتے ہیں اور دین اسلام پر طرح طرح کے طعن اور اعتراضات کرتے ہیں تاکہ لوگ شک میں پڑ جائیں اور جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں تو نہایت گستاخانہ اور تمسخر آمیز ہوتی ہے مال[1] و دولت کے نشہ نے اور تکبر اور غرور نے ان کو اندھا بنا رکھا ہے اور یہود کے ان شنائع اور قبائح کے بیان کرنے سے مقصود یہ ہے کہ مسلمان ان کے مکر و فریب پر مطلع ہو جائیں تاکہ ان سے علیحدہ رہیں چنانچہ فرماتے ہیں (اے نبیؐ) کیا آپ نے ان لوگوں کو دیکھا نہیں جن کو کتاب یعنی توریت کے علم سے بہرہ ور کیا گیا ہے اور اس کے علم سے ان کو ایک حصہ دیا گیا ہے یعنی کیا آپ کو ان کی گمراہی اور شرارت کا حال معلوم نہیں کہ وہ کیسے سخت گمراہ اور شریر ہیں کہ وہ لوگ ہدایت کو دیکر گمراہی خرید کر لاتے ہیں یعنی یہود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرکے ہدایت کے بدلے میں گمراہی خریدتے ہیں خود تو گمراہی کے خریدار بنے ہی اور مزید برآں چاہتے یہ ہیں کہ تم بھی سیدھے راستہ سے بھٹک جاؤ لہٰذا تم ان سے احتیاط رکھنا کیونکہ یہ تمہارے دشمن ہیں اور شاید تم کو ان کی دشمنی کا علم نہ ہو مگر اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے یعنی تمہیں ان کی عداوت کا حال معلوم نہیں مگر اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ ان کے سینے تمہاری عداوت سے لبریز ہیں اللہ تعالیٰ نے تم کو بتلا دیا ہے کہ تم ان کو اپنا دشمن سمجھو اور ان سے بچتے رہو اور ان کی باتوں میں نہ آؤ اور ان کی دشمنی کا حال سن کر پریشان بھی نہ ہو جانا کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارا کافی حمایتی ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارا کافی مددگار ہے یعنی ان کی عداوت تم کو نقصان نہیں پہنچا سکتی کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارا حامی ہے اس کی حمایت کے مقابلہ میں سارے عالم کی عداوت ہیچ

---

[1] چونکہ گزشتہ آیت لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى اور اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا میں تکبر اور فخر کی اور حالت نشہ میں نماز کی ممانعت تھی اس اعتبار سے بھی اس آیت کو گزشتہ آیت سے ربط ہو گیا۔

ہے اور اللہ تمہارا مددگار ہے اس کی نصرت اور حمایت پر بھروسہ رکھو اور ان سے بالکل نہ ڈرو اس کے بعد یہود کی چند عادتیں ذکر فرماتے ہیں تاکہ تم کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ وہ کونسی باتیں ہیں جن سے وہ گمراہی کو خریدتے ہیں اور خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور اوروں کو بھی گمراہ کرنا چاہتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ یہودیوں میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں کہ جو کتاب الٰہی یعنی توریت کے کلمات اور الفاظ کو ان کے موقع اور محل سے لفظاً یا معنیً پھیر دیتے اور ہٹا دیتے ہیں یعنی توریت میں جو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اوصاف مذکور ہیں کبھی تو ان الفاظ ہی کو بدل ڈالتے اور اصل الفاظ کو نکال کر ان کی جگہ دوسرے الفاظ رکھ دیتے ہیں مثلاً توریت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حلیہ کے بیان میں لفظ ربعہ لکھا ہوا تھا جس کے معنی میانہ قد کے ہیں انہوں نے اس لفظ کو نکال کر اس کی جگہ آدم طویل رکھ دیا اور اسی طرح لفظ رجم کی جگہ لفظ حدید رکھ دیا یہ تو لفظی تحریف ہوئی اور کبھی ایسا کرتے کہ توریت کی آیتوں کے معنی غلط کرتے اور تاویلات باطلہ سے سامعین کو شبہ ڈالتے غرض یہ کہ یہ لوگ لفظی اور معنوی ہر قسم کی تحریف کرتے کبھی الفاظ کی تفسیر غلط کرتے اور کبھی الفاظ ہی کو بدل ڈالتے اگر سمجھتے کہ لفظوں کے بدلنے کی ضرورت نہیں ہمارا کام تاویل باطل ہی سے چل جائے گا تو لفظوں کو نہ بدلتے فقط غلط معنی بیان کرنے پر اکتفاء کرتے جیسا کہ اہل بدعت کا طریقہ ہے کہ قرآن اور حدیث میں لفظی تحریف پر تو قادر نہیں اپنی من مانی تاویلیں کرتے ہیں اور اگر جانتے کہ آیت میں ایسے صریح الفاظ ہیں کہ اس میں ہماری کوئی تاویل نہیں چل سکتی اور مسلمانوں کو اس سے ہمارے خلاف سند اور حجت ملے گی تو اس کے لفظوں ہی کو بدل ڈالتے جیسا کہ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتَابَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ کی تفسیر میں مفصل گزرا قرآن مجید کی یہ آیت یہود کی تحریف لفظی کا صریح اور واضح ثبوت ہے جس میں تاویل کی کوئی گنجائش نہیں اور اگر دیکھتے کہ اس وقت نہ تحریف لفظی کا موقع ہے اور نہ تحریف معنوی کا تو اس کو چھپا لیتے جیسا کہ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ کی تفسیر میں گزرا

ف يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ میں کلمات اور الفاظ کو اپنے ٹھکانوں سے ہٹانے اور پھیرنے کا مطلب یہ ہے کہ جب انہوں نے ایک کلمہ کو اس کی جگہ سے نکال ڈالا تو گویا انہوں نے اس کلمہ کو اپنے اصلی ٹھکانہ سے ہٹا کر بے ٹھکانہ کر دیا اور اسی طرح جب انہوں نے اس کلمہ کی غلط تفسیر اور غلط تاویل کی تو گویا کہ انہوں نے اس کلمہ کو اس کے اصلی ٹھکانہ سے جو باعتبار معنی کے اس کے لیے متعین تھا ہٹا دیا تحریف کی اصل حقیقت ہی یہ ہے کہ حروف کو اپنی جگہ سے منحرف کر دیا جائے تحریف کا اصل تعلق حروف سے ہے اور معنی سے بواسطہ حروف کے ہے۔

ایک اطلاع توریت اور انجیل میں لفظی تحریف اور بے شمار تغیرات اور اختلافات کی تحقیق اگر درکار ہو تو اظہار الحق اور ازالۃ الاوہام اور ازالۃ الشکوک

ہر سہ مصنفہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ کیرانوی قدس سرہٗ کی مراجعت کریں یہود اور نصاریٰ کے جن اور انس بھی اگر جمع ہو جائیں تو انشاء اللہ ثم انشاء اللہ ہرگز ہرگز اس کے جواب پر قادر نہ ہوں گے۔

جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ توریت اور انجیل میں لفظی تحریف نہیں ہوئی صرف معنوی تحریف ہوئی ہے یہ خیال خام ہے جو بالکل غلط ہے اور جو آیات اور احادیث صریح تحریف لفظی پر شاہد ہیں یہ قول ان میں تحریف کے مرادف ہے اور اب تو تحریف اس درجہ بدیہی ہے کہ علماء یہود و نصاریٰ خود تحریف لفظی کے معترف اور مقر ہیں توریت و انجیل میں تحریف لفظی کے منکر مدعی سست اور گواہ چست کے مصداق ہیں جس شخص کا یہ گمان ہے کہ توریت و انجیل میں لفظی تحریف نہیں ہوئی تو وہ یہ بتلائے کہ توریت اور انجیل کے نسخوں میں جو ہزارہا اختلافات موجود ہیں وہ کہاں سے آئے اور قرآن کریم میں جو صراحۃً یہ آیا ہے کہ نبی اُمّی کا ذکر توریت و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں اور حسب ارشاد باری ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ صحابہ کرام کا ذکر بھی توریت اور انجیل میں موجود تھا پس توریت و انجیل میں تحریف لفظی کے منکر اگر ان آیات قرآنیہ پر ایمان رکھتے ہیں تو بتلائیں اور دکھلائیں کہ توریت و انجیل میں کس جگہ نبی اُمّی اور آپ کے صحابہ کا ذکر ہے اور پھر تاویل کریں کیونکہ تاویل تو موجود میں چلتی ہے نہ کہ معدوم میں الحمد للہ ثم الحمد للہ، ہم اہل اسلام ببانگ دہل کہتے ہیں کہ قرآنِ کریم کی شان تو بہت ہی بلند ہے موطاؔ اور بخاری اور مسلم اور ابو داؤد اور ترمذی وغیرہ کے نسخوں کو ملا لیجئے بحمدہٖ تعالیٰ مشرق اور مغرب اور شمال اور جنوب کے نسخوں میں بھی تفاوت نہ ملے گا اور یہود کی ایک عادتِ بد یہ ہے کہ جب آنحضرت کی محفل میں حاضر ہوتے ہیں اور آپؐ ان کو کوئی حکم سناتے ہیں تو یہود جواب میں یہ کہتے ہیں سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ہم نے آپ کے حکم کو سن لیا اور دل میں یا آہستہ سے یہ کہتے ہیں کہ ہم نے نہیں مانا یعنی ہم نے فقط کان سے سن لیا مگر دل سے نہیں مانا مطلب یہ ہے کہ یہ بات ہم کو منظور نہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یہ دونوں لفظ ظاہر میں کہتے تھے اور مقصود ان کا آنحضرتؐ کے ساتھ تمسخر تھا لیکن یہ قول ضعیف ہے اس لیے کہ اس میں ان کے نفاق کے کھل جانے کا غالب احتمال ہے اور اثناء گفتگو میں ایک لفظ یہ کہتے ہیں اِسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ سن تو۔ نہ سنایا جائیو اس لفظ کے دو معنی ہو سکتے ہیں اگر یہ معنی لیے جائیں کہ آپ ہماری بات سُنیئے اور خدا آپؐ کو کوئی بات بری اور خلاف مزاج نہ سنائے تو اس معنی کر یہ کلمہ دعا اور تعظیم کا ہے اور اگر اس کے یہ معنی لیے جائیں کہ آپ ہماری بات سنیئے اور خدا آپ کو نہ سنائے یعنی بہرا کر دے یا یہ معنی ہوں کہ تمہاری کوئی بات نہ سنی جائے یا یہ معنی ہوں کہ کوئی ایسی بات نہ سنو کہ جو تمہاری مرضی اور خوشی کے مطابق ہو تو اس معنی کر یہ کلمہ بددعا اور تحقیر کا ہے غرض یہ کہ شرارت سے پیچدار اور ذو معانی لفظ بولتے تھے کہ سننے والا اچھے معنی پر محمول کرے اور دل میں برے معنی مراد ہوں اور من جملہ ان کی شرارتوں

کے ایک شرارت یہ تھی کہ وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے وقت راعنا کہتے اس کے بھی دو معنی ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ آپ ہماری رعایت فرمائیے اور ہماری طرف توجہ اور التفات فرمائیے دوسرے معنی اس کے احمق اور مغرور کے ہیں رعونت سے مشتق ہے یا یہ کہ یہود کی زبان میں اس کے معنی احمق اور شیخی خورے کے ہیں ان کی زبان میں یہ کلمہ تحقیر کا ہے یا زبان کو دبا کر اور عین کو کھینچ کر راعینا کہتے ــــ جس کے معنی یہ ہو جاتے کہ اسے ہمارے چرواہے اور گڈریے۔ یہود کی یہ محض شرارت تھی کہ ذو معانی لفظ بولتے ظاہر یہ کرتے کہ ہم اس کا استعمال اچھے معنی میں کر رہے ہیں مگر ان کا مقصود محض تمسخر ہوتا حالانکہ وہ خوب جانتے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرام نے بھی بکریاں چرائی ہیں -

غرض یہ کہ یہود ان ذو معنیین الفاظ کو اپنی زبان میں مروڑ کر اور دین اسلام میں طعنہ کی نیت سے کہتے ہیں عموماً استہزاء کرنے والوں کا یہ طریقہ ہے کہ الفاظ کے ساتھ اپنی زبانوں کو اینٹھتے اور مروڑتے ہیں اور ایسے انداز سے بولتے ہیں کہ سننے والا الفاظ کو اچھے معنی پر محمول کرلے اور برے معنی کی طرف اس کا خیال بھی نہ جائے اور ان الفاظ سے یہود کا مقصود دین اسلام پر عیب لگانا اور طعنہ دینا تھا یہود اپنے دوستوں سے کہتے کہ ہم باتوں ہی باتوں میں محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو برا کہہ جاتے ہیں مگر وہ ہماری بات کو نہیں سمجھتا اگر یہ شخص نبی ہوتا تو ہماری بات کو سمجھتا اور ہمارا فریب ضرور معلوم کر لیتا ۔

سو اللہ تعالیٰ نے ان کے فریب کو خوب کھول دیا اور ان کے مکر کو سب پر واضح اور آشکارا کر دیا۔

اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تو ان کے لب و لہجہ ہی سے ان کے نفاق اور ان کے باطنی خُبث کو جان لیتے تھے کما قال تعالیٰ وَلَتَعۡرِفَنَّهُمۡ فِي لَحۡنِ ٱلۡقَوۡلِ مگر حتی الوسع اغماض اور مسامحت فرماتے تھے۔

اور اگر یہ لوگ بجائے ان ذی وجوہ اور ذو معنیین الفاظ کے یہ کلمات کہتے ــــ یعنی بجائے سَمِعۡنَا وَعَصَيۡنَا کے سَمِعۡنَا وَأَطَعۡنَا کہتے جس کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے آپ کے حکم کو گوش ہوش سے سنا اور دل وجان سے اس کو مانا اور بجائے ٱسۡمَعۡ غَيۡرَ مُسۡمَعٖ کے صرف اسمع کہتے جس کے معنی یہ ہیں کہ آپ ہماری بات سن لیجئے اور بجائے راعنا کے انظرنا کہتے جس کے معنی یہ ہیں کہ ہماری طرف نظر التفات فرمائیے تو ان کے حق میں بہتر ہوتا اور نہایت درست ہوتا یعنی یہ لوگ اگر بجائے ان پیچدار اور ذو معانی الفاظ کے یہ کلمات کہتے جو ہم نے تلقین کیے تو وہ ان کے حق میں مفید اور نافع ہوتا اور فی حد ذاتہ بات بھی سیدھی اور سچی تھی یعنی حق تھی جس میں کسی قسم کا اینچ پیچ نہ تھا و لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو کفر اور عناد کے باعث اپنی رحمت سے دور کر دیا اس لیے وہ مفید اور سیدھی بات کو بھی نہیں سمجھتے پس نہیں ایمان لاتے مگر تھوڑے سے آدمی جیسے

عبداللہ بن سلامؓ اور ان کے ساتھی کہ وہ ان خباثتوں اور شرارتوں سے مجتنب رہے اس لیے وہ اللہ کی لعنت سے محفوظ رہے اور مشرف با سلام ہوئے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَٰبَ ءَامِنُوا۟ بِمَا نَزَّلْنَا

اے کتاب والو! ایمان لاؤ اس پر جو ہم نے نازل کیا

مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُم مِّن قَبْلِ أَن نَّطْمِسَ وُجُوهًا

سچ بتاتا تمہارے پاس والے کو پہلے اس سے کہ ہم مٹا ڈالیں کتنے منہ

فَنَرُدَّهَا عَلَىٰٓ أَدْبَارِهَآ أَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ أَصْحَٰبَ

پھر الٹ دیں ان کو پیٹھ کی طرف یا ان کو لعنت کریں جیسے لعنت کی

ٱلسَّبْتِ ۚ وَكَانَ أَمْرُ ٱللَّهِ مَفْعُولًا ﴿٤٧﴾ إِنَّ ٱللَّهَ لَا

ہفتہ والوں کو اور اللہ نے جو حکم کیا سو ہوا تحقیق اللہ نہیں بخشتا

يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِۦ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ

ہے یہ کہ اس کا شریک پکڑے اور بخشتا ہے اس سے نیچے جس

لِمَن يَشَآءُ ۚ وَمَن يُشْرِكْ بِٱللَّهِ فَقَدِ ٱفْتَرَىٰٓ

کو چاہے اور جس نے شریک ٹھہرایا اللہ کا اس نے بڑا

إِثْمًا عَظِيمًا ﴿٤٨﴾

طوفان باندھا

اہلِ کتاب کو نصیحت اور ایمان کی دعوت

قال تعالیٰ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَٰبَ ءَامِنُوا۟ ... الی ... فَقَدِ ٱفْتَرَىٰٓ إِثْمًا عَظِيمًا ۝

(ربط) گزشتہ آیات میں حق تعالیٰ نے اہل کتاب کی باطنی خباثتوں اور ظاہری شرارتوں کو بیان فرمایا اب بمقتضائے رحمت عامہ و شفقت تامہ ان کو اسلام اور ایمان کی دعوت دیتے ہیں اور بطور نصیحت تحریف اور تکبر اور تمسخر کے برے انجام سے ڈراتے ہیں کہ قبل اس کے کہ ہم تمہارے چہروں کو مٹائیں اور اصحاب سبت کی طرح تم پر لعنت کریں تم کو چاہیے کہ ایمان لے آؤ تاکہ اس ذلت اور رسوائی سے محفوظ ہو جاؤ اور بطور الزام اور اتمام حجت یہ فرمایا کہ یہ قرآن۔ کتب سابقہ کی تصدیق کرتی ہے اس پر ایمان لانا کتب سابقہ پر ایمان لانا ہے اور اسکی تکذیب کتب سابقہ کی تکذیب ہے چنانچہ فرماتے ہیں اے اہل کتاب جن کو کتاب (توریت) دی گئی حسد اور عناد کو چھوڑو اور اس قرآن پر ایمان لاؤ جو ہم نے اتارا ہے اور حد اعجاز کو پہنچا ہوا ہے درانحالیکہ وہ اس کتاب (توریت کی تصدیق کرنے والا ہے جو تمہارے پاس ہے قرآن کی تصدیق توریت کی تصدیق ہے ایک روز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اثناء گفتگو میں عبداللہ بن صوریا اور کعب بن اسد اور دیگر علماء یہود سے یہ فرمایا۔

یا معشر یہود اتقوا اللہ واسلموا فو اللہ انکم لتعلمون ان الذی جئتکم بہ الحق	اے گروہ یہود خدا سے ڈرو اور اسلام قبول کرو قسم ہے خدا تعالیٰ کی تحقیق تم خوب جانتے ہو کہ میں تمہارے پاس جو دین لے کر آیا ہوں وہ بالکل حق ہے

⁂ ⁂ ⁂

انہوں نے جواب دیا کہ ہم نہیں جانتے اور دیدہ و دانستہ حق کا انکار کیا اور کفر پر اصرار کیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی (تفسیر قرطبی ص ۲۴۴ ج ۵)

مطلب یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی دعوت اور بشارت کی توریت سے تصدیق ہوتی ہے تو پھر تم کو ان پر ایمان لانے میں کیا عذر ہے تم کو چاہیے کہ توریت میں تحریف نہ کرو اور اس سے قبل ایمان لے آؤ کہ ہم تمہارے چہروں کی صورت اور ہیئت کو مٹا کر پشتوں کی طرف پھیر دیں یعنی تمہارے چہروں کی ناک اور کان اور آنکھ سب مٹا کر گدیوں کی طرح سطح واحد بنا دیں اور تمہارے چہرے تمہاری گدیوں کے ہم شکل ہو جائیں مطلب یہ ہے کہ چہروں پر آنکھوں اور ناک اور بھوؤں کا کچھ نشان باقی نہ رہے اور اس طرح چہرے گدیوں کے ہم شکل ہو جائیں اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ان کی صورتوں کے نشانات اور اثرات کو سامنے سے ہٹا کر گدیوں کی طرف لگا دیں اور ان کی گدیوں کو منہ کی طرف پھیر دیں مقصود اس سے ان کی اہانت اور تذلیل ہوگی یہ ان کی تحریف کی اور کتاب الٰہی میں تغیر و تبدل کی سزا ہوگی یا اس سے بھی بڑھ کر ان کے ساتھ معاملہ کریں وہ یہ کہ ہم ان پر لعنت کریں جیسا کہ ہم نے ہفتہ کی بے حرمتی کرنے والوں پر لعنت کی تھی یعنی جس طرح ہم نے ان یہودیوں کے اسلاف کو اپنی رحمت سے دور کر دیا تھا اسی طرح ان کو بھی اپنی رحمت سے دور کر دیں مفصل قصہ انشاء اللہ تعالیٰ سورۃ اعراف میں آئے گا یہ تشبیہ صرف لعنت میں ہے کیفیت لعنت میں

نہیں ہے مطلب صرف اس قدر ہے کہ جس طرح وہ ملعون ہوئے تھے یہ بھی ملعون ہو جائیں یہ مطلب نہیں کہ جس طرح وہ بندر اور سور ہوئے تھے یہ بھی بندر اور سور بن جائیں کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے یہ امت مسخ کے عذاب سے محفوظ کر دی گئی اور اس کو بعید نہ سمجھو، اللہ کا حکم اور اللہ کا کام تو ہو کر ہی رہتا ہے اللہ پر یہود کے چہروں کا مٹانا اور ان پر لعنت کرنا کچھ دشوار نہیں پس تم کو چاہیے کہ چہروں کو مٹا کر گدّیوں پر لگائے جانے سے پہلے اور لعنت سے پہلے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آؤ اللہ تعالیٰ کے حکم اور ارادہ کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔

جاننا چاہیئے کہ آیت کا مطلب یہ نہیں کہ نہ ایمان لانے کی صورت میں ان امور کا وقوع ضروری ہے بلکہ یہ بتلانا ہے کہ اگر تم ایمان نہ لائے تو ممکن ہے کہ پہلی امتوں کی طرح تم کو بھی یہ سزائیں اور ذلتیں دیکھنا پڑیں کیونکہ اس قسم کی سزاؤں کا واقع ہونا ناممکن اور محال تو نہیں خدا تعالیٰ جب چاہے کر سکتا ہے لہٰذا تم کو ڈرنا چاہیئے اور اس سے پہلے ہی تم کو ایمان لے آنا چاہیے

چنانچہ بہت سے اہل کتاب جن کے دل میں خوف خدا تھا وہ اس آیت کو سنتے ہی مشرف باسلام ہو گئے عبد اللہ بن سلامؓ وغیرہ تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی میں مسلمان ہو چکے تھے کعب احبارؓ فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں اسی آیت کو سن کر اسلام لائے کعب احبار کہیں جا رہے تھے کہ راستہ میں ایک شخص کو یہ آیت پڑھتے سنا سنتے ہی دل پر اس قدر خوف ہوا کہ چہرے پر ہاتھ پھیر کر دیکھا کہ میری صورت تو مسخ نہیں ہو گئی اور اسی جگہ اور اسی وقت اسلام لے آئے (تفسیر قرطبی ص ۲۴۴ ج ۵)

عدم مغفرت شرک و کفر

گزشتہ آیت میں ایمان نہ لانے پر وعید اور تہدید تھی اب آئندہ آیت میں یہ بتلاتے ہیں کہ یہود اور نصاریٰ یہ خیال نہ کریں کہ کفر اور شرک بھی دوسرے گناہوں کی طرح ایک گناہ ہے جس کی معافی اور مغفرت ہو سکتی ہے جیسا کہ یہود کا زعم تھا کہ سَيُغْفَرُ لَنَا کہ ہم جو گناہ کریں گے وہ معاف ہو جائے گا بلکہ کفر اور شرک کے متعلق قانونِ خداوندی یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ بلا توبہ کے نہیں بخشتا کفر اور شرک کے جرم کو اس کے ساتھ کسی کو شریک گردانا جائے جیسا کہ تم لوگ عزیر اور عیسیٰ کو خدا اور خدا کا بیٹا کہہ کر خدا کا شریک گردانتے ہو اور کفر اور شرک سے کمتر اور نیچے کے درجہ کے گناہوں کو خواہ وہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ بلا توبہ کے بھی معاف کر دیتا ہے مگر سب کے لیے نہیں بلکہ جس کے لیے وہ معاف کرنا چاہے اس کے لیے معاف کر دیتا ہے۔ بلا توبہ کی قید

اس لیے لگائی کہ توبہ سے تو سو سال کا کفر اور شرک بھی ایک منٹ میں معاف ہو جاتا ہے مقصود بلا توبہ کے مغفرت کا مسئلہ بتلانا ہے کہ کفر اور شرک بلا توبہ کے قابل مغفرت نہیں ان کی سزا دائمی عذاب ہے البتہ کفر اور شرک سے نیچے درجہ کے جو گناہ ہیں صغیرہ ہوں یا کبیرہ وہ سب بلا توبہ کے قابل مغفرت ہیں اللہ تعالیٰ جس کی چاہے مغفرت کر دے اور جس کو چاہے وہ عذاب دے اشارہ اس طرف ہے کہ یہود اور نصاریٰ شرک میں مبتلا ہیں وہ مغفرت کی توقع نہ رکھیں اور جو شخص اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائے اس نے بڑا ہی طوفان باندھا جو قطعاً قابل مغفرت نہیں خدا تعالیٰ پر افتراء ایسا جرم عظیم ہے کہ وہ کسی طرح قابل معافی نہیں اس لیے کہ اس سے بڑھ کر اور کیا گناہ ہو سکتا ہے کہ مخلوق کو خالق کے برابر ٹھہرائے۔

لطائف و معارف

(۱) کتاب اور سنّت اور اجماع امت سے یہ امر قطعاً ثابت ہے کہ کفر اور شرک یعنی کافر اور مشرک دونوں ہی قابل مغفرت نہیں مگر اس جگہ آیت میں شرک کا ذکر ہے کفر کا ذکر نہیں اور بعض کافر ایسے بھی ہیں جو مشرک نہیں بلکہ موحد ہیں مگر اسلام کے قائل نہیں اس شبہ کے چند جواب ہیں۔

جواب اول ایک جواب یہ ہے کہ اس آیت میں صرف شرک کا ذکر ہے اور دوسری آیات میں صرف کفر کا ذکر ہے اور بعض آیات میں دونوں کا ذکر ہے اور یہ ضروری نہیں کہ ہر آیت میں مَعًا دونوں کا ذکر ہو پس مجموعہ آیات سے کفر اور شرک دونوں ہی کا غیر مغفور اور ناقابل مغفرت ہونا ثابت ہو گیا حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ اس آیت میں کافرین اہل کتاب اور مشرکین دونوں ہی کے لیے خلود فی جہنم کا ذکر فرمایا جس سے معلوم ہو گیا کہ مشرکین کی طرح کافر کی مغفرت بھی نہیں ہو سکتی

اور دوسری جگہ ارشاد ہے فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ الیٰ۔۔ قولہ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا اور ایک جگہ ارشاد ہے اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ان آیات میں کافروں کے عذاب کا دائمی ہونا اور انکی عدم مغفرت کا ذکر ہے۔

وقال تعالیٰ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا اس آیت میں کافروں اور ظالموں یعنی مشرکوں دونوں

ہی کے متعلق فرما دیا کہ ان کی مغفرت نہیں ہو سکتی، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دوزخ میں رہیں گے۔

دوسرا جواب

آیت میں شرک سے مطلق کفر مراد ہے جیسا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے (روح المعانی ص۶۲ ج ۵) شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ بھی ترجمۂ مشکوٰۃ میں یہی فرماتے ہیں کہ شرک سے مطلق کفر مراد ہے خواہ وہ کسی قسم کا ہو اور علامہ خیالی حاشیۂ شرح عقائد میں فرماتے ہیں۔

وقوله تعالیٰ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ ای یکفر به وانما عبر عن الکفر بالشرك لان کفار العرب کانوا مشرکین۔ انتهی

اللہ تعالیٰ کا یہ قول اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ اس میں شرک سے مطلق کفر مراد ہے اور کفر کو شرک کے ساتھ اس لیے تعبیر کیا ہے کہ کفار عرب مشرک ہی تھے۔

تیسرا جواب

(۱) کہ مشرک اس کو کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کو تو مانتا ہو مگر اس کے ساتھ کسی کو شریک گردانتا ہو پس جب اس کی مغفرت نہیں تو جو سرے ہی سے خدا کا کافر اور منکر ہو اس کی تو بدرجۂ اولیٰ مغفرت نہیں ہو گی۔

(۲) کفر اور شرک کے ناقابل مغفرت ہونے کی وجہ یہ ہے کہ کفر اور شرک اسلام کی نقیض ہے اور بغیر اسلام کے مغفرت اور نجات ممکن نہیں پس اگر کفر اور شرک بھی قابل مغفرت ہو جائیں تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اسلام کے بغیر بھی نجات اور مغفرت ممکن ہے۔

نیز تمام انبیاء کرام کفر و شرک کا دروازہ بند کرنے کے لیے مبعوث ہوئے اور کفار و مشرکین سے جہاد و قتال کیا پس اگر کفر اور شرک کی بھی مغفرت ممکن ہو تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ایمان لانا ضروری نہیں اور انبیاء کرام کی بعثت اور ایمان اور اسلام کی دعوت اور اہل کفر اور اہل شرک سے جہاد و قتال سب عبث تھا معاذ اللہ کفر اور شرک کی مغفرت کا دروازہ اب بھی کھلا ہوا ہے

نیز بے شمار آیات و احادیث سے یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم قطعی دیا ہے کہ کافروں اور مشرکوں کا عذاب دائمی ہو گا کبھی عذاب سے رہا نہ ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے حکم قطعی میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا پس جب یہ معلوم ہو گیا کہ کافر کا عذاب دائمی ہے تو صاف طور پر معلوم ہو گیا کہ اس کی مغفرت ممکن نہیں۔

امام ربانی مجدد الف ثانی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ کفر اور شرک کا عذاب دائمی اور ابدی ہے جو کبھی ختم نہ ہو گا جیسا کہ نصوص قطعیہ اور مؤکدہ اس پر دلالت کرتی ہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ کفر اور کافروں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عداوت ذاتیہ ثابت ہو چکی ہے تو ناچار رحمت و رأفت جو صفات جمال میں سے ہے اس سے آخرت میں کافروں کو کوئی حصہ نہیں ملے گا اور صفت رحمت

حق تعالیٰ کی عداوت ذاتی کو دور نہ کرے گی کیونکہ جو چیز ذات سے تعلق رکھتی ہے وہ بہ نسبت اس چیز کے جو صفت سے تعلق رکھتی ہے کہیں زیادہ اقویٰ اور ارفع ہوتی ہے پس مقتضائے ذات کو نہیں بدل سکتا اور یہ جو حدیث قدسی میں ہے کہ سبقت رحمتی علی غضبی۔ (میری رحمت میرے غضب پر بڑھی ہوئی ہے) سو اس غضب سے غضب صفاتی سمجھنا چاہیے جو کہ گنہ گاروں کے ساتھ مخصوص ہے نہ کہ غضب ذاتی جو مشرکوں کے ساتھ مخصوص ہے اور حق تعالیٰ شانہٗ کا یہ ارشاد وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے سو جاننا چاہیے کہ مؤمنوں اور کافروں کے حق میں رحمت کا وسیع ہونا صرف دنیا ہی میں مخصوص ہے اور آخرت میں تو کافروں کو رحمت کی بو بھی نہ پہنچے گی جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ اللہ کی رحمت سے سوائے کافروں کے کوئی نا امید نہ ہوگا۔

سوال اگر یہ کہا جائے کہ جب کافروں کو دنیا میں خدا کی رحمت سے نصیب اور حصہ ہے تو پھر دنیا میں صفت رحمت نے حق تعالیٰ کی ذاتی عداوت کو کیسے دور کر دیا۔

جواب کافروں کو دنیا میں جو رحمت سے حصہ ملا ہے وہ فقط ظاہر اور صورت کے اعتبار سے ہے اور درحقیقت ان کے حق میں وہ استدراج اور مکر ہے جیسا کہ آیت کریمہ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ اور آیت کریمہ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ وَاُمْلِيْ لَهُمْ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ انہی معنی پر شاہد ہیں فافهم ذلك واستقم (مکتوب ۲۶ از دفتر اوّل)

(۳) یہ آیت اس امر کی صریح دلیل ہے کہ اگر گناہ کبیرہ کا مرتکب بغیر توبہ کے مر جائے تو وہ اللہ کی مشیت میں ہے وہ اگر چاہے تو اپنے فضل و کرم اور جود و احسان سے اس کو معاف کر کے جنت میں داخل کرے اور چاہے اس کو عذاب دوزخ میں مبتلا کرے پس یہ آیت معتزلہ اور قدریہ پر حجت قاطعہ ہے جو یہ کہتے ہیں کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب کبھی نہیں بخشا جائے گا اور یہ کہتے ہیں کہ گناہوں کی معافی کا وعدہ بشرط توبہ ہے مگر معتزلہ کا یہ قول بالکل غلط بلکہ ایک مضحکہ خیز امر ہے اس لیے کہ حق تعالیٰ نے اس آیت میں یہ وعدہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک کو تو بخشے گا نہیں اور شرک سے کم درجے کے جتنے گناہ ہیں اُن کو اگر چاہے گا تو بخشدے گا اور ظاہر ہے کہ توبہ کے ساتھ یہ وعدہ صحیح نہیں ہو سکتا اس لیے کہ توبہ سے تو بالاتفاق شرک بھی معاف ہو جاتا ہے اور کبیرہ کا تو توبہ سے معاف ہونا اور بھی یقینی ہے لہٰذا اس کی نسبت یہ کہنا کیسے صحیح ہوگا کہ اگر خدا چاہے گا بخش دے گا غرض یہ کہ یہ آیت اس امر پر نص قاطع ہے کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا اور بے شمار احادیث اور اقوال صحابہ سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

غرض یہ کہ اہل سنت کے نزدیک گناہ کبیرہ بلا توبہ کے اللہ کی رحمت سے معاف ہو سکتا ہے اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے لاتعد ولاتحصیٰ کبائر معاف ہوں گے۔

(۴) مَا دُوْنَ ذٰلِكَ کا بہتر ترجمہ یہ ہے کہ جو گناہ شرک سے کمتر اور نیچے کے درجہ میں ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے زید دون عمرو زید عمرو سے کم تر اور فروتر ہے دون کے معنی کمتر اور فروتر کے ہیں ہر گناہ شرک سے کمتر ہے اور ہر کفر شرک کے یا تو برابر ہے یا اس سے بالا اور برتر ہے۔

(۵) اس آیت کی تفسیر میں معتزلہ کو سخت مشکل پیش آئی ہے کیونکہ معتزلہ کے نزدیک گناہ کبیرہ بھی شرک کی طرح بلا توبہ معاف نہیں ہو سکتا اور علامہ زمخشری نے بڑی دور دراز تاویلیں کی ہیں مگر بنتی اور چلتی نہیں

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ

تو نے نہ دیکھے وہ جو آپ کو پاکیزہ کہتے ہیں بلکہ اللہ ہی پاکیزہ کرتا ہے

مَنْ يَّشَآءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۴۹﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ

جس کو چاہے اور ان پر ظلم نہ ہو گا تاگے برابر دیکھ کیسا باندھتے

يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَكَفٰى بِهٖۤ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۰﴾ ع

ہیں اللہ پر جھوٹ اور یہی کفایت ہے گناہ صریح۔

ع ۸ ۴ ۷

یہود کے دعوائے تقدُّس کی تردید

قال تعالیٰ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ .... الیٰ .... وَكَفٰى بِهٖۤ اِثْمًا مُّبِيْنًا ٥

(ربط) گزشتہ آیات میں یہود کا حال بیان کیا کہ وہ کفر اور شرک کی نجاستوں میں ملوث اور آلودہ ہیں اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ یہود باوجود ان خرابیوں کے اپنے آپ کو پاک اور مقدس کہتے ہیں کبھی یہ کہتے ہیں نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ یعنی ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں اور کبھی یہ کہتے ہیں لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا یعنی جنت میں سوائے یہود کے کوئی اور داخل نہ ہوگا اور کبھی یہ کہتے ہیں لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً یعنی سوائے چند روز کے دوزخ کی آگ ہم کو چھوئے گی نہیں ہمارے باپ دادا نبی تھے ان کی سفارش سے ہم رہا ہو جائیں گے اور کبھی یہ کہتے ہیں

کہ ہم تو معصوم بچوں کی طرح بے گناہ ہیں ان کے اس فخر و مباہات کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی چنانچہ فرماتے ہیں کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نظر نہیں کی جو باوجود گو سالہ پرستی کے اور باوجود حضرت عزیرؑ کو ابن اللہ کہنے کے اپنے آپ کو کفر اور شرک سے پاک اور مقدس بتاتے ہیں حالانکہ کفر اور شرک کی نجاست میں ملوث ہیں خود بخود پاکی اور تقدس کے دعوے سے کچھ نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ ہی جس کو چاہتا ہے پاک کرتا ہے جس کو حق تعالیٰ نے ایمان اور تقویٰ اور عمل صالح کی دولت سے نوازا وہ پاک ہوا۔ جزاء و سزا اعمال کے مطابق ہوگی اور قیامت کے دن تاگے کے برابر بھی ان پر ظلم نہ ہوگا دیکھیے تو سہی کس طرح اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں کہ باوجود کفر اور شرک کے اپنے کو پاک بتلاتے ہیں اور باوجود مغضوب اور معتوب ہونے کے اپنے کو محبوب خداوندی کہتے ہیں اور باوجود بدکار ہونے کے اپنے کو معصوم کہتے ہیں اور یہی بات یعنی دیدہ و دانستہ خدا پر جھوٹ بولنا صریح گناہ اور صریح جرم ہونے کے لیے کافی ہے بالفرض اگر کوئی بھی گناہ نہ ہو تو خدا تعالیٰ پر جھوٹ باندھنا کھلا گناہ ہونے کے لیے کافی ہے۔

فائدہ معلوم ہوا کہ اپنے کو پاک باز کہنا اور تقدس کا دعویٰ کرنا صریح گناہ ہے۔

اگر مردی از مردیِ خود مگوی ✿ نہ ہر شہسوارے بدر برد گوئے
گنہ گار اندیشہ ناک از خدا ✿ بسے بہتر از عابد خود نما
اگر مشک خالص نداری مگو ✿ وگر ہست خود فاش گردد بوی

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ

تو نے نہ دیکھے جن کو ملا ہے کچھ حصہ کتاب کا مانتے ہیں

بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا هَٰؤُلَاءِ

بتوں کو اور شیطان کو اور کہتے ہیں کافروں کو یہ زیادہ پائے

أَهْدَىٰ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلًا ﴿٥١﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ

راہ مسلمانوں سے وہی ہیں جن کو

لَعَنَهُمُ اللَّهُ ۖ وَمَن يَلْعَنِ اللَّهُ فَلَن تَجِدَ لَهُ نَصِيرًا ﴿٥٢﴾

لعنت کی اللہ نے اور جس کو لعنت کرے اللہ پھر تو نہ پاوے کوئی اس کا مددگار

مذمت یہود بر عداوت اسلام وحسد بر مسلمین

قال تعالیٰ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا ... الٰے ..... فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ۝

(ربط) اوپر کی آیت میں یہود کی شرارت اور خباثت کا بیان تھا اب اس آیت میں یہود کی ایک اور قباحت اور خباثت کا بیان ہے وہ یہ کہ یہود کو اسلام سے اس درجہ عداوت ہے کہ مشرکین کو موحدین پر ترجیح دیتے ہیں یہودیوں کو جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے عداوت بڑھی تو یہود خیبر کے علماء اور رؤساء کا ایک وفد جو ستر آدمیوں پر مشتمل تھا اس غرض سے مکہ آیا کہ قریش کے ساتھ آپؐ سے مقابلہ اور مقاتلہ کرنے کے لئے عہد کرلے اور قریش نے وفد یہود کی بہت خاطر تواضع کی اور قریش نے یہ اطمینان دلایا کہ ہم تا حد امکان تمہارے ساتھ ہوکر محمدؐ کے ساتھ لڑنے میں دریغ نہ کریں گے مگر ہم تو ان پڑھ ہیں ہم کو کچھ علم نہیں اور تم علم والے لوگ ہو یہ بتلاؤ کہ ہمارا دین بہتر ہے یا پیروان محمد کا کعب بن اشرف نے کہا کہ تم مجھے اپنا دین بتلاؤ کہ وہ کیا ہے ابوسفیان نے کہا کہ ہم حاجیوں کی خدمت کرتے ہیں اور مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں اور قیدیوں کو چھڑاتے ہیں اور خانہ خدا کو آباد رکھتے ہیں اور اس کا طواف کرتے ہیں اور ہم حرم کے رہنے والے ہیں اور محمدؐ نے اپنے بزرگوں کا دین چھوڑ دیا اور رشتوں کو توڑ ڈالا اور حرم سے جدا ہوگیا اور ہمارا دین قدیم ہے پہلے سے چلا آرہا ہے اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا دین نیا ہے کعب نے کہا بخدا تم بہ نسبت محمدؐ کے زیادہ ہدایت اور راہ راست پر ہو اور تمہارا دین اس کے دین سے بہتر ہے اور یہود نے قریش کی خاطر سے بتوں کو سجدہ کیا اور ان کی تعظیم کی اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نظر نہیں کی جن کو کتاب (توراۃ) کے علم سے ایک حصہ دیا گیا ہے باوجود اس کے وہ بتوں اور معبود باطل پر ایمان لاتے ہیں اور شیطان کو مانتے ہیں اور یہ امر کس قدر تعجب خیز ہے کہ وہ مسلمانوں کی عداوت میں کفار مکہ اور مشرکین کی نسبت یہ کہتے ہیں کہ یہ مشرکین مکہ مسلمانوں سے زیادہ راہ ہدایت پر ہیں جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ شرک توحید سے بہتر ہے حالانکہ جس کتاب (توریت) پر یہ ایمان رکھتے ہیں وہ توحید کی تعلیم اور بت پرستی کی مذمت سے بھری پڑی ہے یہی ہیں وہ لوگ جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے یعنی جن لوگوں نے مشرکین کو موحدین پر ترجیح دی اور طریقۂ کفر وشرک کو طریقۂ اسلام سے افضل بتلایا ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اور جس پر اللہ لعنت کرے تو (اے نبی) آپ اس کا کوئی حامی اور مددگار نہ پائیں گے جو اس کو دنیا اور آخرت کی ذلت اور رسوائی سے بچا سکے چنانچہ یہود مسلمانوں کے ہاتھ سے ذلیل اور خوار ہوئے کوئی قید ہوا اور کوئی قتل اور قریش

کی کوئی مدد ان کے کام نہ آئی اس آیت میں اسلام کے غلبہ اور یہود کے مغلوب ہونے کی بشارت ہے

ف جبت بتوں کو کہتے ہیں اور طاغوت شیاطین کو اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ طاغوت ہر سرکش کو کہتے ہیں اس جگہ طاغوت سے کعب بن اشرف یہودی مراد ہے جو شیطان تھا صورت میں انسان کے اور بعض کا قول یہ ہے کہ ہر معبود باطل کو طاغوت کہتے ہیں واللہ اعلم .

أَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَإِذًا لَّا يُؤْتُونَ

یا ان کا کچھ حصہ ہے سلطنت میں پھر تو یہ نہ دیں گے

النَّاسَ نَقِيرًا ﴿٥٣﴾ أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ

لوگوں کو ایک تل برابر یا حسد کرتے ہیں لوگوں کا

عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ ۖ فَقَدْ

اس پر جو دیا ان کو اللہ نے اپنے فضل سے سو ہم نے

آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُم

دی ہے ابراہیم کے گھر میں کتاب اور علم اور ان کو دی ہم

مُّلْكًا عَظِيمًا ﴿٥٤﴾ فَمِنْهُم مَّنْ آمَنَ بِهِ وَمِنْهُم مَّن

نے بڑی سلطنت پھر ان میں کسی نے اس کو مانا اور کوئی اس سے

صَدَّ عَنْهُ ۚ وَكَفَىٰ بِجَهَنَّمَ سَعِيرًا ﴿٥٥﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا

اٹک رہا اور دوزخ بس ہے جلتی آگ جو لوگ منکر ہوئے ہماری

بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَارًا كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُم

آیتوں سے ان کو ہم ڈالیں گے آگ میں جس وقت پک جاوے گی کھال ان کی

بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ ۗ إِنَّ اللَّهَ

بدل کر دیں گے ان کو اور کھال کہ چکھتے رہیں عذاب اللہ ہے زبردست

كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿٥٦﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

حکمت والا اور جو لوگ یقین لائے اور کیں نیکیاں

سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

ان کو ہم داخل کریں گے باغوں میں جن کے نیچے بہتی نہریں

خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ لَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ ۖ

رہ پڑے وہاں ہمیشہ ان کو وہاں عورتیں ہیں ستھری

وَنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيلًا ﴿٥٧﴾

اور ان کو ہم داخل کریں گے گھنی چھاؤں میں

مذمتِ یہود بر بخل وحسد

قال تعالیٰ أَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِنَ الْمُلْكِ .... الیٰ ..... وَنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيلًا ۝

(ربط) یہ آیت بھی یہود کے حق میں ہے گزشتہ آیات میں یہود کے معائب بیان ہوئے کہ وہ باوجود کفر و شرک میں ملوث ہونے کے اپنے آپ کو پاک اور مقدس بتلاتے ہیں اور خدا تعالیٰ پر افترا کرتے ہیں اور مشرکین کو موحدین پر ترجیح دیتے ہیں اب ان آیات میں یہود کے بخل اور حسد کو بیان فرماتے ہیں کہ یہ لوگ غایت درجہ بخیل اور حاسد ہیں محض حسد کی وجہ سے سیدنا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لاتے کہ نبی آخر الزمان بنی اسمٰعیل میں سے کیوں ہوئے بنی اسرائیل میں سے کیوں نہ ہوئے نیز یہود کا یہ دعوے اور زعم تھا کہ اخیر زمانہ میں یہود کی سلطنت ہوگی اور یہ کہتے تھے کہ آخر حکومت اور بادشاہت ہمیں کو پہنچ کر رہے گی برائے چندے اگر اوروں کو مل جائے تو مضایقہ نہیں ۔

حق تعالیٰ نے اس آیت میں ان کی تکذیب کی اور ان کے دعوے کو جھوٹا قرار دیا چنانچہ فرماتے ہیں کیا ان کے لیے ان کی آرزو کے مطابق سلطنت اور بادشاہی میں سے کوئی حصہ ہے ہرگز نہیں یہ استفہام انکاری ہے مطلب یہ ہے کہ ان کے پاس سلطنت کا کوئی حصہ نہیں پھر ان کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اتباع سے کیوں عار آتی ہے ان لوگوں پر ظلم اور طغیان

اور عصیان اور عدوان کی وجہ سے ذلت اور مسکنت کی مہر لگ چکی ہے پس اگر ان لوگوں کو سلطنت مل جائے تو یہ لوگ اس درجہ بخیل ہیں کہ لوگوں کو تل برابر بھی کوئی چیز نہ دیں اور سلطنت کے منافع کو اپنے لیے مخصوص کر لیں اور جو لوگ اس درجہ بخیل ہوں کہ سلطنت ملنے کے بعد لوگوں کو ایک تل دینا بھی گوارا نہ کریں وہ سلطنت کے حق دار اور اہل نہیں یہ اُن کے بخل کا بیان تھا اب آئندہ آیت میں ان کے حسد کو بیان کرتے ہیں کیا یہ یہود عرب کے لوگوں یعنی بنی اسماعیل کی اس نعمت پر حسد کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے دی ہے لوگوں سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب مراد ہیں اور نعمت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے منصب نبوت سے سرفراز فرمایا اور نبوت کے ساتھ حکومت اور بادشاہت بھی دی حسد اس پر ہے کہ نبوت اور بادشاہت تو حصہ بنی اسرائیل کا تھا۔ دین و دنیا کی نعمت بنی اسمٰعیل کو کیسے مل گئی۔

حق تعالیٰ شانہٗ ان کے جواب میں فرماتے ہیں پس تحقیق دی ہے ہم نے اولاد ابراہیم کو کتاب اور حکمت اور ہم نے ان کو بڑی بھاری سلطنت اور بادشاہت بھی دی ہے جیسے حضرت یوسف اور حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہم السّلام کو نبوت کے ساتھ بادشاہت بھی عطا کی جو حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں سے تھے اسی طرح سیدنا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بھی تو حضرت ابراہیمؑ کی اولاد سے ہیں پھر آنحضرت کی نبوت اور ریاست پر کیوں حسد کرتے ہیں حق تعالیٰ شانہٗ نے پہلے حضرت ابراہیمؑ کے ایک خاندان (بنی اسرائیل) کو نبوت و بادشاہت سے سرفراز کیا اب دوسرے خاندان یعنی بنی اسمٰعیل کو نبوت و بادشاہت عطاء کی تو حسد اور تعجب کی کیا بات ہے یہود بے بہبود کا خیال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت بنی اسرائیل کے علاوہ اور کسی خاندان کو نہیں ملے گا پس ان حاسدین میں سے کوئی تو آپ پر ایمان لایا جیسے عبداللہ بن سلامؓ اور ان کے رفقاء اور کوئی ایمان لانے سے باز رہا جیسے کعب بن اشرف وغیرہ اور ان کی سزا کیلئے دوزخ کی دھکتی ہوئی آگ کافی ہے اور بعض علماء نے بہٖ کی ضمیر انبیاء سابقین کی طرف راجع کی ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اولاد ابراہیم میں سے جن نبیوں کو ہم نے کتاب و حکمت دی تھی ان پر بعض یہود تو ایمان لائے اور بعض نے ان کو بھی نہ مانا پس اے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اگر یہ لوگ آپ کی نبوت کو بھی نہ مانیں تو کوئی تعجب نہیں ان کی جو روش پہلے تھی وہی اب بھی ہے ایسے ہٹ دھرموں کی سزا کے لیے دوزخ کافی ہے یہ آیت تو یہود کے حق میں تھی اب آئندہ آیت میں عام مؤمنین اور عام کفار کی جزاء و سزا کا بطور قاعدۂ کلیہ ذکر ہے جس میں یہود بھی داخل ہیں تحقیق جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو نہیں مانا ہم ضرور ان کو آگ میں ڈالیں گے جب کبھی (آگ) سے ان کی کھالیں جل جایا کریں گی تو ہم فوراً پہلی کھالوں کے سوا دوسری نئی کھالیں بدل دیا کریں گے تاکہ اچھی طرح عذاب کا مزہ چکھتے رہیں اور ہر لحظہ اور ہر ساعت عذاب کا الم محسوس

کرتے رہیں تازہ کھال کو جس قدر الم محسوس ہوتا ہے جلی ہوئی کھال کو اتنا محسوس نہیں ہوتا بیشک اللہ زبردست حکمت والا ہے وہ سب پر غالب ہے کوئی اس کو عذاب دینے سے روک نہیں سکتا اور حکمت والا ہے اس کا عذاب عین حکمت اور مصلحت ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے ان کو ہم ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے درختوں اور مکانوں کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے یعنی ان باغوں میں ہمیشہ زندہ رہیں گے اور کبھی وہاں سے نکالے نہ جائیں گے ان کے لیے ان باغوں میں پاک وصاف بیویاں ہوں گی اور ہم ان کو بڑے گنجان سایہ کی جگہ میں بھی داخل کریں گے یعنی جنت میں نہ گرمی ہو گی اور نہ سردی بلکہ ایسا آرام ملے گا جیسا سایہ میں بیٹھ کر ملتا ہے ملک عرب چونکہ نہایت گرم ہے اس لیے وہاں کے لوگ سایہ کو غایت درجہ کی راحت جانتے تھے اس مقام پر لوگ یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ جب جنت میں سورج نہیں تو سایہ کیسا کما قال تعالیٰ لَا یَرَوْنَ فِیْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِیْرًا

جواب یہ ہے کہ روشنی اور دھوپ کے لیے خاص آفتاب کا وجود ضروری نہیں اللہ تعالیٰ جس طرح چاہے نور اور تیز روشنی پیدا کر دے اُخروی نعمتوں کو دنیاوی نعمتوں پر قیاس نہ کرنا چاہیے جس طرح وہ آخرت میں دودھ اور شہد بلا اسباب ظاہرہ کے محض اپنی قدرت سے پیدا فرمائے گا اسی طرح وہ جنت میں روشنی اور سایہ بھی اپنی قدرت سے پیدا فرما دے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ

اللہ تم کو فرماتا ہے کہ پہنچاؤ امانتیں امانت والوں کو

وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ

اور جب چکوتی کرنے لگو لوگوں میں تو چکوتی کرو انصاف سے

اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا

اللہ اچھی نصیحت کرتا ہے تم کو اللہ ہے سنتا دیکھتا

بَصِيْرًا ﴿۵۸﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا

اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو

الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ

رسول کا اور جو اختیار والے ہیں تم میں پھر اگر جھگڑ پڑو کسی چیز میں تو

فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ

اس کو رجوع کرو طرف اللہ کے اور رسول کے اگر یقین رکھتے ہو

بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ﴿۵۹﴾ ع

اللہ پر اور پچھلے دن پر یہ خوب ہے اور بہتر تحقیق کرنا ہے

حکم نوزدہم [19] اداء امانت و اقامت عدل

قال تعالیٰ اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا ... الی ... ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا

(ربط) دور سے یہود کے قبائح اور حدود اللہ سے ان کی تعدیوں کا بیان چلا آرہا ہے اب ان آیات میں ان کی ایک اور تعدی کو بیان فرماتے ہیں کہ منجملہ تعدی حدود اللہ کے ایک تعدی امانت میں خیانت اور فیصلہ میں بے انصافی ہے یہود کی یہ عادت تھی کہ امانت میں خیانت کرتے اور فصل خصومات میں رشوت لے کر بے انصافی کرتے اس لیے ان آیات میں اللہ تعالیٰ امانت داری اور عدل وانصاف اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور اولی الامر کی اطاعت کا حکم دیتے ہیں اس لیے دخول جنت اور ازواج مطہرہ اور ظل ظلیل کے مستحق اہل امانت اور اہل عدالت ہی ہو سکتے ہیں اور اعمال صالحہ میں امانت اور عدالت بہت بڑا عمل صالح ہے بلکہ تمام اخلاق اور اعمال اور معاملات دینیہ و دنیویہ اور حکومت و ریاست کی روح بھی صفت عدل و امانت ہے چنانچہ فرماتے ہیں

تحقیق اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو امانت والوں کے حوالہ اور سپرد کردو خواہ وہ امانتیں دنیا سے متعلق ہوں یا دین سے اس آیت میں عثمان بن طلحہ کے قصہ کی طرف اشارہ ہے امام بغوی فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ کے اندر داخل ہونا چاہا تو عثمان بن طلحہ جو خانہ کعبہ کے کلید بردار تھے ان سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ کی کنجی طلب کی عثمان نے کنجی دینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ اگر میں آپ کو خدا کا رسول جانتا تو میں کنجی دینے

لے جن کا ذکر پہلی آیت میں ہو چکا ہے۔

سے انکار نہ کرتا لیکن میرے علم میں آپ خدا کے رسول نہیں اس پر حضرت علی نے عثمان کا ہاتھ پکڑ کر مروڑ دیا اور کنجی اُن سے چھین لی اور خانہ کعبہ کا دروازہ کھولا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ کے اندر داخل ہوئے اور دو رکعت نماز پڑھی جب آپ باہر نکلے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپ سے درخواست کی کہ یہ کنجی مجھ کو دے دی جائے تاکہ "سقایتِ زمزم" یعنی حاجیوں کو زمزم پلانے کی خدمت کے ساتھ خانہ کعبہ کی حجابت (کلید برداری) بھی مجھے مل جائے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو حکم دیا کہ کنجی عثمان بن طلحہ کے حوالہ کردو علی نے کنجی عثمان بن طلحہ کے حوالہ کردی اور کہا کہ تمہارے بارہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور ان کو یہ آیت پڑھ کر سنائی عثمان بن طلحہ نے جب یہ آیت سنی تو فوراً مسلمان ہوگئے اور کہا کہ اشہد ان لا الٰہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ۔

امام بغوی کی اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عثمان بن طلحہ فتح مکہ کے دن اس آیت کے نزول کے بعد مشرف باسلام ہوئے لیکن اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ عثمان بن طلحہ صلح حدیبیہ کے زمانہ میں خالد بن ولید کے ساتھ مدینہ منورہ حاضر ہو کر مشرف با سلام ہوئے اور جب فتح مکہ کے دن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مکہ آئے اور عثمان سے خانہ کعبہ کی کنجی طلب کی تو عثمان نے بے تامل آپ کے حوالے کردی اور پھر خانہ کعبہ سے باہر آکر جب آپ وہ کنجی عثمان کو دینے لگے تو حضرت عباسؓ بول اٹھے کہ یا رسول اللہ یہ کنجی میرے حوالے کر دی جائے اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور آپؐ نے عثمان کی امانت (کنجی) عثمان کے حوالے کردی اور یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کنجی تم کو واپس دلائی ہے اب یہ کنجی ہمیشہ تمہارے ہی پاس رہے گی اور جو شخص یہ کنجی تم سے چھینے گا وہ ظالم کہلائے گا مرتے دم تک یہ کنجی عثمان ہی کے پاس رہی مرتے وقت یہ کنجی اپنے بھائی شیبہ کو دی چنانچہ اب تک خانہ کعبہ کی کنجی شیبہ کی اولاد میں ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک اسی کی اولاد میں رہے گی۔

عدل کا حکم

اور اللہ تعالیٰ تم کو یہ حکم دیتے ہیں کہ جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کرو یعنی فیصلہ میں کسی کی رعایت نہ کرو اور نہ کسی پر ظلم کرو مدعی اور مدعی علیہ دونوں کو اپنے پاس بٹھا کر دونوں کی طرف متوجہ ہو اور دونوں کی بات سن کر جو حق معلوم ہو اس کے مطابق فیصلہ کردو اور اپنے اور پرائے کا امتیاز نہ کرو بے شک اللہ تعالیٰ تم کو بہت ہی عمدہ نصیحت کرتا ہے یعنی امانت کا ادا کرنا اور عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا بلاشبہ امانت اور

عدالت نہایت ہی عمدہ خصلت ہے جس پر دین و دنیا کی صلاح اور فلاح موقوف ہے آخرت کا معاملہ تو بہت بڑا ہے دنیائے فانی کی حکومت بھی بدون امانت اور عدالت نہیں چلتی بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اقوال و افعال کو جو فیصلہ کے وقت سرزد ہوتے ہیں سننے والا دیکھنے والا ہے تمہاری امانت اور خیانت اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں پس تم کو چاہیے کہ اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر چلو اور اختلاف کے وقت اللہ اور اس کے رسول یعنی کتاب و سنت کی طرف رجوع کرو چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو اطاعت اور فرمانبرداری کرو اللہ تعالیٰ کی جو قانون عدل اور امانت کا واضع ہے اور فرمانبرداری کرو پیغمبر خدا کی جو قانون خداوندی کا شارح ہے رسول جو بھی کہتا ہے وہ سب خدا ہی کی طرف سے ہوتا ہے نبی کی زبان حکم خداوندی کی ترجمان ہے اور فرمانبرداری کرو اپنے فرماں رواؤں کی بشرطیکہ وہ تم میں سے ہوں یعنی مسلمانوں سے ہوں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہوں اور ان حکام کا مقصود حکومت سے یہ ہو کہ احکام شریعت کو لوگوں میں جاری اور نافذ کریں اور کتاب و سنت کے مطابق لوگوں میں امانت اور عدالت کے ساتھ فیصلہ کریں تو ایسے حکام کی اطاعت واجب ہے اور اگر تم میں اور حکام میں کسی وقت کسی شے میں باہم نزاع اور اختلاف ہو جائے کہ یہ حکم اور یہ فیصلہ اللہ اور اس کے رسول کو موافق ہے یا مخالف تو اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف راجع کرو یعنی جس بات میں اختلاف ہو تو اس کو کتاب اللہ اور سنت رسول کی طرف لوٹاؤ اگر تم اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو یعنی اگر تم اس پر ایمان رکھتے ہو کہ قانون خداوندی کی اطاعت واجب ہے اور اس پر ایمان رکھتے ہو کہ قیامت کے دن قانون شریعت پر عمل کرنے والوں اور نہ کرنے والوں کو جزاء و سزا ضرور ملے گی تو نزاع کے وقت کتاب و سنت کی طرف رجوع کرو یہ یعنی کتاب و سنت کی طرف رجوع کرنا ہی تمہارے لیے غایت درجہ نافع اور بہتر ہے اور اگر بالفرض والتقدیر اس وقت تم کو حکم شرعی نافع اور مفید نہ معلوم ہو تو خوب سمجھ لو کہ وہ باعتبار انجام کے تمہارے لیے بہت ہی بہتر ہے یعنی اس کی عاقبت محمود ہے فیصلہ میں خدا کی طرف رجوع کرنے کا انجام بہتر ہے اور اپنی خواہش اور غرض کی طرف رجوع کرنے کا انجام برا ہے۔

لطائف و معارف

(۱) امانت کی حقیقت یہ ہے کہ جس کسی کا جو حق تم پر واجب ہو اس کو طیب خاطر کے ساتھ ادا کردو

(۲) آیت کا نزول اگرچہ خاص واقعہ مفتاح میں ہوا ہے لیکن بالاجماع یہ آیت مال ودیعت کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ لفظ امانات میں جملہ اقسام کی امانتیں داخل ہیں کیونکہ الامانات بہر

جو الف لام داخل کیا گیا ہے وہ استغراق کے لیے ہے اور مطلب یہ ہے کہ جملہ اقسام کی امانتوں کی رعایت واجب ہے کسی امانت میں بھی خیانت روا نہیں ۔

(۳) جاننا چاہیے کہ انسان کے معاملات کی کل تین قسمیں ہیں یا تو انسان کا معاملہ خدا تعالیٰ کے ساتھ ہے اور یا لوگوں کے ساتھ اور یا اپنے نفس کے ساتھ ہے تینوں قسموں میں امانت کی رعایت ہر انسان پر فرض ہے ۔

(۱) خدا تعالیٰ کے ساتھ امانت کی رعایت یہ ہے کہ جن باتوں کا خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہے ان کو بجا لائے اور جن باتوں سے منع کیا ہے ان سے رکا رہے احکام خداوندی کی بجا آوری میں خیانت نہ کرے ۔

(۲) اور لوگوں کے ساتھ امانت کی رعایت یہ ہے کہ ان کی ودیعتیں اور ان کے قرض ادا کرے ماپ تول میں کمی نہ کرے اور بادشاہوں کی امانت یہ ہے کہ رعایا کے حقوق ادا کریں عہدہ اور منصب کسی نااہل کو نہ دیں نااہل کو عہدہ اور منصب دینا رعایا کے ساتھ خیانت ہے اور علماء کی امانت یہ ہے کہ احکام خداوندی بلا کم و کاست شریعت کے مطابق لوگوں تک پہنچا دیں ۔

(۳) اور اپنے نفس کے ساتھ امانت کی رعایت یہ ہے کہ اپنے اعضاء وجوارح سے وہ کام نہ لے جو دنیا اور آخرت میں اس کے لیے مضر ہوں مثلاً زبان کو کلمات کفر اور بدعت اور کذب وغیبت سے محفوظ رکھے اور آنکھ کی امانت یہ ہے کہ اس کو حرام کی طرف دیکھنے سے محفوظ رکھے اور کان کی امانت یہ ہے کہ جھوٹ اور غیبت اور گانے بجانے کے سننے سے محفوظ رکھے اور شرمگاہ کی امانت یہ ہے کہ اس کو حرام سے بچائے ۔

قرآن کریم میں جا بجا امانت ادا کرنے کی تاکید آئی ہے اور حدیث میں ہے کہ جس میں امانت نہیں اس میں ایمان نہیں اور جس کو اپنے عہد کا پاس نہیں اس میں دین نہیں ۔

(۴) دوسری آیت یعنی وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ میں حکام کو حکم دیا گیا کہ لوگوں کے اختلافات اور نزاعات کا فیصلہ عدل اور انصاف کے ساتھ کریں حق کے مطابق فیصلہ کریں ذرہ برابر کسی کی رعایت نہ کریں ۔

دنیا کے اعتبار سے عدل کا فائدہ یہ ہے کہ حکومت کا بقاء اور استحکام عدل و انصاف پر موقوف ہے حکومت کفر کے ساتھ چل سکتی ہے مگر ظلم کے ساتھ نہیں چل سکتی جس حکومت سے عدل وانصاف رخصت ہو جاتا ہے تو اس کے ساتھ ملک کی برکتیں بھی رخصت ہو جاتی ہیں آسمان کی بارشیں کم ہو جاتی ہیں اور زمین کی پیداوار بھی گھٹ جاتی ہے مروتیں مضمحل ہو جاتی ہیں ملک میں مکر و فریب پھیل جاتا ہے اور سکون اور اطمینان گم ہو جاتا ہے اور جب مظلوم

دادرسی اور فریاد سے محروم ہو کر آسمان کی طرف دیکھتا ہے تو قہر خداوندی جوش میں آتا ہے اور پھر بعد چندے وہ ہوتا ہے جو دنیا دیکھتی ہے اللہ پناہ میں رکھے اور آخرت کے اعتبار سے عدل کا فائدہ یہ ہے کہ عدل وانصاف قیامت کے دن حق تعالیٰ کے قرب و رضا اور اعزاز و اکرام کا ذریعہ ہے۔

حدیث میں ہے کہ عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے والے حاکموں کو قیامت کے دن نور کے منبروں پر بٹھایا جائے گا۔

اور حدیث میں ہے کہ تین شخصوں کی دعا رد نہیں ہوتی عادل فرمانروا اور روزہ دار اور مظلوم

اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سات شخصوں کو عرش کے سایہ میں جگہ دے گا منجملہ ان کے ایک عادل فرمانروا ہے۔

(۵) اولو الامر کے بارہ میں علماء کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ اولی الامر سے امراء اور حکام مراد ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ اولی الامر سے فقہاء اور علماء دین مراد ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ حسن بصریؒ ضحاکؒ مجاہدؒ کا یہی قول ہے (تفسیر در منثور ص۱۷۶ ج ۲)

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ کے نزدیک بھی یہی قول مختار اور پسندیدہ ہے اور مجاہد کہتے ہیں کہ اولی الامر سے صحابۂ کرام مراد ہیں اور عکرمہ کہتے ہیں کہ اس سے ابوبکرؓ و عمرؓ مراد ہیں (تفسیر قرطبی ص۲۵۹ ج ۵)

اور شیعہ کہتے ہیں کہ اولی الامر سے ائمۂ اثناء عشر مراد ہیں یعنی ائمۂ معصومین مراد ہیں جن کا دنیا میں کہیں وجود نہیں نہ معلوم کہ حضرات شیعہ نے معدوم کی اطاعت کی کیا صورت نکالی ہے۔

اور غور و فکر کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ اولی الامر کے معنی ارباب حکومت اور اہل اختیار کے ہیں جو امراء اور حکامؒ[1] اور علماء دین اور خلفاء راشدین سب پر صادق آتی ہیں کیونکہ شاہ عبد القادرؒ نے اولی الامر کا ترجمہ (اور جو اختیار والے ہیں تم میں) کیا ہے اور مولانا اشرف علی صاحبؒ نے اولی الامر کا ترجمہ اس طرح کیا ہے اور جو لوگ تم میں اہل حکومت ہیں اور حکومت اور اختیار عام ہے خواہ دنیا کے اعتبار سے ہو یا دین کے اعتبار سے تدبیر ملکی اور حرب اور ضرب میں امراء و حکام کی اطاعت واجب ہے بشرطیکہ ان کے احکام شریعت کے مطابق ہوں اور اگر امیر اور حاکم معصیت کا حکم

---

[1] قال العلامة الألوسي وحمله كثير على ما يعم الجميع لتناول الاسم لهم لان للامراء تدبير امر الجيش والقتال وللعلماء حفظ الشريعة وليس ببعيد (روح المعاني ص۵۹ ج ۵) وقال ابن كثير والظاهر والله اعلم انها عامة فى كل اولى الامر من الامراء والعلماء كما تقدم (تفسير ابن كثير ص۵۱۸ ج ۱)

دے تو پھر امیر اور حاکم کی اطاعت جائز نہیں ۔

اور دینی اعتبار سے علماء اور فقہاء حاکم اور ذی اختیار ہیں عوام پر علماء اور فقہاء کا اتباع واجب ہے اس لیے کہ علماء انبیاء کرام کے وارث ہیں اور احکام شریعت کے خازن و امین ہیں اور خزانہ علم نبوی کے حفیظ علیم ہیں۔

اور حق جل شانہٗ کا یہ ارشاد وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ بھی اسی پر دلالت کرتا ہے کہ اولی الامر سے علماء مجتہدین مراد ہیں جو اجتہاد اور استنباط کی صلاحیت رکھتے ہوں ان کی طرف رجوع کرنا واجب ہے جو احکام اور مسائل بصراحت کتاب وسنت میں نہ پائے جائیں وہاں عوام پر علماء مجتہدین و مستنبطین کی تقلید اور اتباع واجب ہے غرض یہ کہ جو کوئی مسلمانوں کی دینی یا دنیوی صلاح کا والی اور متولی ہو وہ اولی الامر کے تحت میں داخل ہے اور خلفاء راشدین چونکہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے قائم مقام تھے اس لیے وہ دونوں قسم کی اصلاح کے والی اور متولی تھے اور دین دنیا دونوں اعتبار سے حاکم اور فرمانروا اور ذی اختیار تھے اور سب سے زیادہ اولی الامر کے لقب کا استحقاق رکھتے تھے جو خلفاء راشدین کی سنت کے اتباع کو واجب نہ سمجھے وہ اہل سنت والجماعت میں سے نہیں۔

(۶) اصول دین اور ادلۂ شرعیہ

امام رازی[۲] قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ اس آیت شریفہ میں اصول دین اور ادلۂ شرعیہ کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ علماء اصول نے لکھا ہے کہ ادلۂ شرعیہ چار ہیں کتاب اللہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجماع امت اور قیاس فقہاء مجتہدین، اَطِيْعُوا اللّٰهَ میں کتاب اللہ کے اتباع کی طرف اشارہ ہے جو اصول دین میں اصل اول ہے اور اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ میں سنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی طرف اشارہ ہے جو دین کی اصل ثانی ہے اور اولی الامر کی اطاعت سے اجماع علماء کے اتباع کی طرف اشارہ ہے جو دین کی اصل ثالث ہے کیونکہ حقیقت میں امراء اور اولی الامر سے وہی علماء ربانیین اور راسخین فی العلم مراد ہیں جو کتاب وسنت سے احکام خداوندی کا استنباط کر سکتے ہوں اور علماء اصول کی اصطلاح میں ایسے ہی لوگوں کو اہل حل وعقد کہا جاتا ہے اور ایسے ہی علماء مستنبطین کے قول و اقرار سے اجماع منعقد ہوتا ہے۔

---

[۱] اخرج ابن ابی شیبۃ وابن جریر عن ابی العالیۃ فی قولہ وَاُولِي الْاَمْرِ قال ھم اھل العلم الا تری انہ یقول وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ (تفسیر درمنثور ص۱۷۶ ج ۲ و تفسیر قرطبی ص۲۶۳ ج ۵)

[۲] تفصیل کے لیے حضرات اہل علم اصل تفسیر کی مراجعت کریں - ۱۲

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قطعی اور جزمی طور پر جس کا اتباع واجب اور لازم ہے وہ اجماع علماء ہے علماء فرداً فرداً اگرچہ غیر معصوم ہیں لیکن علماء ربانیین اور مستنبطین کا اجماع معصوم عن الخطاء ہے جیسا کہ حدیث میں ہے لا تجتمع امتی علی الضلالۃ اسلئے اولی الامر کے اجماع کی اطاعت اور اتباع کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے ساتھ ملا کر ایک اطیعوا کے تحت میں ذکر فرمایا ہے اور فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ میں نزاع اور اختلاف سے اس شئی میں نزاع اور اختلاف مراد ہے جس کا حکم کتاب وسنت و اجماع میں منصوص اور مصرح نہ ہو کیونکہ جس کا حکم منصوص ہوگا وہ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ میں داخل ہوگا پھر اس قضیہ شرطیہ یعنی فان تنازعتم لانے کی کیا ضرورت ہوگی۔

عالم میں جو واقعات پیش آتے ہیں وہ دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جن کے احکام منصوص ہیں دوم وہ جو منصوص نہیں اول الذکر کے متعلق أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ کا حکم دیا گیا اور دوسری قسم یعنی جس واقعہ کا حکم منصوص نہ ہو اس کے متعلق یہ حکم دیا گیا کہ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ یعنی جس واقعہ کا حکم منصوص نہ ہو تو اس غیر منصوص کا حکم معلوم کرنے کیلئے کتاب وسنت کی طرف رجوع کرو اور اس جیسے واقعات کا جو حکم کتاب وسنت میں ہے وہی اس غیر منصوص کے لیے ثابت کر دو اور مشابہت اور مماثلت کی بناء پر غیر منصوص کے لیے منصوص کا حکم ثابت کرنا اسی کا نام قیاس اور اجتہاد اور استنباط ہے جو دین کی اصل چہارم ہے کتاب وسنت احکام خداوندی کا خزینہ اور دفینہ ہے جو احکام کتاب وسنت میں منصوص اور صراحۃً مذکور ہیں وہ بمنزلہ ایسے خزانہ کے ہیں جو گھر میں رکھا ہوا ہے ہر ایک بصیر اور بینا کو دکھائی دے سکتا ہے اور جو احکام غیر منصوص ہیں وہ بمنزلہ دفینہ کے ہیں جو کتاب وسنت کے عمق اور گہرائی میں مدفون اور مستور ہیں جن کا سوائے حاذق اور ماہر کے کسی کو پتہ نہیں چل سکتا پس جو علوم اور احکام کتاب وسنت کی تہ میں مدفون اور مخزون ہیں ان کو اپنی باطنی حذاقت اور اندرونی بصیرت سے باہر نکال لانے کا نام اجتہاد اور استنباط ہے اور جو شخص خود استنباط نہ کر سکے اس کو مستنبطین کا اتباع لازم ہے ع چوں تو یوسف نیستی یعقوب باش، اور اسی کا نام تقلید ہے جو لوگ اجتہاد اور استنباط کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں ان پر راسخین فی العلم اور مستنبطین کا اتباع واجب ہے اور اپنی ناقص رائے اور ناتمام فہم کا اتباع ناجائز ہے۔

حضرت مولانا سید محمد انور شاہ قدس اللہ سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ حق تعالیٰ نے دنیا میں دو نعمتیں اتاریں ایک حفظ کی اور ایک فہم کی حفظ کی نعمت سے محدثین اور لغویین کو سرفراز فرمایا اور فہم و فراست کی نعمت سے فقہاء اور عارفین یعنی اولیاء اللہ کو سرفراز فرمایا انتہی کلامہ۔

پس جس طرح حق تعالیٰ شانہ نے ذخیرۂ حدیث کی تدوین کے لیے بخاری اور مسلم اور ابوداؤد

وترمذی کو خاص طور پر منتخب فرمایا اور امت محمدیہ کو ان حضرات کی تدوین کردہ کتابوں کی تلقی بالقبول کا الہام فرمایا اسی طرح تدوین فقہ اور استنباط مسائل کے لیے ائمہ اربعہ یعنی امام ابوحنیفہ اور امام امالک اور امام شافعی اور امام احمد کو منتخب فرمایا اور امت کے علماء و صلحاء عوام وخواص کے دلوں میں ان کی تقلید کا داعیہ پیدا فرمایا کہ ان حضرات کے فہم و استنباط پر بھروسہ اور اعتماد کرکے ان کے سمجھے ہوئے کے مطابق شریعت پر عمل کریں ائمہ مجتہدین کی تقلید پر انکار کرنے والوں اور تقلید شخصی کو شرک و بدعت بتانے والوں پر تعجب ہے کہ صحت حدیث اور جرح و تعدیل میں بخاری اور مسلم اور صحاح ستہ کا اتباع اور تقلید تو مستحسن ہو اور مسائل اجتہادیہ میں ابوحنیفہ اور شافعی کا اتباع کورانہ تقلید اور بدعت اور شرک کہلائے دنیا میں سینکڑوں محدث اور بے شمار حدیث کی کتابیں ہیں مگر ان میں سے جس طرح صحیحین اور صحاح ستہ کو علماء نے منتخب کر لیا ہے اور بلا دلیل ان کتابوں کی حدیث کو معتبر سمجھا جاتا ہے اور کوئی شرک اور بدعت نہیں بتلاتا اسی طرح دنیا میں بہت سے مجتہد گزرے مگر من جانب اللہ امت محمدیہ کے محدثین اور مفسرین اور اولیاء اور متکلمین انہی چار کی اتباع اور تقلید میں منحصر ہوگئے اور سب علماء کا اس پر اجماع ہو گیا کہ ان چار حضرات سے زیادہ کوئی عالم کتاب وسنت اور احکام شریعت کو سمجھنے والا نہیں عقلاً اگرچہ اب بھی اجتہاد ممکن ہے نبوت کی طرح اجتہاد کا دروازہ بند نہیں ہوا لیکن یہ امکان ایسا ہی ہے جیسا کہ یہ کہا جائے کہ بخاری اور مسلم جیسا حافظ حدیث ہونا اب بھی ممکن ہے حافظ بخاری اور مسلم پر ختم نہیں ہو گیا بے شک امکان عقلی اب بھی موجود ہے لیکن فقہاء جیسا اجتہاد اور استنباط اور بخاری و مسلم جیسا حافظہ من جانب اللہ دنیا سے اٹھا لیا گیا اور یہ امکان عادۃً مفقود ہو گیا۔

جو لوگ صحیحین اور سنن اربعہ کی احادیث کو بلا دلیل معتبر سمجھتے ہیں ان کے پاس بجز حسن ظن کے کوئی دلیل نہیں منکرین تقلید کو نہ اسانید کا علم ہے اور نہ رجال سند کے اسماء اور کنیٰ اور مو الید اور نہ وفیات اور انکی ثقاہت اور ضعف کی کچھ خبر ہے محض بخاری اور مسلم کی امامت اور جلالت قدر پر بھروسہ اور اعتماد کرکے بلا دلیل ان کی احادیث کو محض حسن ظن کے بناء پر صحیح تسلیم کرتے ہیں کیا یہ تقلید نہیں۔

اسی طرح مقلدین امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے تفقہ اور اجتہاد و استنباط پر حسن ظن کی بناء پر اعتماد کر کے شریعت کا اتباع کرتے ہیں اور یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ امت محمدیہ کے علماء کا اجماع ہے کہ ابوحنیفہ اور مالک اور شافعی اور احمد تفقہ اور اجتہاد کے آسمان تھے اور ہم ذرۂ بے مقدار ہیں اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ ہم ان مستنبطین کی طرف رجوع کریں اور جو شخص ان ائمہ ھدیٰ کے تقلید شخصی سے منحرف ہے وہ اپنے ظلوم و جہول نفس کی تقلید شخصی میں گرفتار ہے

(۷)، ان چار اصول یعنی کتاب وسنت اور اجماع اور قیاس مجتہدین کے ذکر کے بعد حق تعالیٰ کا یہ ارشاد

فرمانا اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اس امر کی دلیل ہے کہ جس طرح کتاب وسنت کا اتباع لوازم ایمان میں سے ہے اسی طرح اجماع امت اور قیاس مجتہد کا اتباع بھی مقتضیات ایمان میں سے ہے اور ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا کا مصداق ہے کیونکہ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ کی قید جمیع امور مذکور فی الآیت سے متعلق ہے اور ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا بھی سب سے متعلق ہے

(۸) تمام علماء امت کے نزدیک ادلۂ شرعیہ چار ہیں کتاب سنت اجماع اور قیاس۔

اور امام بخاری نے صحیح بخاری کی کتاب الاعتصام میں اجماع اور قیاس کا دلیل شرعی ہونا کتاب وسنت سے ثابت کیا ہے۔

مگر غیر مقلدین کے نزدیک ادلۂ شرعیہ صرف دو ہیں ایک کتاب اور ایک سنت اجماع اور قیاس کی حجیت کے قائل نہیں حتے کہ اجماع صحابہ کے بھی قائل نہیں بیس رکعت تراویح اور تین طلاق کے تین ہونے کے قائل نہیں اور نام اپنا اہل حدیث رکھ لیا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ
تو نے نہ دیکھے وہ جو دعوے کرتے ہیں کہ یقین

اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ
لائے ہیں جو اترا تیری طرف اور جو اترا تجھ

مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ
سے پہلے چاہتے ہیں کہ قضیہ لے جاویں شیطان کی طرف

وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ۭ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ
اور حکم ہو چکا ہے ان کو کہ اس سے منکر ہو جاویں اور چاہتا ہے شیطان

اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝۶۰ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ
کہ ان کو بہکا کر دور لے ڈالے اور جو ان کو کہیئے آؤ

تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ
اللہ کے حکم کی طرف جو اس نے اتارا اور رسول کی طرف تو تو دیکھے

الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ﴿٦١﴾ فَكَيْفَ اِذَآ

منافقوں کو بند ہو رہتے ہیں تیری طرف سے اٹک کر پھر وہ کیسا کہ جب

اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ

ان کو پہنچے مصیبت اپنے ہاتھوں کے کیے سے پیچھے آویں

يَحْلِفُوْنَ ۖ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ﴿٦٢﴾

تیرے پاس قسمیں کھاتے اللہ کی کہ ہم کو غرض نہ تھی مگر بھلائی اور ملاپ

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۗ فَاَعْرِضْ

یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ جانتا ہے جو ان کے دل میں ہے سو تو ان سے

عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًاۢ بَلِيْغًا ﴿٦٣﴾

تغافل کر اور ان کو نصیحت کر اور ان سے کہہ ان کے حق میں بات کام کی

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَ

اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس واسطے کہ اس کا حکم مانیں اللہ کے

لَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا

فرمان سے اور اگر ان لوگوں نے جس وقت اپنا برا کیا تھا آتے تیرے پاس پھر اللہ سے

اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا

بخشواتے اور رسول ان کو بخشواتا اللہ کو پاتے معاف کرنے والا

رَّحِيْمًا ﴿٦٤﴾ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ

مہربان سو قسم ہے تیرے رب کی ان کو ایمان نہ ہوگا جب تک تجھ ہی کو منصف نہ

فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا

جانیں جو جھگڑا اٹھے آپس میں پھر نہ پاویں اپنے جی میں خفگی تیری

مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝٦٥ وَلَوْ أَنَّا كَتَبْنَا

چکوتی سے اور قبول رکھیں مان کر اور اگر ہم ان پر

عَلَيْهِمْ أَنِ اقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ أَوِ اخْرُجُوا مِنْ دِيَارِكُمْ

حکم کرتے کہ ہلاک کرو اپنی جان یا چھوڑ نکلو اپنے گھر

مَا فَعَلُوهُ إِلَّا قَلِيلٌ مِنْهُمْ ۖ وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا

تو کوئی نہ کرتے مگر تھوڑے ان میں اور اگر یہی کریں جو ان کو

يُوعَظُونَ بِهِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ وَأَشَدَّ تَثْبِيتًا ۝٦٦

نصیحت ہوتی ہے تو ان کے حق میں بہتر ہو اور زیادہ ثابت ہوں دین میں

وَإِذًا لَآتَيْنَاهُمْ مِنْ لَدُنَّا أَجْرًا عَظِيمًا ۝٦٧ وَ

اور اسی میں ہم دیں ان کو اپنے پاس سے بڑا ثواب اور

لَهَدَيْنَاهُمْ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ۝٦٨ وَمَنْ يُطِعِ

چلاویں ان کو سیدھی راہ اور جو لوگ حکم میں

اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ

چلتے ہیں اللہ کے اور رسول کے سو ان کے ساتھ ہیں جن کو اللہ نے نوازا

مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ ۚ

نبی اور صدیق اور شہید اور نیک بخت

وَحَسُنَ أُولَٰٓئِكَ رَفِيقًا ﴿٦٩﴾ ذَٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللَّهِ

اور خوب ہے ان کی رفاقت یہ فضل ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ

وَكَفَىٰ بِاللَّهِ عَلِيمًا ﴿٧٠﴾ ع

بس ہے خبر رکھنے والا۔

مذمت منافقین بر انحراف از فیصلۂ شریعت

قال تعالیٰ اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ یَزْعُمُوْنَ .... الیٰ .... وَکَفٰی بِاللّٰہِ عَلِیْمًا ہ
(ربط) یہ آیت بھی اہل کتاب سے متعلق ہے ان میں کے کچھ لوگ منافقانہ طور پر مسلمان بن گئے تھے اور فصل خصومات میں رعایت اور رشوت کے عادی ہو گئے تھے ان لوگوں کے دل میں کفر و الحاد تھا محض زبان سے توحید و رسالت کا اقرار کر لیا تھا جب کوئی مقدمہ پیش آتا تو اپنا معاملہ یہودیوں کے عالموں اور سرداروں کے پاس لے جانا پسند کرتے کہ وہ ان کی رعایت کریں گے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس فیصلہ کے لیے جانے سے گریز کرتے اس لیے کہ آپ جو فیصلہ کریں گے وہ غایت درجہ عادلانہ ہوگا اس میں ذرہ برابر کسی کی رعایت نہ ہوگی چنانچہ مدینہ منورہ میں ایک مرتبہ ایک منافق بشر نامی کا ایک یہودی سے جھگڑا ہو گیا یہودی نے اس خیال سے کہ وہ حق پر تھا یہ چاہا کہ اس مقدمہ کا فیصلہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے کرایا جائے کہ آپ بلا کسی رعایت کے حق فیصلہ کریں گے منافق نے چاہا کہ کعب بن اشرف یہودی سے فیصلہ کرایا جائے یہودی نے کعب بن اشرف کے پاس جانے سے انکار کر دیا اور سوائے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے کسی اور کے فیصلہ پر راضی نہ ہوا آخر یہ طے ہوا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کرایا جائے آپؐ نے یہودی کے حق میں فیصلہ کر دیا اور یہودی ہی حق پر تھا وہ منافق اس پر راضی نہ ہوا جب وہ دونوں آپ کے پاس سے باہر آئے تو منافق یہودی کو چمٹ گیا اور کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس چلو وہ ٹھیک فیصلہ کریں گے منافق کو غالباً یہ گمان ہوا کہ عمر رضی اللہ عنہ کافروں کے حق میں بہت سخت ہیں اور میں کلمہ گو ہوں اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بمقابلۂ یہودی میری رعایت کریں گے یہودی اس پر راضی ہو گیا اور سمجھا کہ گو عمر رضی اللہ عنہ کافروں کے حق میں سخت ہیں مگر حق پرست ہیں دونوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور ان سے فیصلہ چاہا یہودی نے سارا ماجرا ان سے کہا

یہ سن کر وہ گھر میں تشریف لے گئے اور فرمایا کہ ٹھہرو میں ابھی آتا ہوں اور آکر تمہارا فیصلہ کرتا ہوں یہ کہہ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اندر چلے گئے اور تلوار لے کر آئے اور آتے ہی اس منافق کو قتل کر دیا اور فرمایا کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ پر راضی نہ ہو اس کا فیصلہ عمر رضی اللہ عنہ اس طرح کیا کرتا ہے منافق کے رشتہ دار آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور قتل کا دعویٰ کیا اور قسمیں کھانے لگے کہ عمر رضی اللہ عنہ کے پاس صرف اس لیے گئے تھے کہ شاید عمر رضی اللہ عنہ صلح کرا دیں یہ وجہ نہ تھی کہ ہم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر راضی نہ تھے اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں جن میں اصل حقیقت ظاہر کر دی گئی۔

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ اسی واقعہ میں یہ آیتیں نازل ہوئیں اور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فرمایا۔ انت الفاروق تو فاروق ہے۔

اور جبریلؑ نے یہ کہا

اِنَّ عُمَرَ فرق بین الحق والباطل فسمّی الفاروق۔ — تحقیق عمرؓ نے حق اور باطل کے درمیان فرق کر دیا اس لیے ان کا نام فاروق رکھا گیا۔

اور اسی بارہ میں یہ تمام آیتیں نازل ہوئیں (تفسیر قرطبی ص۲۶۲ ج ۵)

اور بطور تعجب ارشاد فرماتے ہیں کہ اے نبی کریم کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نظر نہیں کی کہ جو زبان سے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اس کتاب پر جو آپ کی طرف اتاری گئی اور ایمان لائے اس کتاب پر جو آپ سے پہلے نازل کی گئی باوجود اس دعوائے ایمان کے چاہتے یہ ہیں کہ فیصلہ اور تصفیہ کے لیے ایک سرکش کی طرف جائیں یعنی سرداران کفر اور کاہنوں کے پاس اپنا مقدمہ لے جانا چاہتے ہیں تاکہ رشوت یا رو رعایت سے مطلب برآری ہو سکے حالانکہ انکو تمام کتب الٰہیہ میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ طاغوت کے معتقد نہ بنیں اور اس کے حکم کو نہ مانیں کیونکہ طاغوت (سرکش) تو طغیان (سرکشی) اور حکم خداوندی سے انحراف ہی کی طرف بلائے گا اور طاغوت کے پاس جاکر یہ لوگ شیطان کے تابعدار اور فرمانبردار بنیں گے کیونکہ شیطان اِنسی اور جِنّی یہ چاہتا ہے کہ ان کو بہکا کر ہدایت سے اتنا دور لیجا کر ڈال دیں کہ پھر ہدایت کی طرف لوٹنا مشکل ہو جائے اور شیطان اپنے اس مقصد میں کامیاب ہو گیا کہ ہدایت سے ان کو بہت دور لے جا کر ڈال دیا دلیل اس کی یہ ہے کہ جب ان سے یہ کہا جاتا ہے کہ آؤ اس حکم کی طرف جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے اور رسول کی طرف آؤ تو آپ دیکھیں گے منافقین کو کہ وہ آپ کی طرف رجوع کرنے سے اعراض کرتے ہیں کنارہ کشی اور انحراف کے طور پر اور حکم خداوندی اور حکم رسول کی طرف رجوع سے اعراض یہی دلیل ہے اس امر کی کہ شیطان نے ان کو بہکا کر ہدایت سے دور لے جا کر ڈالا ہے بہرحال اس وقت تو آپکی طرف رجوع کرنے سے اعراض کرتے ہیں اور کسی حیلہ سے

اپنی جان بچالیتے ہیں پس اس وقت کیا کریں گے کہ جب ان کو گزشتہ بد اعمالیوں کی سزا میں کوئی مصیبت پہنچے گی اور اپنی بداعمالیوں کا نتیجہ سامنے آئے گا مصیبت سے مراد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اس منافق کو قتل کرنا یا نفاق کا کھل جانا اور خباثت باطنی کا پردہ چاک ہو جانا اور لوگوں میں ذلیل ہونا اور باز پرس ہونا ہے یعنی اس وقت فکر ہوتی ہے کہ طاغوت کے پاس مقدمہ لے جانے کی کیا تاویل کریں تو پھر چار و ناچار خدا کی قسمیں کھاتے ہوئے آپ کے پاس آتے ہیں کہ آپ کے غیر کے پاس مقدمہ لے جانے سے ہمارا مقصود سوائے بھلائی اور باہمی میل وملاپ کے اور کچھ نہ تھا یعنی ہم جو آپ کے پاس سے عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تھے اس سے ہمارا مقصود صرف یہ تھا کہ شاید وہ فریقین میں باہم صلح اور ملاپ کرا دیں کیونکہ آپ جو فیصلہ فرمائیں گے تو وہ عین حق اور عین عدل ہوگا اس میں ذرہ برابر کسی کی رعایت نہ ہوگی اور باہمی فیصلہ میں کچھ نہ کچھ رعایت ہو جاتی ہے یا رسول اللہ آپ ہم کو اپنا مخلص اور نیاز مند سمجھئے دوسری جگہ مقدمہ لے جانے سے ہماری غرض اور نیت بری نہ تھی، ہم کو اس مصیبت یعنی ذلت سے بچائیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کو شرم نہیں آتی کہ کیسی ذلت اور ندامت کے ساتھ اس کے پاس عذر لے کر حاضر ہوئے جس سے ان کو نفرت تھی یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ خوب جانتا ہے ان کے دلوں میں کیا نفاق اور جھوٹ اور باطل کا میلان بھرا ہوا ہے لاکھ زبانی باتیں بنائیں، اللہ تعالیٰ کو ان کی دلی باتوں کا خوب علم ہے لاکھ اپنے نفاق کو چھپائیں مگر خدا سے کہاں چھپ سکتا ہے پس اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب آپ خدا تعالیٰ کے بتلانے سے ان کے نفاق سے آگاہ ہو گئے تو مصلحت یہ ہے کہ آپ ان سے تغافل برتیے اور ان کی سزا اور مؤاخذہ سے اعراض فرمایئے اور فی الحال علم خداوندی پر اکتفاء کیجئے ان کے ساتھ ظاہری معاملہ اسلام کا سا رکھیے اور دل کا حال اللہ کے سپرد کیجئے اور ان کو نصیحت کیجئے یعنی نفاق اور کذب کے برے انجام سے ان کو ڈرایئے کہ اگر تم نے یہ نفاق نہ چھوڑا تو صریح کفر کے احکام تم پر جاری ہوں گے اور ان سے ایسی بات کہیئے جو ان کے دلوں میں خوب اچھی طرح پہنچ جائے یعنی ان کے دلوں میں اتر جائے اور اثر کر جائے مطلب یہ ہے کہ آپ ان کی ان باتوں کو دیکھ کر مایوس نہ ہوں وعظ و نصیحت برابر ان کو کرتے رہیں شاید ان میں سے کوئی راہ راست پر آجائے۔

آگے ارشاد فرماتے ہیں اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی پیغمبر مگر اس لیے کہ بحکم خداوندی اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کی جائے اور دل و جان سے اس کے حکم کو مانا جائے محض زبان سے رسالت کا اقرار کافی نہیں یہ ان منافقین پر زجر و توبیخ ہے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ سے ناخوش تھے اور مطلب یہ ہے کہ اے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم آپ اللہ کے رسول ہیں اور ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے وہ اسی لیے بھیجا ہے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت

کی جائے لہٰذا دل و جان سے آپکی اطاعت ان پر فرض ہے پس جو آپ کا حکم نہیں مانتا وہ درحقیقت اللہ کا حکم نہیں مانتا تو باذن اللہ کے یہ معنی ہوئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بے چون وچرا اطاعت اللہ کے حکم سے فرض ہے اور بعض علماء نے باذن اللہ کے معنی بتوفیق اللہ کے لیے ہیں اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے رسولوں کو اس لیے بھیجا کر ان کی اطاعت کی جائے مگر ان کی اطاعت وہی شخص کرے گا جس کو خدا تعالیٰ توفیق دے گا آگے پھر انہیں منافقین کے حق میں ارشاد ہے اور اگر یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم وستم یعنی گناہ کرنے کے بعد آپ کے پاس حاضر ہو جاتے پھر اللہ سے معافی مانگتے اور رسول صلے اللہ علیہ وسلم بھی ان کے لیے معافی چاہتے تو ضرور پاتے اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان یعنی قبول توبہ کے بعد اللہ کی مہربانی بھی ہوتی معافی کے بعد انعام بھی ملتا مطلب یہ ہے کہ اگر یہ منافق گناہ کرنے کے بعد بھی متنبہ ہو جاتے اور اس وقت آپ کے پاس چلے آتے جب کہ انہوں نے طاغوت کے پاس اپنا مقدمہ لے جاکر اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا اور اس طرح آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی غیر حاضری کا تدارک اور کفارہ کرتے اور پھر اپنے نفاق سے توبہ اور استغفار کرتے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بھی ان کے لیے دعاء مغفرت کرتے تو امید تھی کہ اللہ تعالیٰ ضرور ان کی توبہ قبول فرما لیتا اور ان پر مہربان ہو جاتا مگر انہوں نے تو یہ غضب کیا کہ اول تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم اور فیصلہ سے اعراض کیا جو بعینہٖ اللہ کے حکم اور فیصلہ سے اعراض کے مرادف تھا پھر جب اس کا وبال ان پر پڑا اور ذلیل وخوار ہوئے تو جب بھی متنبہ اور تائب نہ ہوئے بلکہ جھوٹی قسمیں کھانے اور تاویلیں گھڑنے لگے پھر ایسوں کی مغفرت کیسے ہو عذر گناہ بدتر از گناہ

اس آیت میں وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ یعنی رسول ان کے لیے معافی مانگتا اس سے مقصود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کا اظہار ہے کہ جس شخص کو خدا تعالیٰ نے منصب نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا ہے اور اس کو اپنے اور اپنی مخلوق کے درمیان سفیر اور ترجمان ٹھہرایا اگر اس کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اس سے دعاء مغفرت کی درخواست کرتے تو اللہ تعالیٰ اس کی سفارش ضرور قبول کرتا ہر گناہ خواہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو اس کے لیے ذاتی توبہ اور استغفار کافی ہے اس کے ساتھ کسی اور چیز کی ضرورت نہیں لیکن اس آیت میں منافقین کی معافی کے لیے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار کو بھی شرط قرار دیا یا وجہ اس کی یہ ہے کہ جو منافقین رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر راضی نہ ہوئے اور طاغوت کے فیصلہ کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر ترجیح دی تو ان لوگوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے دل کو صدمہ اور ایذاء پہنچائی لہٰذا بغیر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو راضی کیے انکی توبہ قبول نہیں ہو سکتی۔

شرائطِ ایمان

اب آئندہ آیات میں مضمون سابق کی تائید کے لیے فرماتے ہیں کہ ایمان کی شرط یہ ہے کہ ہر معاملہ میں اپنا فیصلہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے چاہیے اور جو فیصلہ وہ فرما دیں اس کو حق جان کر دل وجان سے اس کو مان لے اور دل سے اس پر راضی ہو اور دل میں اس سے کوئی تنگی اور ناگواری نہ پائے جب تک دل وجان سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں پر راضی نہ ہو اس وقت تک ایمان صحیح نہیں محض ظاہری اطاعت ایمان کے لیے کافی نہیں بلکہ بلاشبہ نفاق ہے حدیث میں ہے کہ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم میں سے کوئی مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی نفسانی خواہش میرے حکم کے تابع نہ ہو جائے یعنی میرا حکم آگے آگے ہو اور اس کی نفسانی خواہش میرے حکم کے پیچھے دوڑ رہی ہو۔

چنانچہ فرماتے ہیں پس یہ لوگ جو آپؐ کے فیصلہ سے اعراض کرتے ہیں اگرچہ زبان سے دعوے کریں کہ ہم مؤمن ہیں لیکن حقیقت میں یہ لوگ مؤمن نہیں دعوائے ایمان اور تحاکم الی الطاغوت جمع نہیں ہو سکتے قسم ہے تیرے رب کی یہ لوگ جو زبانی ایمان کا دعوے کرتے پھرتے ہیں حقیقی مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک باہمی جھگڑوں میں آپ کو حَکَم اور منصف نہ جانیں اور پھر آپ کے فیصلہ اور تصفیہ سے اپنے دلوں میں کوئی تنگی اور ناگواری یعنی شک اور تردد کا کوئی ادنیٰ شائبہ بھی نہ پائیں اور طیب خاطر اور شرح صدر اور طمانینت قلب سے آپ کے فیصلہ کو دل وجان سے تسلیم کریں کما حقہٗ تسلیم کرنا یعنی پورے طور سے تسلیم کریں۔

مطلب یہ ہے کہ جب تک آپؐ کے حکم کو اپنی رائے پر مقدم نہ سمجھیں گے مسلمان نہ ہوں گے پیغمبر خدا کے سامنے بے چون وچرا سر تسلیم خم کر دینے ہی کا نام اسلام ہے

زباں تازہ کردن باقرار تو ∴ نبیگیختن علّت از کار تو

حق جل شانہٗ جب اہل کتاب کی شرارتوں کو بیان کر چکے اور ناقابل عفو شرارتوں کے معاف کرنے کا طریقہ بھی بتلا دیا تو اب اپنی رحمت کاملہ کا اظہار فرماتے ہیں کہ دیکھو دین اسلام میں اللہ تعالیٰ نے کیسی آسانی رکھی ہے کوئی حکم اس کا سخت نہیں دیکھو اگلے زمانہ میں جب کوئی گناہ کرتا تھا تو اس کی توبہ قبول ہونے کے لیے یہ شرط تھی کہ وہ اپنے آپ کو قتل کرے جیسا کہ سورۂ بقرہ میں گوسالہ پرستوں کے بارہ میں گذرا فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِىِٕكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اور ہم نے تمہاری توبہ قبول ہونے کے لیے کوئی سخت شرط نہیں لگائی صرف رسول خدا سے معافی کا خواستگار ہونا اور پیغمبر خدا کی سفارش کرنا مقرر کیا ہے مگر افسوس تم اس پر بھی اطاعت اور

انابت کے لیے تیار نہیں ۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور اگر ہم ان منافقین پر یہ حکم کرتے کہ اپنے آپ کو قتل کر ڈالو یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ ان میں سوائے چند آدمیوں کے اکثر اس کام کو نہ کرتے یعنی اگر ہم ان منافقین پر یہ باتیں فرض کر دیتے تو بہت ہی تھوڑے لوگ جن کے دل میں ایمان کا داعیہ بہت ہی قوی ہوتا وہ اس حکم پر عمل کرتے لہذا ان کو ہمارا مشکور ہونا چاہیے کہ ہم نے ان کو کوئی سخت حکم نہیں دیا بلکہ ایسے آسان حکم دیئے جن پر نہایت آسانی سے عمل کر سکتے ہیں اگر ہم ان کو سخت حکم دیتے تو کیسی ذلت اور رسوائی ہوتی مطلب یہ ہے کہ صادق الایمان وہ شخص ہے جو خدا کی راہ میں جان دینے اور وطن سے ہجرت کرنے میں دریغ نہ کرے جیسا کہ صحابہ کرام نے اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں جان ومال دھن اور وطن سب قربان کر دیا ۔

اور اگر یہ لوگ وہ کام کرتے جس کی ان کو نصیحت کی جاتی ہے تو دین و دنیا کے اعتبار سے ان کے حق میں نہایت بہتر ہوتا اور ان کے دین و ایمان کی زیادہ مضبوطی اور ثبات قدمی کا باعث ہوتا یعنی احکام خداوندی پر عمل کرنے سے ان کا دین اور ایمان مضبوط اور مستحکم ہو جاتا اور اسلام پر ثابت قدم ہو جاتے ایمان اور اسلام میں تردد اور تزلزل نہ رہتا اخلاص اور اتباع حق سے قلب میں قوت آتی ہے اور نفاق سے بزدلی اور کمزوری منافق کا دل ہمیشہ ڈانوا ڈول رہتا ہے

اور اس وقت ہم ان کو البتہ اپنے پاس سے اجر عظیم عطا کرتے اور البتہ چلاتے ہم ان کو سیدھی راہ پر یعنی ہم ان کو اس صراط مستقیم پر چلاتے جو انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین کی راہ ہے جس تذبذب اور تردد کی راہ پر منافقین چل رہے ہیں وہ مغضوبین اور ضالین کی راہ ہے اللہ اس سے محفوظ رکھے آمین ۔

وعدۂ معیت اہل انعام براطاعت احکام

مرافقت

اوپر سے سلسلۂ کلام اطاعتِ خدا و رسول کی ترغیب و تاکید کے بارہ میں چلا آرہا ہے اب اس آیت میں اطاعت پر ایک خاص بشارت اور مطیعین کے لیے ایک خاص وعدہ کا ذکر فرماتے ہیں وہ یہ کہ جو لوگ ضروری احکام میں خدا اور رسول کی اطاعت اور فرمانبرداری کریں جن کو مطیعین کہتے ہیں یہ لوگ اگرچہ فضائل و کمالات میں مرتبۂ کمال کو نہ پہنچے ہوں مگر بسبب اطاعت خدا اور رسول ان کو جنت میں کاملین یعنی نبیین و صدیقین اور شہداء و صالحین کی معیت اور مرافقت نصیب ہو گی باوجود قصور رتبہ کے ان کو اہل انعام کی معیت اور مرافقت کا شرف حاصل ہو گا جیسا کہ حدیث میں ہے المرأ مع من احب جو شخص خدا کے برگزیدہ بندوں سے محبت رکھے

گا وہ قیامت کے دن ان کے ساتھ ہوگا اور جو کفار و فجار سے محبت رکھے گا وہ قیامت کے دن ان کے ساتھ ہوگا۔

اس آیت کا شانِ نزول جیسا کہ حافظ ابن کثیرؒ اور حافظ سیوطیؒ نے متعدد اسانید کے ساتھ روایت کیا ہے یہ ہے کہ آپؐ کے آزاد کردہ غلام حضرت ثوبانؓ اور دیگر چند صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم آپ ہمیں ہماری جانوں اور اولاد سے زیادہ محبوب ہیں اور ہماری حالت یہ ہے کہ جب کبھی گھر میں آپ یاد آجاتے ہیں تو بے چین ہو جاتے ہیں اور جب تک آپ کو دیکھ نہیں لیتے تو صبر نہیں آتا خیر یہاں تو آپ کو دیکھ لیتے ہیں لیکن جب آخرت کا خیال آتا ہے تو دل بے چین ہو جاتا ہے کہ وہاں آپ کو کیسے دیکھ سکیں گے اسلیئے کہ آپ تو اعلیٰ علیین اور جنت کے اعلیٰ درجوں میں ہوں گے وہاں حاضر ہو کر ہم آپ کو کیسے دیکھ سکیں گے اس پر خدا تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور جو شخص اطاعت اور فرمانبرداری کرے اللہ کی اور رسول کی پس ایسے مطیع اور فرمانبردار لوگ قیامت کے دن ان برگزیدہ بندوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنا خاص الخاص انعام فرمایا یعنی انبیاء کرام اور صدیقین اور شہداء اور صالحین کے ساتھ ہوں گے۔

ہمچو بلبل دوستیٔ گل گزیں ∴ تا شوی باخبر من گل ہمنشیں
زاغ چوں سردار راشُد ہمنفس ∴ یار او سر دار خواہد بود و بس

جاننا چاہیئے کہ ساتھ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ سب ایک درجہ میں ہوں گے کیونکہ یہ تو محال ہے هُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ اللّٰهِ. اللہ تعالیٰ کے یہاں لوگوں کے درجے مختلف ہیں ساتھ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ نیچے کے درجہ والے اوپر کے درجے والوں سے ملتے رہیں گے درجات اور مراتب کا تفاوت زیارت اور ملاقات سے مانع نہ ہوگا جس طرح دنیا میں تفاوتِ درجات مانع ملاقات نہیں اسی طرح آخرت میں بھی مانع نہ ہوگا۔

حق جل شانہٗ نے اس آیت میں اہل انعام کی چار قسمیں ذکر فرمائیں انبیاء کرام۔ صدیقینؔ شہداءؔ۔ صالحینؔ اور ان چار کے علاوہ ایک پانچویں قسم مطیعین کی ذکر فرمائی جو درجہ اور مرتبہ میں ان چار قسموں سے کمتر اور فروتر ہیں اس پانچویں قسم یعنی مطیعین کے لیے حق تعالیٰ نے اس آیت میں یہ وعدہ فرمایا کہ مطیعین اگرچہ درجہ اور رتبہ میں اہل انعام سے کمتر ہیں مگر ہم ان مطیعین کو باوجود قصور رتبہ کے اہل انعام کی معیت اور مرافقت سے نوازیں گے اور یہ لوگ جنت میں ایک دوسرے کی زیارت سے مشرف ہوتے رہیں گے

حق جل شانہٗ نے اس آیت شریفہ میں مراتب کمالات انسانی کو ترتیب وار ذکر کیا ہے۔

پہلا مرتبہ نبوت کا ہے

جو تمام مراتب انسانی میں سب سے اعلیٰ مرتبہ ہے نبی وہ برگزیدہ شخص ہے جس کو خدا تعالیٰ نے اپنا پیغام دیکر بندوں کے پاس بھیجا ہو اور اس پر اللہ کی وحی نازل ہوتی ہو اب یہ مرتبہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگیا آپؐ کے بعد کسی کو نبوت نہیں ملے گی حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے قریب آسمان سے نازل ہوں گے بے شک وہ نبی ہوں گے مگر ان کو نبوت حضور پرُ نورؐ سے پہلے مل چکی ہے۔

دوسرا مرتبہ صدیقیت کا ہے

نبوت کے بعد دوسرا مرتبہ صدیقیت کا ہے نبی کے بعد سب سے افضل صدیق ہوتا ہے صدیق وہ ہے کہ جس کی رگ و پے میں ظاہر اور باطن میں صدق ایسا سرایت کر گیا ہو کہ کذب کے جزء لایتجزیٰ کی بھی اس میں گنجائش نہ رہی ہو اور پیغمبر خدا جو حق اور صدق لے کر آیا ہے سنتے ہی اس کی بلا دلیل اور بلا تردد و تأمل صدقِ دل سے اس طرح تصدیق کرے کہ گویا کہ یہ اس کے دل کی آواز ہے اور جب نبی اس کو دعوت دے تو فوراً وہ اپنے نورِ قلب سے اس کی نبوت کو پہچان لے اور اس کی تصدیق کرے جس طرح کہ ابوبکر صدیقؓ اس امت مرحومہ کے صدیق اکبر تھے کہ بلا تردد و تامل نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی تصدیق کی

چشم احمد بر ابوبکرؓ ے زدہ
از یکے تصدیق صدیق آمدہ

بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ آیت میں صدیقین سے مراد وہ لوگ ہیں کہ جو دین کے تمام امور کی تصدیق کریں اور ان کو دین میں ذرہ برابر بھی شک نہ ہو جیسا کہ حق جل شانہٗ کا یہ ارشاد ہے وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ یعنی جو لوگ اللہ اور اسکے رسولوں پر ایمان لائے وہی صدیق ہیں اور اس امت میں اس وصف میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سب کے پیشوا اور مقتدا ہیں سب سے پہلے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور ہر موقعہ پر نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے کوئی مشہد اور غزوہ ایسا نہیں جس میں ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ نہ ہوں یارِ غار جس طرح غار میں آپؐ کے ساتھ تھے اسی طرح وفات کے بعد آپؐ کے پہلو میں مدفون ہیں۔

تیسرا درجہ شہادت کا ہے صدیقیت کے بعد درجہ شہادت کا ہے جیسا کہ حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کو حاصل ہوا شہید وہ ہے جو پیغمبر کے حکم پر اپنی جان قربان کرے

چوتھا درجہ صلاحیت کا ہے صالحین وہ لوگ ہیں کہ جو اپنے اعتقادات اور اعمال میں صحیح طریق پر ہوں یعنی ان کے اعتقادات اور اعمال میں کسی قسم کا خلل اور فساد نہ ہو لغت میں صلاح نقیض فساد کی ہے صالح اور نیک بخت وہ لوگ ہیں جن کی طبیعت نیکی ہی پر پیدا ہوئی اور اپنے نفس اور بدن کی اصلاح اور صفائی کر چکے ہیں (ماخوذ از موضح القرآن)

خلاصۂ کلام جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور فرمانبرداری میں لگے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو قیامت کے دن اہل انعام کے ساتھ گنے گا اور باوجود قصور رتبہ کے ان کو کاملین ہی کی شمار اور ذیل میں سے لیا جائے گا ان حضرات کی رفاقت اور معیت بھی بڑی دولت اور فضیلت کی بات ہے اور یہ فضیلت ان کو محض اللہ کے فضل وکرم سے ملی ہے ورنہ ان کی اطاعت اس کے لیے کافی نہ تھی اور رہروانِ آخرت کے لیے یہ گروہ بہترین رفیق طریق ہیں اور ان حضرات کی معیت اور رفاقت یہ محض اللہ کا فضل ہے کہ عمل تو تمہارا اس درجہ کا نہ تھا مگر حق تعالیٰ نے محض اپنے فضل اور مہربانی سے تم پر یہ انعام کیا کہ کاملین کی معیت اور رفاقت سے سرفراز کیا ورنہ قاعدہ کا اقتضاء یہ تھا کہ ہر عمل کا اجر اسی کے درجہ کے مطابق دیا جائے اور اللہ تعالیٰ کافی ہے جاننے والا اس کو خوب معلوم ہے کہ یہ اطاعت کس درجہ کی ہے اور استحقاق سے زیادہ کسی کو کچھ دیدینا یہ فضل ہے ۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا خُذُوا حِذْرَكُمْ

اے ایمان والو کر لو خبر داری پھر

فَانفِرُوا ثُبَاتٍ أَوِ انفِرُوا جَمِيعًا ﴿٧١﴾ وَإِنَّ

کوچ کرو جدی جدی فوج یا سب اکٹھے اور تم میں

مِنكُمْ لَمَن لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَإِنْ أَصَابَتْكُم مُّصِيبَةٌ قَالَ

کوئی ایسا ہے کہ البتہ دیر لگاوے گا پھر اگر تم کو مصیبت پہنچے کہے

قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ﴿۷۲﴾

اللہ نے مجھ پر فضل کیا کہ میں نہ ہوا ان کے ساتھ

وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ

اور اگر تم کو پہنچا فضل اللہ کی طرف سے تو اس طرح کہنے لگے گا

لَّمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ

کہ گویا نہ تھی تم میں اور اس میں کچھ دوستی اے کاش کہ میں

مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۳﴾ فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ

ہوتا ان کے ساتھ تو بڑی مراد پاتا سو چاہیے لڑیں اللہ کی

اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ؕ وَ

راہ میں جو لوگ بیچتے ہیں دنیا کی زندگی آخرت پر اور

مَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ

جو کوئی لڑے اللہ کی راہ میں پھر مارا جاوے یا غالب ہووے

فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۷۴﴾ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ

ہم دیں گے اس کو بڑا ثواب اور تم کو کیا ہے کہ نہ لڑو

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ

اللہ کی راہ میں اور واسطے ان کے جو مغلوب ہیں مرد

وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا

اور عورتیں اور لڑکے جو کہتے ہیں اے رب ہمارے نکال ہم کو

مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ

اس بستی سے کہ ظالم ہیں لوگ اس کے اور پیدا کر ہمارے واسطے

لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۙۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ۗ ﴿۷۵﴾

اپنے پاس سے کوئی حمایتی اور پیدا کر ہمارے واسطے اپنے پاس سے مددگار

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ

وہ جو ایمان والے ہیں سو لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں اور وہ جو

كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا

منکر ہیں سو لڑتے ہیں مفسدوں کی راہ میں سو لڑو تم

اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ﴿۷۶﴾ ع ۱۰ ۷

شیطان کے حمایتیوں سے بے شک فریب شیطان کا سست ہے

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا

تو نے نہ دیکھے وہ لوگ جن کو حکم ہوا تھا کہ اپنے ہاتھ بند رکھو اور قائم

الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ

کرو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ پھر جب حکم ہوا ان پر لڑائی کا

اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ

اسی وقت ان میں ایک جماعت ڈرنے لگی لوگوں سے جیسا

اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ

ڈرہو اللہ کا یا اس سے زیادہ ڈر اور کہنے لگے اے رب ہمارے کیوں فرض کی ہم پر لڑائی

لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۭ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا

کیوں نہ جینے دیا ہم کو تھوڑی سی عمر تو کہہ فائدہ دنیا کا

قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۣ وَلَا تُظْلَمُوْنَ

تھوڑا ہے اور آخرت بہتر ہے پرہیزگار کو اور تمہارا حق نہ رہے گا

فَتِيْلًا ﴿۷۷﴾ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ

ایک تاگا جہاں تم ہو گے موت تم کو آپکڑے گی اگرچہ تم ہو

فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ۭ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا

مضبوط برجوں میں اور اگر پہنچے لوگوں کو کچھ بھلائی کہیں

هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا

یہ ہے اللہ کی طرف سے اور اگر ان کو پہنچے برائی کہیں یہ

هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ۭ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ فَمَالِ

تیری طرف سے تو کہہ سب اللہ کی طرف سے ہے سو کیا

هٰٓؤُلَاۗءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ﴿۷۸﴾

حال ہے ان لوگوں کا لگتے نہیں کہ سمجھیں ایک بات

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۡ وَمَآ اَصَابَكَ

جو تجھ کو بھلائی پہنچے سو اللہ کی طرف سے اور جو تجھ کو برائی

مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ۭ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ

پہنچے سو تیرے نفس کی طرف سے اور ہم نے تجھ کو بھیجا پیغام

رَسُوۡلًا ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيۡدًا ﴿۷۹﴾ مَنۡ يُّطِعِ الرَّسُوۡلَ

پہنچانے والا لوگوں کو اور اللہ بس ہے سامنے دیکھتا جس نے حکم مانا رسول کا اس

فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنۡ تَوَلّٰى فَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ عَلَيۡهِمۡ

نے حکم مانا اللہ کا اور جو الٹا پھرا تو ہم نے تجھ کو نہیں بھیجا ان پر

حَفِيۡظًا ﴿۸۰﴾ وَيَقُوۡلُوۡنَ طَاعَةٌ ۖ فَاِذَا بَرَزُوۡا مِنۡ

نگہبان اور کہتے ہیں کہ قبول پھر جب باہر گئے تیرے

عِنۡدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنۡهُمۡ غَيۡرَ الَّذِىۡ تَقُوۡلُ ؕ

پاس سے مشورت کرتے ہیں. بعضے ان میں رات

وَاللّٰهُ يَكۡتُبُ مَا يُبَيِّتُوۡنَ ۚ فَاَعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ وَتَوَكَّلۡ

کو سوائے تیری بات کے اور اللہ لکھتا ہے جو ٹھہراتے ہیں سو تو تغافل کر ان سے اور

عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيۡلًا ﴿۸۱﴾ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوۡنَ

بھروسہ کر اللہ پر اور اللہ بس ہے کام بنانے والا کیا غور نہیں کرتے قرآن

الۡقُرۡاٰنَ ؕ وَلَوۡ كَانَ مِنۡ عِنۡدِ غَيۡرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوۡا

میں اور اگر یہ ہوتا کسی اور کا سوائے اللہ کے تو پاتے

فِيۡهِ اخۡتِلَافًا كَثِيۡرًا ﴿۸۲﴾ وَاِذَا جَآءَهُمۡ اَمۡرٌ مِّنَ الۡاَمۡنِ

اس میں بہت تفاوت اور جب ان پاس پہنچتی ہے کوئی خبر امن

اَوِ الۡخَوۡفِ اَذَاعُوۡا بِهٖ ؕ وَلَوۡ رَدُّوۡهُ اِلَى الرَّسُوۡلِ وَ

کی یا ڈر کی اس کو مشہور کرتے ہیں اور اگر اس کو پہنچاتے رسول تک اور

إِلَىٰٓ أُولِى الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنۢبِطُونَهُ

اپنے اختیار والوں تک تو تحقیق کرتے اس کو جو ان ہیں تحقیق کرنے والے ہیں

مِنْهُمْ ۗ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَاتَّبَعْتُمُ

اس کی اور اگر نہ ہوتا فضل اللہ کا تم پر اور اس کی مہر تو تم

الشَّيْطَٰنَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۸۳﴾ فَقَٰتِلْ فِى سَبِيلِ اللَّهِ ۚ لَا

شیطان کے پیچھے جاتے مگر تھوڑے سو تو لڑ اللہ کی راہ میں تجھ پر

تُكَلَّفُ إِلَّا نَفْسَكَ ۚ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ ۖ عَسَى اللَّهُ

ذمہ نہیں مگر اپنی جان سے اور تاکید کر مسلمانوں کو قریب ہے کہ اللہ

أَن يَكُفَّ بَأْسَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ وَاللَّهُ أَشَدُّ بَأْسًا وَ

بند کرلے لڑائی کافروں کی اور اللہ سخت ہے لڑائی والا

أَشَدُّ تَنكِيلًا ﴿۸۴﴾

اور سخت ہے سزا دینے والا

حکم بستم وجوب جہاد برائے احیاء دین وتخلیص ضعفاء ومظلومین

قال تعالیٰ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَکُمْ .... الیٰ .... وَاَشَدُّ تَنْکِیْلًا ٥

(ربط) گزشتہ آیات میں اہل کتاب اور منافقین اور اعداء دین کی شرارتوں کا ذکر تھا اب ان آیات میں مسلمانوں کو ان سے جہاد کا حکم دیتے ہیں جو احیاء دین اور اعلاء کلمۃ اللہ کا ذریعہ ہے اور بدسرشتوں کے قلع قمع کا بہترین طریقہ ہے اور جو مسلمان کافروں کے پنجۂ ظلم میں بے طرح گرفتار ہیں ان کی خلاصی اور رہائی کی سبیل ہے اور جہاد فی سبیل اللہ اطاعت خدا اور رسول صلے اللہ علیہ وسلم کا (جس کا ماقبل میں ذکر تھا) اعلیٰ اور اکمل فرد ہے جس سے اندرونی اخلاص اور نفاق ظاہر ہو جاتا ہے کیونکہ جہاد کا حکم منافقین پر بہت شاق اور گراں گذرتا ہے اسی وجہ سے یہاں سے لے کر چھ رکوع

تک اسی مضمون کے متعلقات کا بیان چلا گیا ہے۔

اور اس ضمن میں حق جل شانہ، نے منافقین کی ایک عجیب کیفیت بیان فرمائی وہ یہ کہ جب کسی غزوہ میں مسلمانوں کو شکست ہوتی ہے تو یہ منافقین بہت خوش ہوتے ہیں اور اپنے شریک جنگ نہ ہونے کو انعام الٰہی سمجھتے ہیں اور جب مسلمانوں کو فتح ہوتی ہے تو بہت پچھتاتے ہیں اور حسرت سے یہ کہتے ہیں کہ کاش ہم بھی شریک جنگ ہوتے تو ہم کو بھی مال غنیمت میں سے حصہ ملتا چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو! ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ خدا کا بول بالا کرنے کے لیے دشمنانِ خدا سے جہاد و قتال کرو خدا اور رسول کی بہترین اطاعت یہ ہے کہ اس کی راہ میں جانبازی و سرفروشی دکھلاؤ مگر اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو تم اپنی احتیاط اور بچاؤ کو پوری طرح ملحوظ رکھو پس ہتھیاروں اور سامان جنگ اور تدبیر عقل سے اور تیر و تلوار سے درست ہو کر اور دشمن کے داؤ گھات سے ہوشیار اور باخبر ہو کر دشمنوں سے مقابلہ اور مقاتلہ کے لیے گھر سے باہر نکلو خواہ متفرق اور دستے دستے بن کر نکلو یا سب مجتمع اور اکٹھے ہو کر ایک لشکر عظیم کی صورت میں دشمن کے مقابلہ کے لیے نکلو جیسا موقع اور مصلحت ہو ویسا کرو اور تحقیق تم سے بعض ایسے بھی ہیں مراد اس سے منافقین ہیں جو تمہارے ساتھ جہاد میں نکلنے سے دیر کرتا ہے۔ یعنی جہاد میں تمہارے ساتھ شریک نہیں ہوتے پھر اگر جہاد اور لڑائی میں تم کو کوئی مصیبت پہنچ جاتی ہے جیسے شکست وغیرہ تو یہ منافق خوش ہو کر یہ کہتا ہے تحقیق اللہ تعالیٰ نے مجھ پر بڑا ہی فضل کیا کہ میں ان لوگوں کے ساتھ لڑائی میں حاضر نہ ہوا اور اگر تمہیں حق تعالیٰ کا فضل پہنچے اور لڑائی میں تم فتحیاب ہو جاؤ اور کچھ مال غنیمت تم کو مل جائے تو یہ منافق نہایت حسرت کے ساتھ اس طرح کہتا ہے کہ گویا تمہارے اور اس کے درمیان کبھی کوئی دوستانہ تعلق ہی نہ تھا مالی اور دنیوی نفع کے فوت ہونے پر اس طرح کہتا ہے اے کاش میں ان کے ساتھ ہوتا تو بڑی مراد پاتا۔ یعنی ان منافقین کا مطمح نظر فقط دنیاوی نفع ہے مالی فائدہ کو وہ اپنی بڑی کامیابی سمجھتے ہیں خدا کی فرمانبرداری سے ان کو کوئی سروکار نہیں مطلب یہ ہے کہ اگر خدا کے فضل سے مسلمانوں کو فتح ہو گئی اور بہت سامان غنیمت ہاتھ آ گیا تو یہ منافق پچھتاتے ہیں اور دشمنوں کی طرح غلبۂ حسد سے کف افسوس ملتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ افسوس اگر میں بھی جہاد میں مسلمانوں کے ساتھ ہوتا تو مجھ کو بھی بڑی کامیابی نصیب ہوتی یعنی مال غنیمت میں سے حصہ ملتا پس مسلمانوں کو چاہیے کہ ان دنیا طلب لوگوں کی طرح دنیاوی نفع پر نظر نہ رکھیں اور یہ منافقین اگر دنیوی منافع کو تکتے رہتے ہیں تو تکتے رہیں مگر جو لوگ دنیاوی زندگی کو فروخت کر کے اس کے بدلے آخرت لے رہے ہیں اور دنیائے فانی پر لات مار چکے ہیں ان کو چاہیے کہ خدا کی راہ میں دشمنانِ خدا سے محض خدا کے لیے جہاد و قتال کریں دنیاوی زندگی اور اس کے مال و دولت پر نظر نہ رکھیں اور جو خدا کی راہ میں جنگ کرے پھر مارا جائے یا دشمن پر غالب آوے تو ہر حالت میں ہم اس کو ضرور اجر

عظیم دیں گے جس کے سامنے دنیاوی منافع کی کوئی حقیقت نہیں آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر ہم بالفرض تم سے اجر عظیم کا وعدہ بھی نہ کرتے تب بھی تم پر دو وجہ سے کافروں سے لڑنا ضروری ہے ایک تو یہ کہ اللہ کا دین غالب اور بلند ہو دوسرے یہ کہ جو مظلوم مسلمان مکہ میں کافروں کے پنجہ میں گرفتار ہیں اور جو معصوم بچے ان کے ظلم وستم کا نشانہ بنے ہوتے ہیں ان کی نجات اور رہائی کی صورت نکلے چنانچہ فرماتے ہیں اور تم کو کیا ہوا کہ تم خدا کی راہ میں جہاد و قتال نہ کرو اور اس کا بول بالا کرنے کے لیے اس کے دشمنوں سے نہ لڑو اور تم کو کیا ہوا کہ تم بے چارہ اور بے بس مردوں اور عورتوں اور بچوں کے چھڑانے کے لیے نہیں لڑتے جو کفار کی اذیتوں سے تنگ آکر یہ دعا مانگتے ہیں اے ہمارے پروردگار کسی طرح ہم کو اس بستی سے نکال جس کے باشندے بڑے ہی ظالم اور ستم گر ہیں جن کے ساتھ نباہ بہت ہی مشکل ہے اور اپنے پاس سے ہمارے لیے کوئی کارساز مقرر کر دیجیے جو ہمارے دین وایمان کی حفاظت کر سکے اور اپنے پاس سے ہمارے لیے کوئی مددگار مقرر کر دیجیے جو کافروں کے مقابلہ میں ہماری مدد کر سکے اور ان ظالموں کے پنجہ سے ہم کو چھڑائے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو ان کی حمایت کے لیے کھڑا کیا۔ چنانچہ آپ نے مکہ فتح کیا اور کافروں کے ہاتھ سے ان کو چھڑایا اور عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو ان پر حاکم مقرر کیا جو مظلوموں کی مدد کرتے تھے اور زبردست سے کمزور کا بدلہ لیتے تھے جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ بتقاضائے ایمان خدا کی راہ میں لڑتے ہیں تاکہ اللہ کا دین سربلند ہو اور حق باطل پر غالب آجائے اور جو لوگ کافر ہیں وہ معبود باطل کی راہ میں لڑتے ہیں تاکہ دنیا میں طغیان اور سرکشی اور گمراہی کا خوب دور دورہ ہو اور نفس اور شیطان کے مقابلہ میں نیکی اور سچائی کا اثر بڑھنے نہ پائے پس اے خدا کے دوستو! تم شیطان کے دوستوں سے جنگ کرو اور ان کے کید اور مکر کی پروا نہ کرو تحقیق شیطان کا داؤ اور فریب بہت کمزور ہے خدا کے دوستوں کے مقابلہ میں کارگر نہیں ہو سکتا تمہارا حامی اور مددگار اللہ ہے تمہارے مقابلہ میں ان کا لشکر نہیں ٹھہر سکتا لہٰذا تم خدا پر نظر کر کے خدا کی راہ میں جہاد وقتال کرو اور ہرگز ان سے نہ ڈرو ان کی سب تدبیریں غلط ہو جائیں گی تم غالب ہوگے اور وہ مغلوب۔

پادری لوگ مسئلہ جہاد پر یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ دین کے سلسلہ میں تو صرف وعظ وپند پر اکتفا کرنا چاہیئے قتل وقتال کی کیا ضرورت ہے جیسا کہ حضرت مسیح ؑ نے کیا اس آیت میں اس اعتراض کے جواب کی طرف اشارہ ہے کہ شیطان کے دوست تو شیطان کی راہ میں باطل اور دنیاوی اور نفسانی اغراض کے لیے لڑتے ہیں ان پر تو تم اعتراض نہیں کرتے اور جو حق اور صداقت کی نصرت اور حمایت کے لیے خدا کی راہ میں لڑتے ہیں اس کو تم معیوب سمجھتے ہو۔

شکایت دوستاں بر تمنائے التوار حکم جہاد

گزشتہ آیات میں جہاد و قتال کی ترغیب تھی اب ان آیات میں پھر جہاد پر جوش اور غیرت دلائی جاتی ہے اور اس بارہ میں ایک خاص شکایت کی جاتی ہے وہ یہ کہ جب مسلمان مکہ مکرمہ میں کفار کی اذیتوں اور مظالم سے تنگ آگئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ ہم ان لوگوں سے سخت تنگ آگئے ہیں آپ ہم کو اجازت دیں کہ ہم ان سے جہاد و قتال کریں آپؐ نے ارشاد فرمایا ابھی تک جہاد کی اجازت نازل نہیں ہوئی لہٰذا فی الحال تم صبر کرو اور اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو اور حسب دستور نماز پڑھتے رہو اور زکوٰۃ[1] دیتے رہو ہجرت کے بعد جب جہاد کی اجازت ملی تو بعضے کچے مسلمان اور دل کے کمزور طبعی طور پر ڈرنے لگے اور موت کے خوف سے یہ کہنے لگے کہ کاش اگر اور تھوڑی مدت جہاد و قتال کا حکم نازل نہ ہوتا تو اچھا ہوتا اس پر اللہ تعالیٰ نے شکایت فرمائی کہ جب جہاد کا حکم نازل ہوا تو تم ڈرنے لگے تم کو خوش ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری درخواست قبول کی اور تمہاری دلی تمنا اور آرزو پوری ہوئی یا تو پہلے یہ زور و شور تھا یا اب یہ بے نمکی ہے اور آئندہ انکو نصیحت فرماتا ہے کہ دنیا تو چند روزہ ہے اسکے آرام و تکلیف کا خیال نہ کرو موت اپنے وقت مقرر پر آئیگی وقت سے پہلے نہ آئیگی اسلیئے اس کا خوف بے سود ہے یہ دنیا فانی یا تو خواب ہے یا سراب ہے۔

دنیا خوابیست زندگانی درو ے ∴ خوابست کہ درخواب بہ بینی آنرا

چنانچہ فرماتے ہیں کہ کیا آپ نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا کہ جنکو ابتداء میں یہ حکم ہوا تھا کہ ابھی اپنے ہاتھوں کو جہاد و قتال سے روکے رکھو اور حسب سابق نماز کو قائم رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو یہ حکم ہجرت سے پہلے تھا پس جب ہجرت کے بعد انپر جہاد و قتال فرض کر دیا گیا تو ناگہاں ایک گروہ ان میں سے اپنے مخالف لوگوں سے ایسا ڈرنے لگا جیسے خدا سے ڈرنا چاہیئے بلکہ اس سے بھی زیادہ ڈرنے لگا اس گروہ سے یا تو منافقین کا گروہ مراد ہے یا ضعیف الایمان اور کمزور اور کچے مسلمان مراد ہیں اور یہ خوف انکا طبعی تھا اعتقادی نہ تھا کہ معاذ اللہ دل سے حکم خداوندی کو ناپسند کرتے ہوں جیسے مؤمن موت کو حق سمجھتا ہے مگر طبعًا موت اسکو گراں معلوم ہوتی ہے اسلیئے بعض ضعیف الایمان طبعی کمزوری کی بناء پر برائے چندے التواء جہاد کی تمنا اور آرزو میں یہ کہنے لگے اے ہمارے پروردگار آپ نے ابھی سے ہم پر جہاد و قتال کو فرض کر دیا کیوں نہ ڈھیل دی آپ نے ہم کو ایک قریبی وقت تک یعنی ذرا اور بے فکری سے جی لیتے ضعیف الایمان مسلمانوں کا یہ کہنا بطور اعتراض نہ تھا بلکہ طبعی کمزوری کی بناء پر بطور حسرت اور تمنا تھا ان پر کوئی گناہ نہیں ہوا آگے اس کا جواب ارشاد ہے اے نبی کریمؐ آپ کہدیجیئے کہ دنیا کی بہرہ مندی بہت تھوڑی ہے دنیا کے فوائد فنا اور زائل ہونے والے ہیں اُن سے دل لگانا نہیں چاہیئے لہٰذا اس التواء کی تمناء بے سود ہے آخر تا بکے۔ اور آخرت پرہیزگار کے لیئے دنیا سے بدرجہا بہتر ہے اور نعماء آخرت کے حصول کا بہترین ذریعہ یہ جہاد ہے اور آخرت میں تم پر تاگے

---

[1] مکی آیتوں میں جو زکوٰۃ کا ذکر ہے بعض علماء کے نزدیک اس سے فقراء اور محتاجین کے ساتھ سلوک اور احسان کرنا مراد ہے یا یوں کہو کہ اجمالی طور پر زکوٰۃ کا حکم اگرچہ مکی آیتوں میں ہے مگر زکوٰۃ کی مقدار اور انصاب کی تفصیل مدینہ جا کر ہوئی۔ واللہ اعلم۔

کے برابر بھی ظلم نہ ہوگا خوب سمجھ لو کہ اگر جہاد نہ بھی کیا تو موت سے بچ نہیں سکتے جس جگہ بھی تم ہوگے تو موت تم کو آپکڑے گی اگرچہ تم مضبوط محلوں میں ہو جہاں اگرچہ قاتل نہ پہنچ سکے لیکن موت کا فرشتہ تو ضرور پہنچ جاتا ہے لہذا موت کے ڈر سے جہاد سے جان چرانا نادانی ہے اور اسلام میں کمزوری اور کچے ہونے کی دلیل ہے

منافقین کے ایک خیال خام کی تردید

آئندہ آیات میں منافقین کے ایک خیال خام کا دفعیہ فرماتے ہیں جو بعض منافقین کو ہوتا تھا وہ یہ کہ جب کبھی جہاد میں کوئی فتح و نصرت ہوئی اور مال غنیمت ہاتھ آتا تو یہ کہتے کہ یہ اللہ کی طرف سے اتفاقاً بات بن گئی ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تدبیر کے قائل نہ ہوتے اور جب کبھی شکست ہوتی اور کچھ نقصان پہنچتا تو اس کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتے اور یہ کہتے کہ یہ مصیبت آپ کی اور آپؐ کے اصحاب کی نحوست سے ہم کو پہنچی ہے آئندہ آیت میں منافقین کی اس بے ہودہ بات کا جواب دیتے ہیں اور اگر پہنچتی ہے ان منافقین کو کوئی نعمت اور راحت یعنی خوشحالی اور کامرانی تو یہ کہتے کہ یہ منجانب اللہ اتفاقاً ہوگئی ہے اس میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی تدبیر کو کوئی دخل نہیں جیسے محاورہ میں کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ بات تو منجانب اللہ ہے یعنی تمہاری تدبیر کا نتیجہ نہیں اور اگر ان منافقین کو کوئی برائی اور تکلیف پہنچ جائے تو یہ کہتے ہیں کہ (اے محمدؐ) یہ مصیبت اور بلا آپ کے پاس سے آئی ہے یعنی یہ آپ کی نحوست ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر جب مدینہ منورہ رونق افروز ہوئے تو ان ایام میں مدینہ میں غلہ اور پھلوں کی افراط تھی اور ہر چیز کا نرخ ارزاں تھا پھر جب منافقوں نے اپنے نفاق کا اور یہودیوں نے اپنی عناد کا اظہار کیا تو خدا تعالیٰ نے ان کے رزق میں کسی قدر تنگی کردی پیداوار کم ہوئی اور نرخ چڑھ گیا اس پر یہودیوں اور منافقوں نے کہا کہ جب سے یہ شخص ہمارے شہر میں آیا ہے اسی وقت سے ہمارے پھلوں اور کھیتوں میں نقصان ہونے لگا اس آیت میں انہی منافقوں کا بیان ہے پس حسنہ (بھلائی) سے مراد پیداوار کی کثرت اور نرخ کی ارزانی ہے اور سیئۃ (برائی) سے مراد قحط اور مہنگائی ہے اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بھلائی سے مراد فتح اور غنیمت ہے اور برائی سے مراد قتل اور ہزیمت ہے بہرحال جو بھی مراد ہو حسنہ اور سیئۃ کا لفظ سب کو شامل ہے۔

اور اس روایت کی بناء پر مطلب یہ ہے کہ اگر لڑائی میں مسلمانوں کو فتح ہوتی ہے اور غنیمت ان کے ہاتھ آتی ہے جیسے بدر میں تو منافق یہ کہتے ہیں کہ یہ فتح اور غنیمت اللہ کی

طرف سے اتفاقاً پیش آگئی ہے اور مسلمان جو اس فتح کو اپنی تائید غیبی اور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی دلیل نبوت اور برہان صداقت سمجھتے ہیں یہ سب غلط ہے یہ فتح محض ایک اتفاقی امر ہے اور اگر مسلمانوں کی شکست ہوتی ہے جیسے احد میں تو کہتے ہیں کہ یہ بات محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے یعنی آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی بے تدبیری کا نتیجہ ہے آپ ان کے جواب میں یہ کہہ دیجئے کہ یہ سب اللہ کی طرف سے ہے یعنی فتح و شکست اور قتل اور غنیمت اور سما اور ارزانی اور قحط اور گرانی سب خدا ہی کے طرف سے ہے میرا ان میں کوئی دخل نہیں جو امور باعث آرام ہیں وہ خدا تعالیٰ کا انعام ہیں اور جو باعث تکلیف ہیں وہ اس کی طرف سے ابتلاء اور آزمائش ہیں پس کیا حال ہے ان منافقین کا کہ ایک بات کے سمجھنے کے پاس نہیں جاتے یعنی ان کو اتنی سمجھ نہیں کہ بھلائی اور برائی سب اللہ کی طرف سے ہے انسان کا اس میں کوئی دخل نہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اگر ان منافقین کو عقل ہوتی تو سمجھ لیتے کہ ہر راحت اور مصیبت کا خالق اور موجد حق تعالیٰ ہی ہے ارزانی اور گرانی اور فتح اور شکست سب اللہ ہی کی قضاء و قدر سے ہے اس میں کسی دوسرے کو دخل نہیں اور پیغمبر کی تدبیر بھی اللہ کی قضا و قدر سے ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کے الہام سے ہے لہٰذا نبی پر تمہارا الزام رکھنا غلط اور کم فہمی ہے اور بگڑے کو بگڑا نہ سمجھو یہ اللہ کی حکمت ہے اللہ تعالیٰ تم کو تمہاری تقصیروں پر متنبہ کرتا ہے اور تم کو سدھارتا اور سنوارتا اور آزماتا ہے یہ منافقین کے الزام کا اجمالی جواب ہوا آئندہ آیت میں اس کی تفصیل ہے اے انسان تجھ کو نعمت اور راحت اور بھلائی کی قسم سے جو چیز پہونچے تو وہ اللہ کی طرف سے ہے اور برائی کی قسم سے جو چیز تجھ کو پہنچے تو وہ تیرے نفس کی طرف سے ہے مطلب یہ ہے کہ انسان کو جو نعمت اور راحت پہنچتی ہے وہ محض اللہ کا فضل اور احسان ہے اور جو تکلیف اُسے پہنچتی ہے وہ اس کے اعمال کی شامت سے پہنچتی ہے۔

اس سے اوپر کی آیت میں حق تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا کہ بھلائی ہو یا برائی سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اس آیت میں یہ فرمایا کہ بھلائی تو اللہ کی طرف سے ہے اور برائی بندہ کی طرف سے ہے بظاہر ان دونوں باتوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے مگر درحقیقت تعارض نہیں دوسری آیت پہلی آیت کی تفصیل ہے۔

خلاصۂ جواب یہ ہے کہ عالم اسباب سے قطع نظر کرکے فاعل حقیقی اور مسبب الاسباب کی طرف خیال کرو تو ہر بھلائی اور برائی کا خالق اور موجد صرف وہی ہے اس اعتبار سے تمہارا بھلائی اور برائی میں تفرقہ کرنا یہ بھلائی تو اللہ کی طرف سے ہے اور یہ برائی رسول کی طرف سے ہے سراسر حماقت ہے فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا یعنی یہ لوگ ایسے نادان ہیں کہ اپنی حماقت کو بھی نہیں سمجھتے اور اگر عالم اسباب پر نظر کرتے ہو تو خوب سمجھ لو

کہ عالم اسباب میں تم کو جو خیر اور بھلائی پہنچتی ہے وہ محض اللہ کا فضل اور احسان ہے اس میں تمہارے کسی عمل کو دخل نہیں تم جو عمل صالح کرتے بھی ہو تو وہ بھی اللہ ہی کا فضل اور احسان ہے اس کی توفیق سے اور اس کی دی ہوئی قدرت سے اور اس کے دیئے ہوئے اعضاء اور جوارح سے کرتے ہو تمہارا وجود بھی اسی کا فضل اور احسان ہے اور اگر تم کو کوئی برائی اور تکلیف پہنچے تو سمجھ لو کہ وہ تمہارے اعمال بد کا نتیجہ ہے کما قال تعالیٰ وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ لہذا ادب کا مقتضیٰ یہ ہے کہ برائی کو اپنی طرف اور بھلائی کو خدا کی طرف منسوب کرو اور فتح اور کامرانی کو اللہ کا فضل جانو اور قحط اور گرانی اور شکست اور ناکامی کو اپنے اعمال کی شامت جانو پیغمبر خدا پر کوئی الزام نہ رکھو اور یقین رکھو کہ بھلائی اور برائی کا خالق اور موجد صرف حق تعالیٰ کی ذات والا صفات ہے تم کو جو برائی پہنچتی ہے بے شک اس کا خالق اور پیدا کرنے والا تو حق تعالیٰ ہی ہے مگر تمہارا عمل اس کا سبب ہے اور پیغمبر خدا اس برائی کے نہ خالق اور موجد ہیں اور نہ سبب ہیں لہذا پیش آمدہ برائی کو معاذ اللہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی نحوست بتلانا کمال حماقت ہے ۔

حق تعالیٰ شانہ منافقین کے الزام دور کرنے کے بعد نبی کریمؐ سے خطاب کرکے فرماتے ہیں اور اے نبی صلے اللہ علیہ وسلم، آپ کا سبب نحوست ہونا تو قطعًا ناممکن اور محال ہے اس لئے کہ ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے نفع اور ہدایت کے لیے پیغام دیکر بھیجا ہے تاکہ آپ لوگوں کو ہر خیر کی طرف دعوت دیں اور ہر شر سے ڈرائیں آپؐ کی ذات بابرکات تو ہر خیر اور رحمت کا منبع اور سرچشمہ ہے وہ نحوست کا سبب کیسے بن سکتی ہے نحوست کا منبع خود ان کا نفس امارہ ہے اور یہود اور منافقین جس برائی کا مشاہدہ کر رہے ہیں وہ ان کے اعمال کی شامت ہے اے نبی کریمؐ آپ ان کے بے ہودہ الزام کی پروا نہ کیجئے اور غمگین اور رنجیدہ نہ ہو جایئے اپنا کار رسالت کیے جایئے اور اگر یہ لوگ آپ کی رسالت کا انکار کریں تو اللہ تعالیٰ آپ کی رسالت کا کافی گواہ ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو معجزات عطا کیے ہیں وہ سب من جانب اللہ آپ کی نبوت و رسالت کے گواہ ہیں اور ظاہر ہے کہ رسالت اور نحوست کا اجتماع عقلاً ناممکن ہے نحوست جب آتی ہے تو بارگاہ رسالت کی مخالفت سے آتی ہے اس لیے کہ جس کسی نے رسول کی اطاعت کی تو تحقیق اس نے بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت موجب خیر و برکت اور باعث رحمت ہے نہ کہ باعث شؤم و نحوست اور جو آپ کی اطاعت سے اعراض کرے تو اس کو اختیار ہے کہ خیر و برکت سے روگردانی کرکے نحوست میں داخل ہو جائے ہم نے آپ کو ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا کہ آپ جبراً و قہراً ان کو نحوست سے بچالیں یا نکال لیں آپ بے فکر رہیں ان کے بارہ میں آپ سے کوئی باز پرس نہ ہوگی آپ کا کام پیغام پہنچا دینا ہے۔

فرستادۂ خاص پروردگار ٭ رسانندۂ حجت استوار
گرامایہ تر تاج آزادگاں ٭ گرامی تر از آدمی زادگاں

بیان حقیقت حال منافقین

اور منافقین کی حالت یہ ہے کہ بظاہر نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا دم بھرتے ہیں اور آپ کے سامنے یہ کہتے ہیں ہمارا شیوہ تو آپ کی فرمانبرداری ہے زبان سے تو اظہار فرمانبرداری کرتے ہیں پھر جب آپ کی مجلس سے اٹھ کر باہر جاتے ہیں تو ان میں کے کچھ لوگ یعنی ان کے سردار رات کے وقت آپ کے فرمودہ اور حکم کے برخلاف مشورے کرتے ہیں اور ان کو یہ معلوم نہیں کہ یہ جو کچھ مشورے کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ان کے نامہائے اعمال میں لکھتا ہے اور پھر بذریعہ وحی کے اپنے نبی کو ان کے پوشیدہ مشوروں سے مطلع کرتا ہے اور منافقین یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے پوشیدہ مشوروں کی کسی کو کیا خبر ہو سکتی ہے بس اے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ پر ان کا نفاق ظاہر کر دیا ہے لہذا آپ ان سے تغافل برتیئے نہ ان کو سزا دیں نہ ان کی فکر میں پڑیں اور اللہ پر بھروسہ رکھیئے اور خدا تعالیٰ پورا کارساز ہے خدا تعالیٰ آپ کو ان کے شر سے محفوظ رکھے گا یہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔

اثبات رسالت محمدیہ باعجاز قرآن

اوپر کی آیتوں میں خدا تعالیٰ نے منافقین کی انواع و اقسام کی دو رنگیاں اور دغا بازیاں بیان کیں جن کا اصل منشاء اور سبب یہ تھا کہ وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو دعوائے رسالت میں سچا نہیں سمجھتے تھے اور قرآن کریم کو کلام الہٰی نہیں جانتے تھے اس لیے اس آیت میں ان کو یہ حکم دیا کہ تم قرآن میں غور و فکر کرو جو آپ کی نبوت کی سب سے بڑی دلیل ہے اگر تم نے اس میں صدق دل سے غور و فکر کیا تو تم پر روز روشن کی طرح یہ امر واضح ہو جائے گا کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کے رسولِ برحق ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کیا یہ منافقین قرآن میں غور و فکر نہ کریں گے تاکہ اس کے اسرار بلاغت اور دلائل اعجاز کو دیکھ کر اس کا کلام الٰہی ہونا ان پر واضح ہو جائے اور یہ سمجھ جائیں کہ جس پر یہ کلام الہٰی نازل ہوا ہے وہ بلاشبہ خدا کا رسول ہے
اس لیے کہ اس قرآن کی فصاحت و بلاغت ایسی بے نظیر ہے جو طاقت بشری سے باہر

ہے اور اس کے تمام احکام عین حکمت اور عین صواب ہیں اور جا بجا قرآن میں غیب کی خبریں ہیں جن کا علم سوائے خدا کے کسی کو نہیں ہو سکتا گزشتہ کی اس میں خبریں ہیں اور آئندہ کی اس میں پیشین گوئیاں ہیں اور یہ سب کو معلوم ہے کہ حضور پر نور اُمّی ہیں پڑھے لکھے نہیں جو کسی سے پڑھ کر یا کسی کتاب کو دیکھ کر یہ علوم و معارف بیان کرتے ہوں جس سے بخوبی ثابت ہوا کہ بلاشبہ یہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور آپ اپنے دعوائے رسالت میں سچے ہیں اور اگر یہ قرآن غیر اللہ کی طرف سے ہوتا یعنی اگر خدا کا کلام نہ ہوتا بلکہ معاذ اللہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا بنایا ہوا ہوتا یا کسی اور بشر کا کلام ہوتا جیسا کہ مخالفین اسلام کہتے ہیں تو ضرور پاتے اس میں بہت سخت اختلاف اور تناقض اور تفاوت کوئی خبر اسکی صحیح ہوتی اور کوئی غلط کوئی جملہ اس کا فصیح ہوتا اور کوئی رکیک مگر اس میں کسی قسم کا اختلاف اور تناقض نہیں فصاحت و بلاغت میں اول سے آخر تک یکساں ہے اس کے ایک بیان سے دوسرے بیان کی تصدیق ہوتی ہے اس کی پیشین گوئیاں تمام صحیح اور واقع کے مطابق ہیں باہمی تناقض اور اختلاف کا نام و نشان نہیں اور ظاہر ہے کہ غیب کا علم سوائے خدا تعالیٰ کے کسی کو نہیں

ان باتوں سے ہر شخص بخوبی یہ سمجھ سکتا ہے کہ قرآن خدا کا کلام ہے۔ کیونکہ بشر کا کلام ایک اسلوب اور ایک حال پر کبھی بھی نہیں رہ سکتا بشر پر مختلف احوال پیش آتے ہیں ہر حالت میں اسی حالت کے مطابق کلام کرتا ہے دوسری حالت کا دھیان نہیں رہتا نیز آدمی جب کلام طویل کرتا ہے تو وہ یکساں نہیں ہوتا بلکہ کوئی جملہ فصیح ہوتا ہے اور کوئی غیر فصیح اور قرآن عظیم اتنی بڑی کتاب ہے اس کا ان جملہ اختلافات سے پاک ہونا اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ یہ خداوند ذوالجلال کا کلام ہے خلاصۂ مطلب یہ ہے کہ کیا یہ منافقین قرآن میں غور نہیں کرتے کہ اس کے عدم اختلاف اور عدم تناقض سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا صدق معلوم کر لیں کم از کم اسی میں غور کر لیں کہ قرآن کریم تمہارے باطنی نفاق اور اندرونی عقائد اور خیالات کی صحیح صحیح خبر دے رہا ہے جو اس امر کی دلیل قطعی ہے کہ یہ وحی خداوندی ہے سوائے خدا کے کون کسی کے دل کا حال بتلا سکتا ہے اگر یہ قرآن خدا کی طرف سے نہ ہوتا تو منافقین کے نفاق اور اسرار باطنی کے متعلق جو خبریں دی جاتی ہیں تو منافقین ان میں ضرور اختلاف اور فرق پاتے منافقین کے متعلق قرآن کی کوئی خبر سچی نکلتی اور کوئی جھوٹی اور اگر ان منافقین کو قرآن میں کوئی اختلاف اور تناقض نظر آتا تو ضرور اس کو شائع کرتے اس لیے کہ ان کی عادت یہ تھی کہ جب ان کے پاس امن یا خوف کی کوئی خبر آتی ہے تو اسی وقت اس کو شائع اور مشہور کر دیتے ہیں منافقوں کی عادت یہ تھی کہ جب مسلمانوں کی فتح یا شکست کی خبر ان کو کہیں سے ملتی تو بلا تحقیق اس کو شائع اور مشہور کر دیتے جس سے مسلمانوں کو نقصان پہنچتا کیونکہ بعض خبریں تو جھوٹی ہوتی ہیں اور بعض کا ظاہر کرنا خلافِ مصلحت ہوتا ہے اسی طرح اگر ان منافقین کو قرآن میں کوئی اختلاف اور تناقض نظر آتا تو اس کو بھی ضرور شائع اور مشہور کر ڈالتے اور ان

کے نفاق کے متعلق قرآن میں جو خبریں دی جارہی ہیں ان میں سے اگر کوئی خبر غلط نکلتی تو آسمان و زمین ایک کر دیتے اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ اگر ان منافقین کے پاس مسلمانوں کی فتح اور غنیمت یا قتل اور ہزیمت کی کوئی خبر آتی ہے تو خواہ مخواہ جھوٹی ہو یا سچی اور اس کے ظاہر کرنے میں مصلحت ہو یا نہ ہو یہ لوگ اس کو مشہور کر دیتے ہیں اور اگر بجائے خود مشہور کرنے کے یہ لوگ اس خبر کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف اور صحابہ میں جو لوگ ذی رائے اور ذی اختیار ہیں ان تک پہنچاتے یعنی یہ لوگ اگر خبر سننے کے بعد اس خبر کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور اکابر صحابہ تک پہنچا دیتے اور از خود اس کو شائع نہ کرتے تو اہل اسلام میں سے جو لوگ بات کی تہ اور گہرائی کو پہنچنے والے ہیں تو وہ بے شک پہچان لیتے کہ یہ خبر مشہور کرنے کے قابل ہے یا نہیں ہر شخص بات کی تہ اور گہرائی کو نہیں پہنچتا لہذا ایسے اشخاص کو چاہیئے کہ وہ مستنبطین اور مجتہدین کی طرف رجوع کریں اور ان سے بغیر دریافت کیے دین کی کوئی خبر اور بات زبان سے نہ نکالیں

استنباط کے لغوی معنی زمین کھود کر اس کی تہ میں سے پانی نکالنے کے ہیں اور اصطلاح شریعت میں نصوص شریعت کی تہ میں جو حقائق اور معارف مستور ہیں ان کو خدا داد فہم و فراست سے کھود کر نکالنے کا نام استنباط اور اجتہاد ہے شریعت کے بہت سے احکام آیات اور احادیث کے ظاہر سے مفہوم نہیں ہوتے لیکن وہ بلاشبہ نصوص شریعت اور کتاب و سنت کی گہرائیوں میں مستور اور پوشیدہ ہوتے ہیں یہ ناممکن ہے کہ شریعت نے کوئی امر چھوڑ دیا ہو اور اس کے متعلق کوئی حکم نہ دیا ہو فقہاء کرام جن کے ساتھ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے خاص خیر کا ارادہ فرمایا وہ اپنے دقیق اور عمیق نظر اور فکر کے ذریعہ سے زمین شریعت کو کھود کر اس کی تہ اور گہرائیوں میں سے ان پوشیدہ احکام کو نکال کر لاتے ہیں جو زمین شریعت کی ظاہری سطح پر نمایاں نہ تھے شریعت کی تہ اور گہرائی میں سے کسی پوشیدہ حکم کے نکال لینے کا نام استنباط اور اجتہاد اور قیاس ہے۔

اسی بناء پر حضرات فقہاء لکھتے ہیں کہ قیاس مظہر حکم ہے نہ کہ مُثبِت حکم یعنی قیاس سے کوئی حکم شرعی ثابت نہیں ہوتا بلکہ جو حکم قرآن و حدیث میں پہلے موجود تھا مگر مخفی تھا قیاس نے اس کو اب ظاہر کر دیا حکم درحقیقت کتاب و سنت ہی کا ہے قیاس خدا اور رسول کے پوشیدہ حکم کا مظہر اور محض ظاہر کرنے والا ہے قیاس مثبِت حکم نہیں یعنی قیاس اپنی طرف سے کوئی حکم نہیں دیتا عرف عام میں چونکہ قیاس کے معنی خیال اور گمان اور وہم کے ہیں اس لیے بہت سے نادانوں نے یہ گمان کر لیا کہ قیاس شرعی کی حقیقت بھی یہی ہے اور اصطلاح شریعت میں قیاس شرعی کی حقیقت یہ ہے کہ غیر منصوص الحکم کو منصوص الحکم کے مشابہ اور مماثل دیکھ کر بوجہ مماثلت اور مشابہت کے منصوص الحکم کے حکم کو غیر منصوص کے لیے ثابت کرنا اس کا نام قیاس ہے یعنی جس

چیز کا حکم کتاب وسنت اور اجماع امت میں منصوص اور مصرح نہیں اس میں یہ غور وفکر کرنا کہ جس چیز کا حکم شریعت میں موجود ہے یہ غیر منصوص کس کے ساتھ زیادہ مشابہ اور مماثل ہے مشابہت کی بناء پر غیر منصوص کے لیے اس حکم کے ثابت کرنے کا نام قیاس شرعی ہے جیسے ہائی کورٹ کا کوئی فاضل جج جس مقدمہ کا حکم صراحۃً قانون میں موجود نہ ہو وہاں نظائر کو پیش نظر رکھ کر فیصلہ صادر کرتا ہے یہ بھی تو ایک قسم کا قیاس ہی ہوا عدالتوں میں ہزارہا مقدمات کا فیصلہ نظائر ہی پر ہوتا ہے نظیر کے موافق حکم دینا یہی قیاس ہے معلوم ہوا کہ ہر قانون میں قیاس موجود ہے بلا قیاس کے عدالتوں کا فیصلہ ناممکن ہے امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی قیاس کی یہی حقیقت قرار دی ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں باب من شبه اصلا معلوما باصل مبين قد بين الله حكمهما ليفهم السائل جس سے اشارہ اس طرف ہے کہ قیاس کی حقیقت تشبیہ اور تمثیل ہے اور اس بارہ میں امام بخاری نے متعدد تراجم قائم فرمائے ہیں سب کا حاصل یہ ہے کہ قیاس اور رائے کی دو قسمیں ہیں ایک محمود اور ایک مذموم مذموم وہ ہے جس کی کتاب وسنت اور اجماع میں کوئی اصل موجود نہ ہو اور محمود وہ ہے جو کتاب وسنت اور اجماع امت سے ماخوذ ہو حضرات اہل علم فتح الباری جلد سیز[۱۳] دہم باب الاعتصام کی مراجعت فرمائیں

اور اگر تم پر خدا کا یہ خاص فضل اور یہ خاص مہربانی نہ ہوتی یعنی اگر بالفرض تمہاری ہدایت کے لیے حق تعالیٰ یہ قرآن نازل نہ فرماتے اور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو تمہاری تعلیم اور تزکیہ کیلئے مبعوث نہ فرماتے جس نے تم پر حق اور باطل کا فرق واضح کیا تو البتہ تم شیطان کے پیرو ہو جاتے اور کفر و شرک میں مبتلا ہو جاتے مگر بہت کم ایسے ہوتے جو خدا داد نور فہم وفراست سے توحید کو اختیار کرتے اور شرک سے محفوظ رہتے جیسے زید بن عمرو بن نفیلؓ اور ورقہ بن نوفل وغیرہم کہ جو خداداد نور فہم سے زمانۂ جاہلیت میں کفر و شرک سے محفوظ رہے اتباع شیطان سے اس قسم کی محفوظیت اور معصومیت سے بہت ہی کم افراد کو نوازا جاتا ہے لہذا اتباع شیطان سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ بغیر مستنبطین کی اجازت کے کوئی خبر شائع نہ کریں بغیر اہل الرائے کے صلاح اور حکم کسی خبر کو شائع کرنا شیطان کی پیروی ہے۔

پس اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اگر یہ منافقین اور ضعیف الایمان مسلمان تمہارا ساتھ چھوڑ دیں تو پروا نہ کیجئے آپ تن تنہا خدا کی راہ میں جہاد و قتال کیجئے آپ صرف اپنی ذات کے ذمہ دار ہیں غیروں کی ذمہ داری آپ پر نہیں اور آپ تو صرف مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دیجئے ماننا نہ ماننا ان کا کام ہے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کی جنگ کو روک دے گا اور اللہ تعالیٰ سخت ہیبت والا اور سخت عذاب دینے والا ہے اس کے مقابلہ میں کوئی نہیں جیت سکتا اور نہ کوئی اس کے عذاب سے چھڑا سکتا ہے۔

مَن يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُن لَّهٗ نَصِيبٌ مِّنْهَا ۚ
جو کوئی سفارش کرے نیک بات میں اس کو بھی ملے اس میں سے ایک حصہ

وَمَن يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُن لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ۗ وَكَانَ
اور جو کوئی سفارش کرے بری بات میں اس پر بھی ہے ایک بوجھ اس میں سے اور

اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيتًا ﴿۸۵﴾
اللہ ہے ہر چیز کا حصہ بانٹنے والا

حکم بست ویکم ۲۱ ترغیب در شفاعت حسنہ و ترہیب از شفاعت سیئہ

قال تعالیٰ مَن يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً .... الیٰ .... وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيتًا ٥

(ربط) گزشتہ آیات میں جہاد کی ترغیب تھی اب ان آیات میں سفارش کے متعلق ایک قانون بیان فرماتے ہیں کہ جو شخص عمدہ سفارش کرے (مثلاً شرکت جہاد کی ترغیب دے) اس کو اس میں سے حصہ ملے گا یعنی اس کو بھی اسی قدر ثواب ملے گا جس قدر اس پر عمل کرنے والوں کو اور جو کوئی بری سفارش کرے مثلا لوگوں کو شرکت جہاد سے روکے اور ان کو جہاد میں جانے سے ڈرائے تو اس کو گناہ میں سے حصہ ملے گا۔

چنانچہ فرماتے ہیں جو شخص نیک کام کی سفارش کرے گا اس کو اس نیک کام کے ثواب سے حصہ ملے گا اور جو شخص بری سفارش کرے گا اس کو اس برے کام کے گناہ سے حصہ ملے گا مثلاً کسی امیر سے سفارش کر کے کسی حاجت مند کو کچھ دلوا دے تو اس خیرات کے ثواب میں یہ بھی شریک ہوگا اور اگر کسی حاکم سے سفارش کر کے کسی چور اور بدکار کو چھڑوا دیا تو یہ بھی اس چوری اور بدکاری میں شریک اور حصہ دار ہوگا کیونکہ شفاعت کی حقیقت غیر کے لیے حصول خیر میں واسطہ بننے کے ہیں پس اگر وہ خیر حقیقتاً خیر ہے تو اس کو اجر ملے گا ورنہ گناہ ہوگا۔

گزشتہ آیت کے ساتھ اس آیت کا تعلق یہ ہے کہ منافقین ایک دوسرے کے لیے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ سفارش کیا کرتے تھے کہ آپ انہیں جنگ سے پیچھے رہنے کی اجازت دیدیں اور مومنین کا طریقہ یہ تھا کہ وہ اگر کسی کے پاس سامان جنگ نہ دیکھتے تو دوسرے صاحب مقدرت مسلمانوں سے کہہ سن کر ان کو سامان جنگ دلوا دیتے تاکہ جہاد میں شریک ہو سکیں اس پر یہ آیت

نازل ہوئی اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ جو شخص اچھی یا بری سفارش کرے گا اس کی جزاء وسزا اسکو بھگتنی پڑے گی اور ہے اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر۔ یعنی وہ اچھی سفارش پر ثواب اور بری سفارش پر عذاب دینے پر قادر ہے نہ کوئی اس کے ثواب کو روک سکتا ہے اور نہ کوئی اس کی سزا کو۔ اور بعض علماء نے مُقِیت کے معنی نگہبان کے کیے ہیں اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگہبان ہے یعنی اچھی اور بری سفارش اسکی نظروں سے پوشیدہ نہیں وہ ہر سفارش کرنے والے کے حال سے بخوبی واقف ہے

وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ

اور جب تم کو دعا دیوے کوئی تو تم بھی دعا دو اس سے بہتر یا وہی کہو

رُدُّوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ﴿۸۶﴾

الٹ کر اللہ ہے ہر چیز کا حساب کرنے والا

حکم بست و دوم بابت تحیۂ اسلام و تعلیم جواب سلام

قال تعالیٰ وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ ..... الیٰ ...... حَسِيْبًا

(ربط) گزشتہ آیت میں شفاعت حسنہ کا ذکر تھا اب اس آیت میں تحیۂ اسلام یعنی کسی کو السلام علیکم کہنے کا حکم مذکور ہے اور کسی مسلمان کو سلام کرنا یا دعا دینا یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ سے اس کی سلامتی کی شفاعت حسنہ ہے کہ اے اللہ اس کو دنیا اور آخرت کی امن اور سلامتی عطا فرما۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور جب تم کو کسی قسم کا سلام کیا جائے تو تم اس سے بہتر الفاظ میں اس کے سلام کا جواب دو مثلاً کوئی شخص تم کو السلام علیکم کہے جو دنیا اور آخرت کے امن اور سلامتی کی دعا ہے تو تم اس کے جواب میں وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہو دعاء سلامتی پر دعاء رحمت اور برکت کا اضافہ کرو تاکہ تمہارا جواب اس سے بہتر ہو جائے یا جواب میں وہی الفاظ لوٹا دو یعنی السلام علیکم کے جواب میں فقط وعلیکم السلام کہدو۔

اشارہ اس طرف ہے کہ اگر احسان کا بدلہ اصل سے زیادہ ہو تو بہتر ہے ورنہ برابر سرابر بھی کافی ہے بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب کرنے والا ہے یعنی سلام کرنے والے اور اس کے جواب دینے والے کو بقدر اس کے سلام اور بقدر زیادتی کے جزاء دے گا۔

ف تحیہ کے لغوی معنی دعاء حیات کے ہیں زمانۂ اسلام سے پیشتر عرب میں یہ رواج تھا

کہ جب دو آدمی ملتے تو ایک دوسرے کو حَیَّاکَ اللہ کہتے یعنی خدا تعالیٰ تجھ کو زندہ رکھے یہ دعا اُن کے یہاں تحیہ کہلاتی تھی شریعت اسلام نے اس دعا کو لفظ السلام علیکم سے بدل دیا اور تحیہ اسلام اس کا نام رکھا پس آیت میں تحیہ سے اسلامی تحیہ یعنی السلام علیکم مراد ہے شریعت اسلام نے جو تحیہ مقرر کیا وہ زمانۂ جاہلیت کے تحیہ سے کہیں زیادہ فاضل اور کامل ہے کیونکہ السلام علیکم کے معنی یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ تم کو ہر قسم کے غم اور الم اور جملہ آفات اور بلیات سے سلامت اور محفوظ رکھے اور حَیَّاکَ اللہ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ تم کو زندہ رکھے اور ظاہر ہے کہ سلامتی کے لیے زندگی لازم ہے اور زندگی کے لیے سلامتی لازم نہیں اس لیے کہ جو شخص آفات اور بلیات میں مبتلا ہے زندگی اس کو حاصل ہے مگر سلامتی اس کو حاصل نہیں نیز دعاءِ سلامتی ایک خاص بشارت ہے اور لفظ سلام دراصل اللہ کا نام ہے لہٰذا ملاقات کی ابتداء اللہ کے نام اور بشارت سے ہونا یہ غایت درجہ بہتر ہے۔

صحیحین میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب خدا تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السّلام کو پیدا کیا تو فرشتوں کی ایک جماعت جو وہاں بیٹھی تھی اس کی طرف اشارہ کر کے حضرت آدم علیہ السلام کو حکم دیا کہ اس جماعت کو جا کر سلام کرو اور سنو کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں وہی تمہارا اور تمہاری اولاد کا سلام ہے آدم علیہ السلام نے ان کے پاس جا کر کہا السلام علیکم انہوں نے جواب دیا وعلیک السلام ورحمۃ اللہ تو فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السّلام کے جواب میں لفظ ورحمۃ اللہ زیادہ کیا۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہیں تم کو جمع کرے گا قیامت کے دن اس میں

۱۱ ع ۸
لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿۸۷﴾ ع

شک نہیں اور اللہ سے سچی کس کی بات

تاکید وعید

قال تعالیٰ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ..... الی .... اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ۝

(ربط) گزشتہ آیت یعنی اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا میں وعید اور تہدید تھی اب اس

آیت میں اس کی تاکید کے لیے اپنی توحید اور عظمت اور قیامت کا ذکر فرماتے ہیں اللہ کی شان یہ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ضرور تم سب کو قیامت کے دن جمع کرے گا جس میں ذرہ برابر کسی قسم کا شک نہیں یعنی قیامت ضرور آئے گی اور حساب و کتاب اور جزاء اعمال کے لیے سب ایک جگہ ضرور جمع ہوں گے اور اللہ سے کون زیادہ بات میں سچا ہو سکتا ہے یعنی جب اس نے قیامت کی خبر دیدی تو اس کو سچ جانو اور تعمیل احکام کا خاص اہتمام کرو اور یقین جانو کہ جو اس کے احکام کی تعمیل میں کوتاہی کرے گا قیامت کے دن اس کو سزا دے گا۔

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ

پھر تم کو کیا پڑا ہے منافقوں کے واسطے دو جانب ہو رہے ہو اور اللہ نے

بِمَا كَسَبُوْا ۭ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ

ان کو الٹ دیا ان کے کاموں پر کیا تم چاہتے ہو کہ راہ پر لاؤ جس کو بچلایا

اللّٰهُ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ۸۸

اللہ نے اور جس کو اللہ راہ نہ دے پھر تو نہ پاوے اس کے واسطے کہیں راہ

وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَاۗءً فَلَا

چاہتے ہیں کہ تم بھی کافر ہو جیسے وہ ہوئے پھر سب برابر ہو جاؤ سو تم

تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَاۗءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ

ان میں کسی کو مت پکڑو رفیق جب تک وطن چھوڑ آویں اللہ کی راہ میں

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْھُمْ وَاقْتُلُوْھُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْھُمْ

پھر اگر قبول نہ رکھیں تو ان کو پکڑو اور مارو جہاں پاؤ اور نہ

وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۸۹ اِلَّا الَّذِيْنَ

ٹھہراؤ کسی کو رفیق اور نہ مددگار مگر وہ جو

يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ

مل رہے ہیں ایک قوم سے جن میں اور تم میں عہد ہے یا آئے ہیں

جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ

تمہارے پاس خفا ہو گئے ہیں دل ان کے تمہارے لڑنے سے اور

يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ

اپنی قوم کے لڑنے سے بھی اور اگر اللہ چاہتا تو ان کو تم پر زور دیتا

فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَ اَلْقَوْا

پھر تم سے لڑتے تو اگر تم سے کنارہ پکڑیں پھر نہ لڑیں اور تمہاری

اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ﴿۹۰﴾

طرف صلح لاویں تو اللہ نے نہیں دی تم کو ان پر راہ

سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَ

اب تم دیکھو گے ایک اور لوگ چاہتے ہیں کہ امن میں رہیں تم سے بھی اور

يَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ؕ كُلَّمَا رُدُّوْٓا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا ۚ

اپنی قوم سے بھی جس بار بلائے جاتے ہیں فساد کرنے کو الٹ جاتے ہیں اس

فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَ يُلْقُوْٓا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَ يَكُفُّوْٓا

ہنگامہ میں پھر اگر تم سے کنارہ نہ پکڑیں اور صلح نہ لاویں اور اپنے

اَيْدِيَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَ اقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ؕ

ہاتھ نہ روکیں تو ان کو پکڑو اور مارو جہاں پاؤ اور ان پر

وَ اُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۹۱﴾ ع ۱۳ ۹

ہم نے ملا دی تم کو سند صریح

حکم بست و سوم (۲۳) متعلق بہ معاملہ منافقین

قال تعالیٰ فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ ..... الیٰ ..... جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۝

(ربط) گزشتہ آیات میں منافقین کے احوال کا ذکر تھا اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ مسلمانوں کو منافقین کے ساتھ کیا معاملہ رکھنا چاہیے حاصل حکم یہ ہے کہ منافقین کے ساتھ مسلمانوں جیسا معاملہ اس وقت تک کیا جائے گا کہ جب تک ان کا نفاق چھپا رہے اور جب ان کا کفر اور نفاق واضح اور ظاہر ہو جائے تو پھر ان کی ساتھ وہی معاملہ کیا جائے جو کفار کے ساتھ کیا جاتا ہے جب دلائل کفر کے واضح ہو جائیں تو پھر تردد کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ رکوع کی تفسیر سمجھنا چند روایات کے نقل پر موقوف ہے اسلیے ہم ان روایات کو نقل کرتے ہیں

پہلی روایت

مشرکین عرب میں سے کچھ لوگ مدینہ آئے اور یہ ظاہر کیا کہ ہم مسلمان اور مہاجر ہو کر آئے ہیں کچھ دنوں مدینہ میں مقیم رہے پھر مدینہ کی آب وہوا کے موافق نہ آنے کا عذر کر کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے بہ اجازت مانگی کہ یا رسول اللہ اگر آپ اجازت دیں تو ہم جنگل میں جا کر رہیں یہاں کی آب وہوا ہم کو موافق نہیں آپ نے ان کو اجازت دے دی یہ بہانہ کر کے جب مدینہ سے باہر نکل گئے تو منزل بمنزل کوچ کرتے اور کھسکتے رہے یہاں تک کہ مشرکین مکہ سے جا ملے اور گھر پہنچ کر آنحضرت کو ایک جھوٹ موٹ خط لکھا کہ آپ ہماری طرف سے کچھ خیال نہ کریں ہم آپ ہی کے دین پر ہیں اور ہم مدینہ کی آب وہوا کی ناموافقت کی وجہ سے اپنے وطن مکہ چلے آئے ہیں یہ حال سن کر مسلمان ان کے ایمان اور کفر میں اختلاف کرنے لگے بعض نے کہا کہ یہ منافق ہیں ہم ان کو قتل کریں گے اگر وہ ہماری طرح مسلمان ہوتے تو مصائب پر صبر کرتے اور ہجرت کو ترک کر کے واپس نہ ہوتے اور بعض نے کہا ایسا نہیں وہ مسلمان ہیں ہم کو ان سے بدگمانی نہ کرنی چاہیئے جب تک ہم پر ان کا پورا حال نہ کھل جائے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور ان کا کفر اور نفاق ظاہر کر دیا اور ارشاد فرمایا کہ اے مسلمانو ان منافقوں کے بارہ میں دو گروہ کیوں ہو گئے یہ لوگ تو ایسے پکے کافر ہیں کہ تم کو بھی کافر اور گمراہ بنانے کی فکر میں ہیں (تفسیر قرطبی ص۳۰۷ ج ۵ و تفسیر کبیر ص۲۸۹ ج ۳ و روح المعانی ص۹۷ ج ۵۔)

دوسری روایت

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ تشریف لے جانے سے قبل ہلال بن عویمر اسلمی سے یہ عہد کیا تھا کہ وہ نہ آپ کو مدد دے گا اور نہ آپ کے مقابلہ میں کسی کو مدد دیگا اور جو شخص ہلال کے پاس چلا جائے اور اس کی پناہ پکڑے تو اس کو ہماری طرف سے ایسی ہی پناہ ہو گی جیسے خود ہلال کو خواہ وہ شخص اس کی اپنی قوم کا ہو یا کسی غیر قوم کا اس پر یہ آیتیں وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا اِلَّا

الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ـ الى. فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ـ نازل ہوئیں (تفسیر قرطبی ص۳۰۹ ج ۵ و تفسیر کبیر ص۲۹۱ ج ۳ ـ)

تیسری روایت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آیت سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ الخ اسد اور غطفان کے بارہ میں نازل ہوئی یہ لوگ جب مدینہ آتے تو اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تاکہ ان کو مسلمانوں سے کسی قسم کی مضرت نہ پہنچے اور جب اپنی قوم میں جاتے تو کفر کا اظہار کرتے اور اُن جیسین کہتے تاکہ اُن سے بھی امن رہے اور جب اُن کی قوم کا کوئی آدمی پوچھتا کہ تم کس چیز پر ایمان لاتے ہو تو کہتے ہم بندر اور بچھو پر ایمان لاتے ہیں سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ میں اس فرقہ کا حکم بیان کیا گیا ہے (تفسیر قرطبی ص۳۱۱ ج ۵ ـ)

خلاصۂ کلام یہ کہ اس رکوع کی آیتیں ان تین گروہوں کے بارہ میں نازل ہوئیں جن کا ذکر ان روایات میں گزرا اب ان آیات کی تفسیر دیکھیے

پہلے فرقہ کا بیان

پس اے مسلمانو جب تم نے ان منافقین کے کفر اور ارتداد اور ان کی باطنی خباثت کو ظاہر طور پر دیکھ لیا تو تمہیں کیا ہوا کہ ان منافقین کے بارہ میں تم دو گروہ ہو گئے ایک فریق ان کو مسلمان بتاتا ہے اور دوسرا کافر حالانکہ ان سے ایسی باتیں ظہور میں آچکی ہیں جو ان کے کفر اور نفاق کی صریح دلیل ہیں لہذا تم کو ان کے کفر میں شک نہ کرنا چاہیئے ۔

ف ان[۱] لوگوں کو گزشتہ حالت کے اعتبار سے منافقین کہا گیا ہے ورنہ جب کفر واضح اور ظاہر ہو گیا تو اب کھلے کافر کہلائیں گے اور ان کے ساتھ منافقین کا سا معاملہ نہیں کیا جائے گا بلکہ کھلے کافروں کے احکام ان پر جاری ہوں گے (روح المعانی ص۹۷ ج ۵)

غرض یہ کہ جب ان منافقین کا پردہ چاک ہو چکا ہے تو تم ان کے بارہ میں کیوں اختلاف کرتے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے اعمال قبیحہ کی بدولت علانیہ کفر کی طرف لوٹا دیا ہے اسلام کی راہ راست چھوڑ کر الٹے کفر میں جا پڑے اور کافروں سے جا ملے کیا تم یہ چاہتے ہو کہ جس کو خدا نے گمراہ کیا تم اس کو راہ راست پر لے آؤ اور جس کو خدا گمراہ کرے تو اے مخاطب تو اس کو ہدایت پر لانے کی کوئی سبیل نہ پائے گا یہ بدنصیب کہاں راہ راست پر آسکتے ہیں ان کا حال تو یہ ہے کہ یہ ازلی گمراہ تو یہ چاہتے ہیں کہ تم بھی انہی جیسے کافر ہو جاؤ اور پھر تم اور وہ گمراہی میں سب برابر اور یکساں ہو جاؤ بھلا ایسے لوگوں کے کفر میں کیوں شک اور اختلاف کرتے ہو اب آگے ان منافقین کے بارہ میں حکم دیتے ہیں پس جب ان منافقین کی یہ حالت ہے تو

---

[۱] وذکرہم بعنوان النفاق باعتبار وصفہم السابق (روح المعانی ص۹۷ ج ۵)

تم ان منافقین میں سے کسی کو دوست نہ بناؤ یعنی ان کے ساتھ مسلمانوں جیسے دوستانہ تعلقات نہ رکھو تاوقتیکہ یہ لوگ خدا کی راہ میں ہجرت نہ کریں یعنی تاوقتیکہ خدا کی راہ میں گھر بار اور خویش واقارب کو چھوڑ کر مؤمن مخلص نہ بن جائیں

اس وقت تک ان کو اپنا دوست نہ بناؤ ابتداء اسلام میں تکمیل ایمان کے لیے ہجرت بھی فرض تھی بغیر ہجرت کے ایمان معتبر نہ تھا پس اگر وہ اسلام اور ہجرت سے منہ موڑیں اور اپنے کفر پر قائم رہیں تو تم ان کو پکڑو یعنی قید کرو اور اسیر بناؤ اور ان کو قتل کرو جہاں کہیں بھی پاؤ یعنی ان کا قتل حِل اور حرم دونوں جگہ مباح ہے اور ان میں سے کسی کو نہ اپنا دوست بناؤ اور نہ مددگار کیونکہ سب تمہارے دشمن ہیں یہ تمہارے دوست اور مددگار کیوں بننے لگے مطلب یہ ہے کہ ان سے کوئی تعلق نہ رکھو اور نہ ان سے کوئی مدد مانگو۔

دوسرے فرقہ کا بیان

مگر ان میں کے جو کافر ان لوگوں سے جا ملیں جن کے ساتھ تمہارا کوئی معاہدہ ہے یہ استثناً قید اور قتل کے حکم سے ہے اور مطلب یہ ہے کہ ان منافقوں کو جہاں پاؤ گرفتار کرو اور قتل کرو لیکن جو منافق ان لوگوں کی پناہ میں چلے جائیں جن کے ساتھ تمہارا صلح کا عہد ہے تو ان کو قتل نہ کرنا کیونکہ وہ جب تمہارے ہم عہدوں کی پناہ میں آگئے تو حکماً ان کے ساتھ بھی تمہارا عہد ہو گیا حلیف کا حلیف بھی ایک درجہ میں حلیف ہی ہوتا ہے ان کو قتل کرنا ایک قسم کی عہد شکنی ہو گی یا وہ منافق تمہارے پاس ایسی حالت میں آئیں کہ ان کے سینے تمہارے ساتھ لڑنے سے اور اپنی قوم کے ساتھ بھی لڑنے سے تنگ ہوں یعنی جو کافر اور منافق ایسے ہوں کہ نہ تو اپنی قوم کے ساتھ ہو کر تم سے لڑیں اور نہ تمہارے ساتھ ہو کر اپنی قوم سے لڑیں بلکہ حقیقۃً غیر جانبدار رہیں تو ان لوگوں کو بھی تم قتل نہ کرنا کیونکہ جب ان سے تمہیں نقصان کا اندیشہ نہیں تو پھر ان کے قتل کی ضرورت نہیں خلاصۂ کلام یہ کہ جو تم سے بالواسطہ یا بلا واسطہ صلح کا خواستگار ہو تو وہ حکم اخذ اور قتل سے مستثنیٰ ہے کیونکہ باوجود قوت اور قدرت کے ان کا یکسو اور غیر جانبدار رہنا ان کے امن پسندی کی دلیل ہے اور اگر اللہ چاہتا تو انہیں تم پر ضرور مسلط کر دیتا پھر وہ ضرور ہی تم سے لڑتے یعنی یہ خدا تعالیٰ کا احسان ہے کہ باوجود قوت وقدرت کے ان کا دل تمہارے ساتھ لڑنے سے تنگ کر دیا اور تمہاری ہیبت ان کے دل میں ڈال دی ورنہ وہ تم سے ضرور لڑتے پس خدا کی اس نعمت کا شکر کرو کہ اس نے تم کو اس پریشانی سے بچا لیا لہذا تم ان سے تعرض نہ کرو پس اگر وہ تم سے کنارہ کش رہیں اور تمہارے ساتھ نہ لڑیں اور تمہاری طرف صلح کا پیغام ڈالیں تو اللہ نے تمہارے لیے ان پر دست درازی کی کوئی راہ نہیں رکھی یعنی اس صورت میں ان سے لڑنے کی خدا نے اجازت

نہیں دی۔

تیسرے فرقہ کا بیان

عنقریب تم ان کے علاوہ کچھ ایسے چالاک اور عیار لوگوں کو پاؤ گے جو یہ چاہتے ہیں کہ تم سے بھی امن میں رہیں اور اپنی قوم سے بھی امن میں رہیں یہ قبیلہ اسد اور غطفان کا حال بیان فرمایا کہ جب مدینہ آتے ہیں تو اسلام ظاہر کرتے ہیں اور جب اپنی قوم کے پاس جاتے ہیں تو ان کی سی کہتے ہیں تاکہ ہر طرف سے امن میں رہیں

مگر ان منافقوں کا حال یہ ہے کہ جب کبھی بھی فساد اور فتنہ کی طرف بلائے جاتے ہیں تو اس میں اوندھے ہو کر گرتے ہیں یعنی جب کبھی ان کو اسلام کے مقابلہ اور مسلمانوں سے لڑنے کیلئے بلایا جاتا ہے تو افتاں وخیزاں یعنی نہایت خوشی کے ساتھ تم سے لڑنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں غرض یہ کہ بڑے مفسد اور چالاک ہیں پس اگر یہ لوگ تم سے یکسو اور کنارہ کش نہ ہوں اور اپنی شرارت سے باز نہ آئیں اور تمہاری طرف صلح کا پیغام نہ ڈالیں اور تمہاری لڑائی سے اپنے ہاتھوں کو نہ روکیں تو تم ان کو پکڑو اور جہاں کہیں بھی ان کو پاؤ قتل کرو اور یہی لوگ ہیں کہ ہم نے تم کو ان کے قتل کرنے کی صریح حجت اور واضح سند دی ہے یعنی ان کی عہد شکنی نے تمہارے لیے ان کے قتل کو جائز کر دیا ہے جب ان کی عداوت اور خباثت اور عہد شکنی اور غداری اور مکاری واضح ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے تم کو ان کے پکڑنے اور قتل کرنے کی اجازت دیدی ایسے لوگوں سے درگذر مت کرو تمہارے ہاتھ تو صریح حجت آگئی کہ انہوں نے اپنا عہد خود توڑ ڈالا۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَأً ۚ وَمَنْ

اور مسلمان کا کام نہیں کہ مار ڈالے مسلمان کو مگر چوک کر اور جس نے

قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ

مارا مسلمان کو چوک کر تو آزاد کرنی گردن ایک مسلمان کی اور خون بہا پہنچانا اس

مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ إِلَّا أَنْ يَصَّدَّقُوا ۚ فَإِنْ كَانَ

کے گھر والوں کو مگر وہ خیرات کریں پھر اگر وہ تھا

مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ
ایک قوم میں کہ تمہارے دشمن ہیں اور آپ مسلمان تھا تو آزاد کرنی گردن ایک
مُّؤْمِنَةٍ ؕ وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ
مسلمان کی اور اگر وہ تھا ایک قوم میں کہ تم میں اور ان میں عہد ہے تو
مِّيثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ
خون بہا پہنچانا اس کے گھر والوں کو اور آزاد کرنی گردن
مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ز
ایک مسلمان کی پھر جس کو میسر نہ ہو تو روزے دو مہینے لگتے
تَوْبَةً مِّنَ اللَّهِ ؕ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٩٢﴾
بخشوانے کو اللہ سے اور اللہ جانتا سمجھتا ہے۔

حکم بست و چہارم متعلق بہ قتل خطا

قال تعالیٰ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا ... الی .... وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ○

(ربط) گذشتہ آیات میں کافروں اور منافقوں کے قتل کی اجازت دی تھی اب ان آیات میں مومنین کے قتل کی ممانعت فرماتے ہیں اور چونکہ بعض اوقات لڑائی میں ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو غلطی اور خطاء سے کافر سمجھ کر مار ڈالتا ہے اس لیے ان آیات میں کچھ احکام قتل خطاء کے متعلق بیان فرماتے ہیں اور اسی ذیل میں دارالکفر سے دارالاسلام کی طرف ہجرت کی ضرورت اور سفر اور خوف کی نماز کی کیفیت کو بھی بیان فرماتے ہیں۔

شان نزول

اس آیت کے شان نزول میں مفسرین نے تین روایتیں نقل کی ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

پہلی روایت

یہ آیت عیاش بن ربیعہ مخزومی کے بارہ میں نازل ہوئی جو ابوجہل کا اخیافی بھائی تھا جس کا سبب یہ ہوا کہ ہجرت سے پیشتر جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے عیاش آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف

باسلام ہوا مگر گھر والوں کے ڈر سے اپنے اسلام کو ظاہر نہیں کیا اور جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مکہ سے مدینہ آگئے تو عیاش بن ابی ربیعہ بھی مدینہ آگیا اور اپنے بھائیوں کے ڈر کے مارے کسی قلعہ میں چھپ کر رہنے لگا عیاش کی ماں کو جب اس کی خبر ملی تو اس کو سخت قلق ہوا اور عیاش کے غم میں کھانا پینا چھوڑ دیا اور اپنے دونوں بیٹوں حارث اور ابوجہل کو جو عیاش کے اخیافی بھائی تھے عیاش کو واپس لانے کے لیے روانہ کیا اور ماں نے یہ قسم کھائی کہ جب تک تم عیاش کو میرے پاس واپس نہ لاؤ گے میں چھت کے نیچے نہیں بیٹھوں گی اور نہ دانہ پانی کا مزہ چکھوں گی ماں کا یہ کلام سن کر دونوں بھائی عیاش کی تلاش میں روانہ ہوئے اور حارث بن زید بن اُنیسہ کنانی بھی ان کے ساتھ ہو لیئے بالآخر پتہ لگا کر یہ تینوں مدینے پہنچے اور عیاش سے جا کر ملے عیاش قلعہ میں روپوش تھا ان تینوں نے باہر سے کہا کہ تو قلعہ سے نیچے اتر آ جب سے تو اپنی ماں سے جدا ہوا ہے اس وقت سے تیری ماں چھت کے نیچے نہیں بیٹھی اور نہ اس نے دانہ پانی کا مزہ چکھا ہے اور اس نے یہ قسم کھائی ہے کہ جب تک تو اس کے پاس لوٹ کر نہیں جائے گا اس وقت تک دانہ پانی اس پر حرام ہے اور ہم خدا کو درمیان میں ڈال کر تجھ سے عہد کرتے ہیں کہ تجھ کو کسی ایسی بات پر مجبور نہ کریں گے جو تیرے دین کے خلاف ہو عیاش نے جب ماں کی بے قراری اور بے چینی کا حال سنا تو دل بھر آیا اور قلعہ سے اتر کر ان کے پاس آگیا اور ان کے ساتھ ہو لیا مدینہ سے باہر نکلنے کے بعد انہوں نے عیاش کو ایک تسمہ میں باندھ لیا اور تینوں میں سے ہر ایک نے عیاش کے سو سو کوڑے لگائے اور اسی طرح اس کو اس کی ماں کے پاس لے گئے" ماں نے دیکھ کر یہ کہا کہ میں تجھے اس وقت تک نہ کھولوں گی جب تک اس کا انکار نہ کرے جس پر تو ایمان لایا ہے اور ہاتھ پاؤں باندھ کر دھوپ میں چھوڑ دیا اور عرصہ تک اس کو تکلیف دیتے رہے بالآخر عیاش نے مجبور ہو کر بادل نخواستہ جبرًا و قہرًا جو انہوں نے کہلایا کہہ دیا۔

اس پر حارث بن زید نے (جو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے شدید ترین دشمنوں میں سے تھا) اس کو چھیڑا اور کہا اے عیاش جس دین پر تو تھا اگر وہ راہ ہدایت تھا تو تو نے ہدایت کو کیوں چھوڑا اور اگر وہ گمراہی تھا تو تو اتنے دنوں گمراہی پر رہا اس پر عیاش کو سخت طیش آیا اور یہ قسم کھائی کہ اگر بخدا تو مجھے کہیں تنہائی میں مل گیا تو میں تجھے ضرور قتل کروں گا بعد چندے عیاش نے دوبارہ اسلام قبول کیا اور ہجرت کر کے مدینہ چلا گیا اس کے بعد خدا تعالیٰ نے حارث بن زید کو بھی اسلام کی توفیق بخشی اور وہ بھی مسلمان ہو کر مدینہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہجرت کر کے حاضر ہوا اتفاق سے اس دن عیاش مدینہ میں موجود نہ تھا اس کو حارث کے مسلمان ہونے کی خبر نہ ہوئی ایک دن عیاش قبا کو جا رہا تھا اتفاقاً اس کو حارث مل گیا عیاش نے اس کو قتل کر دیا

اور اپنی قسم پوری کی جب لوگوں کو اس کا علم ہوا تو عیاش کو ملامت کی کہ تو نے یہ کیا کیا حارثؓ تو مسلمان تھا عیاشؓ یہ سنتے ہی حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ آپ کو میرا اور حارث کا قصہ معلوم ہے لیکن جب میں نے اس کو قتل کیا تو مجھے اس کے مسلمان ہونے کی خبر نہ تھی اور اپنی اس غلطی اور لاعلمی پر ندامت ظاہر کی اس پر یہ آیت نازل ہوئی (تفسیر در منثور ص۱۹۲ ج ۲) وہکذا فی تفسیر القرطبی مختصراً ص۳۱۳ ج ۵ وتفسیر ابن کثیر ص۵۳۴ ج ۱۔)

دوسری روایت یہ ہے کہ یہ آیت حذیفہ بن الیمان کے والد کے بارہ میں نازل ہوئی جو جنگ احد میں مسلمانوں کی غلطی سے مارے گئے مسلمانوں نے غلطی سے ان کو کافر سمجھ کر ان پر تلواریں چلائیں حذیفہ نے دور سے دیکھ کر یہ کہا بھی کہ یہ میرے باپ ہیں مگر ہنگامہ میں کوئی نہ سمجھا یہاں تک کہ وہ قتل ہو گئے جب وہ قتل ہو گئے تب معلوم ہوا کہ یمان مسلمان تھے حذیفہ نے ان کو تسلی دی اور کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری غلطی اور خطا کو معاف کرے مسلمانوں کو جب اپنی اس غلطی کا علم ہوا تو بہت سخت ملول ہوئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

تیسری روایت یہ ہے کہ یہ آیت حضرت ابوالدرداءؓ کے بارہ میں نازل ہوئی جس کا سبب یہ ہوا کہ ابوالدرداءؓ کسی لشکر میں تھے اتفاقاً اپنے لشکر سے جدا ہو کر کسی ضرورت سے پہاڑ کی ایک گھاٹی میں گئے وہاں ایک شخص کو دیکھا جو اپنی بکریاں چرا رہا تھا ابوالدرداءؓ نے اس پر تلوار چلائی اس نے کہا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ابوالدرداء نے یہ سمجھا کہ محض اپنی جان بچانے کے لیے کہہ رہا ہے اس لیے اس کو قتل کر دیا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے آکر جب اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ تو نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھا تب ابوالدرداء کو اور بھی ندامت ہوئی اس پر یہ آیت نازل ہوئی (تفسیر در منثور ص۱۹۳ ج۲ وتفسیر ابن کثیر ص۵۳۴ ج۱)

غرض یہ کہ آیت کا جو بھی شان نزول ہو سب کا ماحصل یہ ہے کہ کسی مومن کو کسی مومن کا قتل کرنا ہرگز ہرگز درست نہیں مگر بھول چوک سے اگر کوئی مسلمان کسی مسلمان کو کافر سمجھ کر یا کسی اور غلطی کی بناء پر قتل کر ڈالے تو وہ معذور ہے لیکن دیت اور کفارہ واجب ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور کسی مسلمان کی یہ شان نہیں کہ وہ کسی مسلمان کو قتل کرے مگر غلطی اور بھول چوک سے اگر ایسا ہو جائے تو اور بات ہے اب آگے قتل خطاء کے کچھ احکام بیان کرتے ہیں۔

حکم اوّل

اور جو شخص کسی مسلمان کو بلا قصد غلطی سے قتل کر دے تو اس غلطی کا کفارہ یہ ہے کہ ایک تو

اس پر ایک مسلمان بردہ یعنی مسلمان غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا واجب ہے اور دوسرے اس قتل کرنے والے پر دیت (خونبہا) بھی واجب ہے جو مقتول کے گھر والوں کے حوالہ اور سپرد کی جائے یعنی مقتول کے وارثوں کو بقدر حصص میراث دیت ان کے حوالہ کی جائے اور اگر کوئی وارث نہ ہو تو بیت المال قائم مقام وارثوں کے ہے مگر یہ کہ اولیاء مقتول دیت اور خون بہا کو معاف کر دیں تو معاف ہے پھر اس کا مطالبہ نہیں خواہ وہ کل دیت معاف کر دیں یا بعض اتنی ہی معاف ہو جائے گی۔

حکم دوم

پھر اگر وہ مقتولِ خطاء اس گروہ سے ہو جو تمہارے دشمن ہیں یعنی دار الحرب کا باشندہ ہو اور وہ مقتول شخص خود بذاتہ مومن ہے خود مسلمان تھا مگر دار الحرب میں رہتا تھا اور کسی وجہ سے ہجرت کر کے دار الاسلام میں نہیں آیا تھا کسی مسلمان نے اس کو اپنا دشمن سمجھ کر مار ڈالا تو قاتل پر صرف کفارہ واجب ہے یعنی صرف ایک مسلمان بردہ کا آزاد کرنا اس پر واجب ہے دیت واجب نہیں اس لئے کہ حربی کا کوئی حق نہیں جو اس کی دیت واجب ہو البتہ بحق اسلام اس کے قتل کا کفارہ دینا ہوگا۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قیاس کا مقتضیٰ بھی یہی ہے کہ صورت مذکورہ میں فقط کفارہ واجب ہو اور دیت واجب نہ ہو اس لیے کہ اگر دار الحرب میں رہنے والے مسلمان کے قتل میں دیت واجب کی جاتی تو جو لوگ دار الحرب میں غزوہ کرنے جاتے تو اس بات پر مجبور ہوتے کہ غزوہ کرنے سے پہلے اس امر کی تحقیق کریں کہ کون مسلمان ہے اور کون کافر اور مشرک ہے اور یہ امر نہایت دشوار ہے مجاہدین کو سخت تنگی اور ضیق میں ڈالنے والا ہے لہذا حق تعالیٰ نے دار الحرب میں رہنے والے مسلمان کے قتل میں دیت واجب نہیں کی تاکہ لوگ احتیاط کے خیال سے جہاد اور غزوہ سے پرہیز نہ کرنے لگیں البتہ بحق اسلام اس پر کفارہ واجب کر دیا۔ یہ کفارہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ تم نے اس کے ایک مسلمان بندہ کو مار ڈالا (تفسیر کبیر ص ۲۹۶ ج ۳)

حکم سوم

اور اگر وہ مسلمان مقتول جو غلطی سے مارا گیا اس گروہ سے ہو جن کے اور تمہارے درمیان کسی قسم کا کوئی عہد اور پیمان ہو تو قاتل پر ایک تو دیت خون بہا واجب ہوگا جو اس مقتول کے وارثوں کو پہنچائی جائے اگر اس مسلمان مقتول کے مسلمان وارث موجود ہوں تو دیت انکو پہنچا دی جائے اور اگر اس مقتول کے اقارب مسلمان نہ ہوں تو پھر یہ دیت ان کو نہ دی جائے اگرچہ وہ

معاہد ہی کیوں نہ ہو اور علاوہ دیت کے ایک مسلمان بُردہ کا آزاد کرنا بھی واجب ہے مطلب یہ ہے کہ اس صورت میں دیت اور کفارہ دونوں واجب ہیں پس جس شخص کو آزاد کرنے کے لیے بُردہ غلام یا لونڈی میسر نہ آئے تو اس پر بجائے اس آزاد کرنے کے متواتر (لگاتار) دو مہینہ کے روزے واجب ہیں۔ جمہور کے نزدیک روزے صرف بُردہ کا بدل ہیں دیت مفلس اور مالدار ہر ایک پر واجب ہے لیکن مسروقؒ کے نزدیک کفارہ اور دیت دونوں کا بدل ہیں یہ حکم اللہ کی طرف سے خطا کرنے والے کی توبہ کے لیے مشروع اور مقرر ہوا ہے اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے کہ وہ خطاء اور غلطی کی مقدار اور کمیت اور اس کی حقیقت اور کیفیت کو خوب جانتا ہے اور اس نے جو دیت اور کفارہ کا حکم دیا ہے اس میں بڑی حکمت ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کے دو قول ہیں (ایک قول) تو یہ ہے کہ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ الآية میں ضمیر کانَ مقتول مؤمن کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر وہ مقتولِ خطاء مؤمن ہو مگر اس قوم سے ہو کہ تمہارے اور ان کے درمیان عہد ہو تم پر اس کی دیت اور کفارہ دونوں واجب ہیں۔

حسن بصری اور جابر بن زید اور ابراہیم نخعی وغیرہم کا یہی قول ہے اور دلیل اسکی یہ ہے کہ ابتداء سے سلسلۂ کلام قتل مؤمن کے بارہ میں آرہا ہے لہٰذا ضمیر مقتول مؤمن ہی کیطرف راجع کرنا اولیٰ ہوگا نیز ایک قراءت میں اس طرح آیا ہے وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ وَهُوَ مُؤْمِنٌ امام قرطبی صـ۳۲۵ ج ۵ میں فرماتے ہیں کہ حسن بصری کی قراءت میں اسی طرح آیا ہے اور ابوحیان فرماتے ہیں کہ حسن بصری کی قراءت میں اس طرح آیا ہے وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ وَهُوَ مُؤْمِنٌ اور اس کو امام مالکؒ نے اختیار کیا ہے (البحر المحیط صـ۳۲۵ ج ۳)

اور امام فخر الدین رازی اور شیخ الاسلام ابو السعود اور علامہ آلوسی وغیرہم نے اسی قول کو اختیار کیا ہے اور اس ناچیز نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے اور مطلب یہ ہوا کہ آیت میں قتل مؤمن خطاءً کی تین صورتیں مذکور ہوئیں اول یہ کہ جس مسلمان کو غلطی سے مارا گیا اس کے وارث مسلمان ہیں تو اس صورت میں دیت اور کفارہ دونوں واجب ہوں گی دوم یہ کہ اس مسلمان مقتول کے وارث ایسے کافر ہیں جن سے تمہارا کوئی عہد اور پیمان ہے تو اس صورت میں بھی دیت (خون بہا) اور کفارہ دونوں واجب ہوں گے سوم یہ کہ اس مسلمان مقتول کے وارث ایسے کافر ہیں جن سے تمہاری دشمنی ہے تو اس صورت میں صرف کفارہ واجب ہوگا اور دیت (خون بہا) دینا لازم نہ ہوگا

دوسرا (۲) قول

یہ ہے کہ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ کی ضمیر ایسے مقتول کافر کی طرف راجع ہے کہ جو ذمی یا معاہد ہو یہ قول ابن عباس اور شعبی اور نخعی اور امام شافعی کا ہے اور اس کو امام ابن جریر طبری نے اختیار کیا ہے کیونکہ گزشتہ آیت کی طرح اس آیت میں وھو مؤمن کی قید مذکور نہیں (تفسیر قرطبی صـ۳۲۵ ج ۵)

امام ابوبکر جصاص رازی نے احکام القرآن صـ۲۴۴ ج ۲ میں اسی قول کو اختیار کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ فقہاء

حنفیہ کا مذہب بھی یہی ہے کہ کافر ذمی اور معاہد کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر ہے اور صدیق اکبر اور فاروق اعظم اور عثمان غنی کا بھی یہی عمل رہا کہ کافر ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر دینے کا حکم دیتے تھے (احکام القرآن للجصاص ص ۲۳۹ ج ۲)

حضرت تھانوی قدس اللہ سرہ نے بیان القرآن میں اسی قول کو اختیار کیا ہے۔

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ

اور جو کوئی مارے مسلمان کو قصد کر کر تو اس کی سزا دوزخ ہے پڑا رہے

خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ

اس میں اور اس پر غضب ہوا اللہ کا اور اس کو لعنت کی اور اس کے واسطے

لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿۹۳﴾

تیار کیا بڑا عذاب

تتمہ حکم سابق

تہدید شدید و وعید اکید بر قتل عمد مؤمن را

قال تعالیٰ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا ..... الیٰ ...... عَذَابًا عَظِيْمًا ۝

(ربط) گزشتہ آیات میں قتل خطاء کے احکام مذکور ہوئے اب اس آیت میں کسی مؤمن کو عمداً قتل کرنے کی وعید مذکور ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور جو شخص کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کر ڈالے تو دنیاوی حکم تو اس کا قصاص ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ میں گذرا اور حکم اُخروی اس کا یہ ہے کہ اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب نازل ہوگا اور اللہ اس پر لعنت کرے گا یعنی اس کو اپنی خاص رحمت سے دور کر دے گا اور اس نے اس کے لیے بڑا عذاب تیار کیا ہے جو دوسرے کبائر کے عذاب سے بہت بڑھ کر ہے اس آیت میں جو حکم مذکور ہے وہ اس شخص کے لیے ہے جو شخص جان بوجھ کر بلا وجہ کسی مؤمن کو مار ڈالے اور پھر بغیر توبہ کے مر جائے تو وہ طویل مدت تک دوزخ میں رہے گا اس لیے کہ توبہ سے تو ہر گناہ معاف ہو جاتا ہے

حتی کہ کفر اور شرک بھی معاف ہو جاتا ہے کل قرآن کا طرز بیان ایسا ہی واقع ہوا ہے کہ جہاں کہیں بھی کسی گناہ کی سزا بیان کی گئی ہے اس کے ساتھ عدم توبہ شرط ہے خواہ وہ شرط لفظوں میں مذکور ہو یا نہ ہو خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ تحقیق اللہ تعالیٰ شرک کو نہیں بخشتا ظاہر ہے کہ شرک اسی حالت میں نہیں بخشا جائے گا جب کہ مشرک بغیر توبہ کے مرجائے اس لیے کہ توبہ سے شرک کا بخشا جانا قطعی اور یقینی ہے ہر جگہ اس شرط کے ذکر کرنے کی اس لیے ضرورت نہیں کہ توبہ سے ہر گناہ کا بخشا جانا اسلام کے اصول مسلمہ میں سے ہے اور خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں جا بجا اس کی تصریح فرمادی کہ توبہ سے ہر گناہ معاف ہو جاتا ہے کما قال تعالیٰ وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا۔ یعنی میں بلاشبہ اس کو معاف کرنے والا ہوں جس نے توبہ کرلی اور ایمان لے آیا اور آئندہ کو نیک کام کیے۔ یہ حکم تو عمومی ہے جس میں کفر اور شرک اور تمام اعمال قبیحہ سب اس میں داخل ہیں اور سورۂ فرقان میں تو اسی قتل کے بارہ میں فرماتے ہیں وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ یَلْقَ اَثَامًا یُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَیَخْلُدْ فِیْهٖ مُهَانًا اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا۔

نیز اس آیت میں خلود سے طویل مدت تک دوزخ میں رہنا مراد ہے کافروں کی طرح غیر محدود اور ابدی طور پر رہنا مراد نہیں اس لیے کہ احادیث متواترہ سے یہ امر ثابت ہے کہ جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا وہ دوزخ میں ہمیشہ نہ رہے گا اور اسی پر تمام سلف اور خلف کا اجماع ہے اور سب اس کے قائل ہیں کہ آیت میں خلود سے زیادہ مدت تک رہنا مراد ہے قاتل کے خلود اور کافر کے خلود میں فرق ہے کافر کا خلود ابدی ہے اس وجہ سے قرآن کریم میں کافروں کے خلود کے ساتھ اَبَدًا کا لفظ آیا ہے اور قاتل کا خلود غیر ابدی ہے۔

اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سورۂ فرقان میں قتل نفس پر توبہ کا ذکر ہے وہ اس شخص کے حق میں ہے جس نے حالت شرک میں کسی کو قتل کیا اور بعد میں توبہ کی تو اس کی توبہ قبول ہے اور یہ آیت یعنی وَمَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِیْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِیْمًا۔ اس شخص کے حق میں ہے جو مؤمن ہو پھر وہ دوسرے مؤمن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اسکی توبہ قبول نہیں اور ابن عباسؓ سے یہ بھی منقول ہے کہ یہ آیت اپنے ظاہر پر محمول ہے اور اس میں کوئی تاویل بھی نہیں اور نہ یہ آیت منسوخ ہے بلکہ آیات مغفرت کے لیے ناسخ ہے۔

محققین کی رائے یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ قول تغلیظ اور تشدید پر محمول ہے تاکہ لوگ اس وعید کو سن کر قتل مؤمن پر جرأت نہ کریں ورنہ آیت اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ اور احادیث اس بارہ میں صریح ہیں کہ کفر اور شرک سے کم درجہ سے جو گناہ ہیں وہ اللہ کے مشیت میں ہیں چاہے اللہ ان کو معاف کرے اور چاہے ان کو عذاب

دے گزشتہ امتوں میں سے ایک شخص کا سو آدمیوں کا قتل کرنا اور پھر اس سے توبہ کرنا اور پھر اس کی توبہ کا مقبول ہونا بخاری اور مسلم میں مذکور ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي

اے ایمان والو جب سفر کرو اللہ کی

سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ

راہ میں تو تحقیق کرو اور مت کہو جو شخص

أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ

تمہاری طرف سلام علیک کرے کہ تو مسلمان نہیں چاہتے ہو مال

عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللَّهِ مَغَانِمُ كَثِيرَةٌ

دنیا کی زندگی کا تو اللہ کے ہاں بہت غنیمتیں ہیں تم ایسے ہی

كَذَٰلِكَ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوا

تھے پہلے پھر اللہ نے تم پر فضل کیا سو اب

إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿٩٤﴾ لَا يَسْتَوِي

تحقیق کرو اللہ تمہارے کام سے واقف ہے برابر نہیں

الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَ

بیٹھنے والے مسلمان جن کو بدن کا نقصان نہیں اور

الْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ

لڑنے والے اللہ کی راہ میں اپنے مال سے اور جان سے

فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى

اللہ نے بڑائی دی لڑنے والوں کو اپنے مال اور جان سے ان پر جو

الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ۭ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۭ وَ

بیٹھنے ہیں درجہ میں اور سب کو وعدہ دیا اللہ نے خوبی کا اور

فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۹۵﴾

زیادہ کیا اللہ نے لڑنے والوں کو بیٹھنے والوں سے بڑے ثواب میں

دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ۭ وَكَانَ اللّٰهُ

بہت درجوں میں اپنے ہاں کے اور بخشش میں اور مہربانی میں اور اللہ ہے

غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۹۶﴾ ع ۱۳ ع ۵ ۱۰

بخشنے والا مہربان

حکم بست و پنجم وجوب احتیاط در قتل مسلم

قال تعالیٰ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ... الیٰ ...... غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ٥

(ربط) یہ بھی حکم سابق کا تتمہ ہے کہ مسلمان کا قتل قطعاً حرام ہے مجاہدین کو چاہیئے کہ جہاد میں غایت درجہ احتیاط سے کام لیں اثناء سفر میں اگر کوئی شخص تم کو ملے اور تم کو مسلمانوں کے طریقہ سے سلام کرے یا زبان سے کلمۂ شہادت پڑھے تو تم یہ گمان کر کے کہ اس کا یہ فعل محض جان بچا لینے کے لیے ہے اس کے قتل پر جرأت نہ کرو جیسا کہ بعض غزوات میں بعض لوگوں سے یہ غلطی ہوئی کہ کسی چرواہے نے ان کو السلام علیکم کہا وہ سمجھے کہ یہ شخص محض جان بچانے کے لیے سلام کر رہا ہے اس لیے اس کو قتل کر دیا اور اس کی بکریاں لے کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہو گئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور انہیں سخت تنبیہ کی گئی کہ آیندہ ہرگز ہرگز نہ کرنا علامات اسلام کا اظہار کافی ہے چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو! ایمان کا مقتضیٰ یہ ہے کہ جہاں ایمان کی جھلک نظر آوے تو اپنے ہاتھوں کو روک لو جب تم اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے سفر کرو تو خوب تحقیق کر لیا کرو اور جو تم کو سلام علیک کرے تو اس کو یہ نہ کہو کہ تو دل سے مسلمان نہیں محض جان بچانے کے لیے تو سلام علیک کہہ رہا ہے تم دنیاوی زندگانی کا سامان چاہتے ہو حالانکہ تمہیں اس حقیر سامان کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ اللہ کے یہاں تمہارے لیے بہت سی غنیمتیں ہیں جن کے سامنے ان چند

بکریوں کی کوئی حقیقت نہیں پہلے تم بھی ایسے ہی تھے یعنی مکہ میں تمہاری یہی حالت تھی کہ تم اپنا ایمان چھپاتے تھے اور شروع اسلام میں سوائے لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ کے کچھ نہیں جانتے تھے جیسے یہ چرواہا چھپاتا تھا اور تمہارے سامنے ظاہر کیا تم پر اللہ نے احسان کیا کہ تمہارے اسلام کو قوی کیا اور کافروں پر تم کو غلبہ عطاء کیا اور تم علانیہ طور پر اسلام ظاہر کرنے لگے پس جس طرح حق تعالیٰ نے ابتداء میں تمہارے ظاہری اسلام کو قبول کیا اور باطن کی تحقیق و تفتیش پر موقوف نہیں رکھا پس اسی طرح تم بھی احتیاط سے کام لو اور تحقیق کرلیا کرو جو شعارِ اسلام کو ظاہر کرے اس کو قتل نہ کرو تحقیق اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے پورا خبردار ہے تمہاری بے احتیاطی اور جلدبازی اس سے پوشیدہ نہیں۔

فضائل مجاہدین

اب آیندہ آیات میں مجاہدین کے فضائل بیان فرماتے ہیں کہ مبادا احتیاط میں غلو کی وجہ سے ایسا نہ کرنا کہ جہاد میں جانا ہی چھوڑ بیٹھو اور یہ خیال کرنے لگو کہ لاؤ گھر بیٹھے ہی عبادت کرلیا کریں گے سو ارشاد فرماتے ہیں کہ معذور لوگوں کے سوا جو مسلمان جہاد سے گھر میں بیٹھے رہیں وہ رتبہ میں ان مسلمانوں کے برابر نہیں ہوسکتے جو خدا کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرتے ہیں غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ سے وہ لوگ مراد ہیں جو کسی عذر کی وجہ سے جہاد کے شرکت سے معذور رہیں جیسے عبداللہ بن ام مکتومؓ بوجہ نابینا ہونے کے جہاد میں شریک نہیں ہوسکتے تھے اور جیسے حضرت عثمان غنی جنگ بدر کی شرکت سے معذور رہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی جو اُن کے نکاح میں تھیں وہ شدید بیمار تھیں اُن کی تیمارداری کے لیے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو ٹھہرنے کا حکم دیا تھا اس وجہ سے غنائم بدر میں سے حضرت عثمان کو حصّہ دیا گیا اور حضرت عثمان بدریین میں شمار کیے گئے۔

اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ بغیر عذر، جہاد میں شریک نہ ہونے والے مسلمان مرتبہ اور ثواب میں ان مسلمانوں کے برابر نہیں جو جہاد میں شریک ہوتے ہیں لیکن جو مسلمان کسی معذوری یا مجبوری کی بناء پر جہاد میں شریک نہیں ہوتے مثلاً وہ اندھے یا لنگڑے یا بیمار ہیں یا کسی بیمار کے تیماردار ہیں مگر دل شوقِ جہاد سے لبریز ہے تو ایسے معذورین حُسنِ نیت کی بناء پر مجاہدین کے برابر ہوسکتے ہیں یعنی ان کو وہی ثواب ملے گا جو مجاہدین کو ملتا ہے بشرطیکہ جہاد میں نہ شریک ہونا صرف اسی معذوری اور لاچاری کی بناء پر ہو اللہ نے ان لوگوں کو جو اپنے مال اور جان سے جہاد کرتے ہیں ایسے بیٹھنے والوں پر جن کی نیت تو جہاد کی تھی مگر معذوری کی وجہ سے جہاد میں شرکت نہ کرسکے ایک درجہ فضیلت دی ہے اور وعدہ بھلائی کا اللہ نے ہر ایک سے کیا ہے یعنی وعدہ نیکی کا مجاہدین

اور قاعدین دونوں سے ہے کیونکہ جہاد کی نیت سب کی تھی مگر مجاہدین کو قاعدین پر ایک درجہ فضیلت ہے اس لیے کہ یہاں نیت جہاد کے ساتھ عمل جہاد بھی مقرون ہے اور اللہ نے مجاہدین کو ان بیٹھنے والوں پر جو تندرست تھے اور معذور نہ تھے اجر عظیم کے لحاظ سے فضیلت دی ہے یعنی اپنے پاس سے اُن کو بڑے مرتبے عطا کرے گا اور مغفرت اور رحمت سے ان کو نوازے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے جس پر جہاد فرض نہ ہو وہ اگر گھر بیٹھے بھی عبادت و ریاضت کرتا رہے تو اللہ اس کی بھی مغفرت فرمائے گا۔

ف چونکہ بظاہر دونوں آیتوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے پہلی آیت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مجاہدین کو قاعدین پر ایک درجہ فضیلت ہے اور دوسری آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کئی درجہ فضیلت ہے اس لیے ہم نے اس شبہ کے رفع کرنے کے لیے یہ تفسیر اختیار کی کہ پہلی آیت میں قاعدین سے قاعدینِ معذورین مراد ہیں اور دوسری آیت میں قاعدین سے قاعدینِ غیر معذورین مراد ہیں قاعدین معذورین پر مجاہدین کو ایک درجہ فضیلت ہے اور قاعدین غیر معذورین پر مجاہدین کو کئی درجہ فضیلت حاصل ہے اور جمہور علماء نے پہلی آیت میں درجہ سے جنس کا مرتبہ مراد لیا ہے اور دوسری آیت کو اس کی تفصیل قرار دیا ہے (روح المعانی ص۱۱ ج ۵ و تفسیر مظہری ص۲۰۴ ج۲)

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ
جن لوگوں کی جان کھینچتے ہیں فرشتے اس حال میں کہ وہ برا

اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا كُنَّا
کر رہے ہیں اپنا کہتے ہیں تم کس بات میں تھے وہ کہتے ہیں ہم تھے

مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ
مغلوب اس ملک میں کہتے ہیں کیا نہ تھی زمین اللہ کی

اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ؕ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ
کشادہ کہ وطن چھوڑ جاؤ وہاں سو ایسوں کا ٹھکانا ہے دوزخ

وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿٩٧﴾ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ
اور بہت بری جگہ پہنچنے کی مگر جو ہیں بے بس

الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً

مرد اور عورتیں اور لڑکے نہ کرسکتے ہیں تلاش

وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۹۸﴾ فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ

اور نہ جانتے ہیں راہ سو ایسوں کو امید ہے

اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۹۹﴾

کہ اللہ معاف کرے اور اللہ ہے معاف کرنے والا بخشنتا

حکم بست و ششم وجوب ہجرت

قَالَ تَعَالٰى اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ... الٰی ...... كَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ه

(ربط) گزشتہ آیات میں جہاد کی ترغیب اور بے عذر جہاد ترک کرنے والوں کا بیان تھا اب اس آیت میں ہجرت کی ترغیب دیتے ہیں اس لیے کہ ہجرت جہاد کا مقدمہ ہے اور بے عذر ہجرت ترک کرنے والوں کا حال بیان فرماتے ہیں کہ مرنے کے بعد ان پر کیا گزرتی ہے اسلیے کہ ایمان کے بعد پہلے ہجرت کا حکم ہوا اور پھر ہجرت کے بعد جہاد کا حکم ہوا پس گویا کہ جو لوگ باوجود قدرت کے ہجرت نہیں کرتے گویا کہ وہ لوگ عمداً تارک جہاد ہیں اس لیے ان آیات میں ہجرت کی ترغیب کا بیان ہے کہ ہجرت سعادت دارین کا سبب ہے اور ترک ہجرت محرومی کا سبب ہے اس لیے کافروں میں رہ کر نہ تو احکام اسلام کو کھل کر بجا لا سکتا ہے اور نہ دین کی تبلیغ کرسکتا ہے اور نہ اسلام اور نہ مسلمانوں کی کوئی مدد کرسکتا ہے اس لیے ابتداء اسلام میں ہجرت فرض تھی فتح مکہ کے بعد ہجرت کی فرضیت منسوخ ہوگئی ۔

شانِ نزول

کچھ لوگ ایسے تھے جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے مگر مکہ میں مشرکوں کے ساتھ رہے اور مشرکین کے ڈر کے مارے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت بھی نہیں کی اور بدر کی لڑائی میں مشرکین مکہ کی فوج میں شامل ہو کر مسلمانوں سے لڑنے آئے اور مارے گئے ان کے بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی (تفسیر قرطبی

ص ۳۴۵ ج ۵ و صحیح بخاری و فتح الباری کتاب التفسیر)

تحقیق جن لوگوں کی فرشتوں نے اس حال میں جانیں نکالیں کہ وہ لوگ دار الحرب میں پڑے پڑے اپنے دین کو برباد کر کے اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے یعنی اسلام لانے کے بعد باوجود قدرت کے ہجرت نہ کی اور اپنی خیالی کمزوری اور وہمی مجبوری کی بناء پر کافروں ہی میں پڑے رہے اور ان کا ساتھ دیتے رہے اور مشرکوں کی فوج میں شامل ہو کر مسلمانوں سے لڑنے کے لیے جاتے رہے حتیٰ کہ اسی حالت میں وہ مر گئے تو اس وقت موت کے فرشتوں نے ان سے بطور توبیخ اور سرزنش یہ پوچھا کہ تم کس حال میں تھے یعنی مسلمانوں کے ساتھ تھے یا کافروں کے ساتھ ان ظالموں نے یہ جواب دیا کہ دل سے تو ہم مسلمان تھے مگر سرزمین مکہ میں ہم نہایت کمزور اور بے بس تھے اس لیے ہم احکام اسلام کو علانیہ طور پر بجا نہیں لا سکتے تھے اور ظاہر میں کافروں میں رہتے تھے اور ان کا ساتھ دیتے تھے فرشتوں نے کہا کیا اللہ کی زمین کشادہ اور فراخ نہ تھی کہ تم ہجرت کر کے اس میں چلے جاتے اس طرح تم کفار کے نرغہ سے نکل جاتے اور وہاں جا کر اطمینان سے اللہ کی عبادت کرتے حاصل یہ کہ تمہارا یہ عذر کہ ہم بے بس تھے غلط ہے تم بے بس نہ تھے ہجرت پر تو قادر تھے اس سے وہ لاجواب ہو جائیں گے اور جرم ان کا ثابت ہو جائے گا سو ایسے لوگوں کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بہت بری جگہ ہے مگر جو مرد اور عورتیں اور بچے ایسے بے چارہ اور بے بس ہیں کہ وہ کسی حیلہ سے بھی ہجرت پر دسترس نہیں رکھتے مثلاً کفار کی قید میں ہیں یا نابینا اور معذور ہیں یا ان کے پاس سفر خرچ نہیں اور نہ وہ راستہ سے واقف ہیں سو ایسے لوگوں کے متعلق امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے قصور کو معاف کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ بڑا معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے خدا کے دشمنوں میں پڑا رہنا کوئی معمولی جرم نہ تھا مگر بے بسی اور معذوری کی بناء پر خدا تعالیٰ سے معافی کی توقع ہے شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی کہ مسلمان کافروں کی سرزمین میں ذلیل اور خوار ہو کر پڑا رہے اور احکام اسلام کو آزادی کے ساتھ بجا نہ لا سکے اور آزادی کے ساتھ دین کا علم حاصل نہ کر سکے کافر حکومت جو جبری تعلیم نافذ کر دے اس کے حاصل کرنے پر مجبور ہو ایسی حالت میں ہجرت فرض ہے۔

وَمَنْ يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرَاغَمًا

اور جو کوئی وطن چھوڑے اللہ کی راہ میں پاوے اس کے مقابلہ میں جگہ بہت اور کشایش

كَثِيرًا وَسَعَةً ۚ وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ

اور جو کوئی نکلے اپنے گھر سے وطن چھوڑ کر اللہ اور رسول کی طرف

وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَی

پھر آپکڑے اس کو موت سو ٹھہر چکا اس کا ثواب

اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ؁۱۰۰ ع

اللہ پر اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

ترغیب ہجرت

قال تعالیٰ وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ..... الیٰ .... وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

گزشتہ آیت میں ترک ہجرت پر وعید تھی اب اس آیت میں ہجرت کی ترغیب ہے اور اس پر سعادت دارین کا وعدہ ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور جو شخص خدا کی راہ میں دارالکفر اور دارالحرب سے ہجرت کر جائے تو وہ وطن کے مقابلہ میں خدا کی زمین میں علی رغم الاعداء بہت جگہ اور وسعت رزق پائے گا اور جو شخص اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف نکلے اور پھر مقام ہجرت تک پہنچنے سے پہلے ہی راستہ میں اس کو موت آجائے تو تحقیق اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ثابت ہوگیا یعنی گو اس کی ہجرت پوری نہیں ہوئی لیکن چونکہ اس کی نیت ہجرت کرنے کی تھی اس لیے اس کو ہجرت کا پورا ثواب ملے گا اور یہی حال ہے تمام اعمال کا جس عمل کو انسان خدا کے لیے شروع کرے اور اختتام سے پہلے مر جائے تو اس کو پورے عمل کا ثواب ملے گا اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے یعنی اس ہجرت سے پہلے جو کافروں اور مشرکوں میں ٹھہرا رہا اللہ تعالیٰ اس کی گزشتہ خطا کو معاف کر دے گا کیونکہ وہ غفور رحیم ہے۔

حق جل شانہٗ نے ان آیات میں مسلمانوں کو ہجرت کی رغبت دلائی ہے کہ وطن مالوف چھوڑنے سے یہ خیال نہ کریں کہ پردیس میں تکلیف ہوگی۔ نہیں بلکہ انہیں وطن سے زیادہ آرام ملے گا کشادہ جگہ اور فراخ روزی ملے گی اور نہ یہ خیال کریں کہ شاید منزل مقصود پر پہنچنے سے پہلے ہی راستہ میں انتقال ہو جائے اس لیے کہ ہجرت کا ثواب پورا ہی ملے گا سعید بن جبیرؓ سے مروی ہے کہ جب اوپر کی آیتیں یعنی اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ الخ نازل ہوئیں تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے مسلمانوں کے پاس بھیج دیں جنہوں نے ہجرت نہیں کی تھی تو جندب بن ضمرہؓ جو ایک بوڑھا اور بیمار شخص تھا اسنے جب یہ آیتیں سنیں تو کہا کہ میں ان لوگوں میں سے نہیں جن کو اللہ تعالےٰ نے ہجرت کے حکم سے مستثنیٰ کیا ہے کیونکہ میں ہجرت پر حیلہ

پاتا ہوں اور میرے پاس اس قدر مال موجود ہے جس کے سہارے میں مدینہ پہنچ سکوں اور قسم کھائی کہ میں بخدا اب رات مکہ میں نہیں گزاروں گا ان کے بیٹے ان کو ایک تخت پر لٹکا کر لے چلے جب مقام تنعیم میں پہنچے تو موت نے آپکڑا نزع کے وقت انہوں نے اپنا بایاں ہاتھ اپنے داہنے ہاتھ پر رکھ کر کہا کہ اے پروردگار یہ ہاتھ تیرے لیے ہے اور یہ ہاتھ تیرے رسول کے لیے تجھ سے ان باتوں پر بیعت کرتا ہوں جن باتوں پر تیرے رسول بیعت لیتے ہیں اور انتقال کر گیا جب اس کی خبر صحابہ کو پہنچی تو کہنے لگے کہ اگر مدینہ پہنچ کر موت آتی تو کیا اچھا ہوتا اس پر یہ آیت نازل ہوئی

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ

اور جب تم سفر کرو ملک میں تو تم پر گناہ نہیں

جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ

کہ کچھ کم کرو نماز میں سے اگر

خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ اِنَّ

تم کو ڈر ہو کہ ستاویں گے تم کو کافر البتہ کافر

الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ۝۱۰۱ وَاِذَا كُنْتَ

تمہارے دشمن ہیں صریح اور جب تو ان میں

فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَاۗىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ

ہو پھر ان کو نماز میں کھڑا کرے تو چاہیئے ایک جماعت ان کی

مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ ۣ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا

کھڑی ہو تیرے ساتھ اور ساتھ لیویں اپنے ہتھیار پھر جب یہ سجدہ کر چکیں تو پرے

مِنْ وَّرَاۗىِٕكُمْ ۠ وَلْتَاْتِ طَاۗىِٕفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا

ہو جاویں اور آوے دوسری جماعت جن نے نماز نہیں کی وہ نماز کریں

فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ ۚ
تیرے ساتھ اور پاس لیویں اپنا بچاؤ اور ہتھیار
وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَ
کافر چاہتے ہیں کسی طرح تم بے خبر ہو اپنے ہتھیاروں سے اور
اَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ؕ وَلَا
اسباب سے تو تم پر جھک پڑیں ایک حملہ کر کر اور
جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ
گناہ نہیں تم پر اگر تم کو تکلیف ہو مینہ سے یا تم
مَّرْضٰۤى اَنْ تَضَعُوْۤا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ ؕ اِنَّ
بیمار ہو کہ اتار رکھو اپنے ہتھیار اور ساتھ لو اپنا بچاؤ اللہ
اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۰۲﴾ فَاِذَا قَضَيْتُمُ
نے رکھی ہے منکروں کے واسطے ذلت کی مار پھر جب نماز
الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ
کر چکو تو یاد کرو اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور پڑے
فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ
پھر جب خاطر جمع سے ہو تو درست کرو نماز یہ نماز ہے
كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾ وَلَا تَهِنُوْا
مسلمانوں پر وقت باندھا حکم اور مت ہارو
فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ
ان کا پیچھا کرنے سے اگر تم بے آرام ہوتے ہو تو وہ بھی بے آرام ہیں

كَمَا تَأْلَمُونَ ۚ وَتَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ ۗ

جس طرح تم بے آرام ہو اور تم کو اللہ سے امید ہے جو ان کو نہیں

وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿۱۰۴﴾

اور اللہ سب جانتا ہے حکمت والا

ع ۱۵ ۴ ۱۲

حکم بست و ہفتم متعلق بہ صلوٰۃِ سفر و صلاۃِ خوف

قال تعالیٰ وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ ...... الیٰ ...... عَلِيمًا حَكِيمًا ۝

(ربط) گزشتہ آیات میں جہاد و ہجرت کا ذکر تھا اور غالب احوال میں جہاد اور ہجرت کے لیے سفر کرنا پڑتا ہے اب ان آیات میں حالت جہاد اور سفر میں نماز پڑھنے کا طریقہ تعلیم فرماتے ہیں اور سفر اور خوف کی وجہ سے نماز میں جو رعایتیں اور سہولتیں عطا کی ہیں ان کا ذکر کرتے ہیں۔

حکم صلاۃِ سفر

اور جب تم سفر کرو زمین میں جس کی مقدار تین منزل ہو یا اڑتالیس میل ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں بلکہ ضروری ہے کہ تم رباعی (چار رکعت والی نماز میں سے دو رکعت) کم کردو اگر تم کو یہ اندیشہ ہو کہ کافر تم کو ستائیں گے بے شک تمام کافر تمہارے کھلے دشمن ہیں ابتداء میں قصر کا حکم خوف کے ساتھ مشروط تھا بعد میں اللہ تعالیٰ نے یہ شرط ساقط کردی جیسا کہ صحیح مسلم وغیرہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے قصر نماز میں خوف کی قید کی بابت دریافت کیا تو آپؐ نے یہ فرمایا کہ بغیر خوف کے بھی نماز میں قصر ہے اور یہ اللہ کی طرف سے صدقہ ہے اس کو قبول کرنا چاہیئے نیز آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر وعمر اور صحابہ کرام نے سفر میں بحالت امن بھی قصر کیا ہے معلوم ہوا کہ قصر کی مشروعیت خوف پر موقوف نہیں اور داؤد ظاہری کا مذہب یہ ہے کہ سفر کی نماز میں قصر کرنا اس شرط سے جائز ہے کہ جب کافروں سے فتنہ کا خوف ہو اور جمہور سلف اور خلف کے نزدیک بدون شرط مذکور کے بھی قصر درست ہے اور آیت میں جو اِنْ خِفْتُمْ کی شرط ہے وہ قید احترازی نہیں بلکہ بیان واقع کے لیے ہے جس کا مفہوم معتبر نہیں۔

مسافت قصر

اہل ظاہر اس آیت کے ظاہری عموم سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ سفر کی کوئی مقدار یا حد معین نہیں ہر سفر میں قصر جائز ہے خواہ وہ تھوڑا ہو یا بہت ہو یہاں تک کہ تین میل کے سفر میں بھی قصر جائز ہے کیونکہ آیت میں سفر کی کوئی حد نہیں بیان کی گئی لیکن تمام فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ تھوڑے سفر میں قصر نہیں اور سب نے الگ الگ سفر کی حد بیان کی ہے فقہاء حنفیہ کے نزدیک قصر صرف اس سفر میں ہے جو تین دن کا ہو جیسا کہ حدیث میں ہے کہ مسافر کے لیے مسح علی الخفین تین دن تک کے لیے جائز ہے اور مقیم کے لیے ایک دن اور ایک رات اور عثمان غنیؓ اور عبداللہؓ بن مسعودؓ اور حذیفۃ بن الیمانؓ کا بھی یہی مذہب ہے۔

اور امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک چار برید کی مسافت کے سفر میں قصر ہے یعنی اگر اڑتالیس میل کا سفر ہو تو قصر جائز ورنہ نہیں جیسا کہ حدیث میں ہے کہ اے اہل مکہ چار برید (اڑتالیس میل) سے کم میں قصر نہ کرو رواہ الطبرانی عن ابن عباسؓ

قاضی[1] ابوبکر بن عربی فرماتے ہیں کہ جو لوگ سفر کی مقدار یا حد معین نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ ہر سفر میں قصر جائز ہے وہ دین کے ساتھ کھیل اور تماشہ کرتے ہیں تین چار میل بلکہ دس میل جانا بھی عرف میں سفر نہیں کہلاتا یہ مذہب اس قابل نہیں کہ اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھا جائے یا اس کو خیال اور خاطر میں لایا جائے یا اس کا ذکر بھی کیا جائے (تفسیر قرطبی ص۳۵۴ ج۵)

لطیفہ[2]

ایک غیر مقلد صاحب جب اپنے کھیت پر جاتے تو نماز میں قصر کرتے کسی نے سوال کیا

---

[1] قال القاضی ابن العربی وقد تلاعب قوم بالدین فقالوا ان من خرج من البلد الیٰ ظاهره قصر واکل وقائل هذا اعجمی لا یعرف السفر عند العرب او مستخف بالدین ولولا ان العلماء ذکروه لما رضیت ان المحه بموخر عینی ولا افکر فیه بفضول قلبی اھ تفسیر قرطبی ص۳۵۴ ج۵

[2] یہ لطیفہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کے وعظ مسمی بہ عصم الصنوف ص۷ وعظ سوم از سلسلۂ البلاغ و وعظ الهدی والمغفرہ نمبر ۲۶ از سلسلۂ تبلیغ میں مذکور ہے۔

کہ بندۂ خدا تم بدون مسافت قصر کے کیسے قصر کرتے ہو انہوں نے جواب دیا کہ قصر کے لیے کسی خاص مسافت کا ہونا شرط نہیں اس لیے کہ آیت میں ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ آیا ہے جس کے معنی زمین میں چلنے کے ہیں اور یہ مفہوم کھیت پر جانے کی صورت میں بھی صادق آتا ہے ایک حنفی عالم نے اس کا خوب جواب دیا کہ پھر تم کو ہمیشہ ہی قصر کرنا چاہیئے اس لیے کہ جب تم اپنے گھر سے مسجد جاتے ہو تو سیر فی الارض اس پر بھی صادق آجاتا ہے غیر مقلد صاحب کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا۔

حکم صلاۃ الخوف

اور اے نبی کریم جب آپ ﷺ مسلمانوں کی فوج میں موجود ہوں پھر ان کو نماز پڑھانے کیلیئے کھڑے ہوں اور اندیشہ ہو کہ کافر نماز میں حملہ نہ کر دیں تو ایسی حالت میں یہ چاہیئے کہ مسلمانوں کے دو گروہ ہو جائیں ان میں سے ایک گروہ آپ کے ساتھ نماز پڑھنے کھڑا ہو جائے اور دوسرا گروہ نگرانی کی خاطر دشمن کے مقابل کھڑا ہو جائے تاکہ دشمن کو دیکھتے رہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ نماز میں کھڑے ہیں وہ بھی نماز میں اپنے ہتھیار ساتھ لیے رہیں شاید کسی وقت ضرورت پڑ جائے پھر جب یہ لوگ آپ کے ساتھ سجدہ کر چکیں یعنی ایک رکعت پوری آپ کے ساتھ پڑھ چکیں تو پیچھے ہٹ جائیں یعنی دشمن کے مقابلہ پر چلے جائیں اور دوسرا طائفہ (گروہ) آجائے جس نے ابھی تک نماز نہیں پڑھی یعنی پہلا طائفہ جس نے آپ ﷺ کے ساتھ ایک رکعت نماز پڑھی ہے وہ تو دشمن کے مقابلہ میں چلا جائے اور دوسرا طائفہ جو اب تک دشمن کے مقابلہ میں تھا وہ آجائے پھر وہ آکر آپ کے ساتھ باقی ماندہ نماز میں شریک ہو جائیں اور آپ کے ساتھ نماز پڑھیں اور اپنی احتیاط اور بچاؤ کو مضبوط پکڑے رہیں اور اپنے ہتھیار بھی لیئے رہیں کافروں کی تمنا اور آرزو یہ ہے کہ کسی طرح تم اپنے ہتھیاروں اور سامان حرب سے غافل ہو تو یکبارگی ہی تم پر حملہ کر دیں اور تم پر ٹوٹ پڑیں پس احتیاط اور ہوشیاری کا مقتضیٰ یہی ہے کہ ہتھیار ساتھ لیے رہو۔ اس آیت میں دونوں گروہوں کے ایک ایک رکعت پڑھنے کا ذکر فرمایا بقیہ نماز کا حکم بیان نہیں کیا کہ وہ کس طرح ادا کریں اس کا طریقہ احادیث میں یہ آیا ہے کہ دوسرا گروہ امام کے سلام پھیر دینے کے بعد دشمن کے مقابلہ میں چلا جائے اور ہر گروہ بطور خود اپنی باقی نماز پوری کر لے اور یہ حکم اس وقت کے لیے ہے کہ جب جماعت ممکن ہو اور اگر جماعت ممکن نہ ہو تو پھر ہر شخص تنہا یا جس طرح ممکن ہو نماز پڑھ لے نیز یہ حکم جب ہے کہ جب سب ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھنا چاہیں ورنہ دو جماعتیں کر لی جائیں ایک گروہ کو ایک امام نماز پڑھا دے اور دوسرے گروہ کو دوسرا امام جیسا کہ در مختار میں ہے اور عجب نہیں کہ وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ سے اشارہ اسی طرف ہو کہ جب آپ ﷺ جیسا امام ہو اور سب اس کے پیچھے نماز پڑھنا چاہیں تو پھر مسلمانوں کی فوج کے دو حصے کر

دیئے جائیں اور امام ہر ایک حصہ کو ایک ایک رکعت نماز پڑھاوے اس طرح ہر گروہ کی آدھی آدھی نماز اس محبوب امام کے پیچھے ہو جائے اور باقی آدھی نماز دونوں گروہ جدا جدا پڑھ لیں واللہ اعلم ۔

اور تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم کو بارش کی تکلیف ہو یا تم بیمار ہو اور ایسی حالت میں تم کو ہتھیار اٹھانا دشوار ہو تو ایسی حالت میں تم اپنے ہتھیار اتار کر رکھ دو تو کوئی حرج نہیں اور پھر بھی اپنی احتیاط اور بچاؤ اور حفاظت کو خوب پکڑے رہو یعنی اگر بارش اور بیماری کی وجہ سے تم کو ہتھیار اٹھانا دشوار ہو تو ایسی حالت میں ہتھیار اتار کر رکھ دینے میں کچھ مضائقہ نہیں ہاں اپنی احتیاط پھر بھی رکھو بیشک اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے رسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے آخرت میں تو ان کو عذاب ہوئے ہی گا مگر منشاء خداوندی یہ ہے کہ دنیا میں کافر تمہارے ہاتھوں ذلیل اور رسوا ہوں لہذا تم کو احتیاط بہت ضروری ہے پھر جب تم نماز خوف کو ختم کر چکو تو اللہ کی یاد میں لگ جاؤ کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے یعنی اس کی تسبیح و تحمید و تہلیل و تکبیر میں لگ جاؤ کیونکہ اللہ کی یاد سے خوف جاتا رہتا ہے اور دل کو سکون اور اطمینان ہوتا ہے پھر جب تم مطمئن ہو جاؤ اور خوف اور سفر کی حالت ختم ہو جائے اور تم کو امن حاصل ہو جائے تو پھر معمول کے مطابق پوری نماز اطمینان کے ساتھ اور اصلی ہیئت کے ساتھ ادا کرو اس لیے کہ قصر اور نماز میں آمد و رفت کی جو اجازت تھی وہ ایک عارض کی وجہ سے تھی اب وہ ختم ہو گئی بے شک نماز مسلمانوں پر بقید اوقات وقت معین پر فرض کی گئی اس کو اپنے اوقات سے نکالنا اور اس کی ہیئت میں کسی قسم کا تغیر کرنا جائز نہیں جہاد جیسی عظیم عبادت کی وجہ سے عارضی طور پر نماز میں آمد و رفت کی اجازت دے دی گئی اور جب یہ عارض ختم ہوا تو اجازت بھی ختم ہوئی اور اے مسلمانو جب تمہیں یہ معلوم ہو گیا کہ جہاد ایسی عظیم عبادت ہے کہ اس کی وجہ سے نماز میں آمد و رفت کی اجازت دی گئی تو خوب سمجھ لو کہ کافروں کے تعاقب یعنی پیچھا کرنے میں سستی نہ کرنا جب ابو سفیان اور اس کے ہمراہی اُحد سے واپس ہوئے تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے تعاقب میں کچھ آدمی بھیجے ان آدمیوں نے زخموں کے درد کی شکایت کی اس پر یہ آیت نازل ہوئی اگر تم زخموں کی تکلیف سے دردمند ہو تو بے شک وہ بھی دردمند اور بے آرام ہیں جیسے تم دردمند اور بے آرام ہو پھر تم ان کے تعاقب میں سستی اور اپنے زخموں کی شکایت کیوں کرتے ہو جب وہ اپنے زخموں کی پروا نہیں کرتے اور برابر تم پر حملہ کیے جا رہے ہیں تو تم کو کیا ہوا تم اللہ سے وہ امیدیں رکھتے جو وہ نہیں رکھتے اس لیے تمہاری تکلیف ان کی تکلیف سے کم ہے تم جزاء اعمال کے قائل ہو تم کو خدا تعالیٰ سے دنیا میں فتح و نصرت کی اور آخرت میں جنت کے درجات عالیہ کی وہ امیدیں ہیں جو اُن کو نہیں پھر تم اُن کے مقابلہ میں کیوں سست ہو اور ہے اللہ جاننے والا اور حکمت والا تم کو جو حکم دیتا ہے اس کی نسبت وہ جانتا ہے کہ اس میں حکمت اور مصلحت ہے لہذا تم کو چاہیئے کہ اس کے حکم کو مانو اور اپنی رائے کو اس میں دخل نہ دو ۔

مسائل (۱) امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ سفر میں قصر کرنا جائز ہے واجب نہیں کیونکہ حق تعالیٰ کا یہ ارشاد لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم پر قصر کرنے میں کوئی گناہ نہیں تو معلوم ہوا کہ قصر کرنا واجب نہیں بلکہ جائز ہے اور اکثر اہل علم کے نزدیک قصر واجب ہے اور یہی قول حضرت عمر اور علی اور ابن عمر اور جابر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کا ہے اور یہی حسن بصری اور خلیفہ عمر بن عبدالعزیز اور قتادہ اور دیگر علماء تابعین کا قول ہے اور یہی امام ابوحنیفہ اور امام مالک کا مذہب ہے کیونکہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ نماز اوّل دو دو رکعت فرض ہوئی پھر نماز سفر تو اسی طرح برقرار رہی اور نماز حضر میں زیادتی کردی گئی لہٰذا جب سفر کی اصل نماز دو رکعت ہوئی تو اس میں زیادتی جائز نہ ہوگی۔

اور لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ سے یہ استدلال کرنا کہ قصر کرنا رخصت ہے اس لیے کہ لاجناح کا استعمال رخصت کے لیے ہوتا ہے تو جواب یہ ہے کہ یہ کلیہ نہیں حق تعالیٰ کا یہ ارشاد لَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا طواف صفا اور مروہ کے حق میں آیا ہے حالانکہ سعی بین الصفا والمروہ واجب ہے اور امام شافعی کے نزدیک فرض ہے سو جاننا چاہیے کہ لاجناح کا لفظ رخصت اور اباحت کیلیے نہیں لایا گیا بلکہ ان لوگوں کا وہم دفع کرنے کے لیے لایا گیا۔ کہ جو اس کو گناہ خیال کرتے تھے ان کا انقباض رفع کرنے کے لیے لفظ لاجناح لایا گیا ہے

(۲) اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا سے معلوم ہوتا ہے کہ نمازوں کے اوقات معین ہیں ان میں تقدیم وتاخیر جائز نہیں اور قرآن کریم میں ہے حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۔ نمازوں کی حفاظت کرو یعنی ان کو اپنے وقت پر ادا کرو اور جامع ترمذی میں ابن عباسؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے جمع بین الصلاتین کیا یعنی دو نمازوں کو وقت واحد میں پڑھا وہ گناہ کبیرہ کے دروازہ میں داخل ہوا اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں مگر صرف ایک راوی ایسا ہے کہ جس کو بعض نے ضعیف کہا اور بعض نے اسکو ثقہ بتایا اور اگر بالفرض کسی حدیث کے تمام راوی ضعیف ہوں اور حدیث آیت قرآنی اور شریعت کے اصول مقررہ اور خلفاء راشدین کی سنت مستمرہ کے موافق ہو تو وہ ضعیف حدیث بھی حجت ہے اور مؤطا امام محمد میں حضرت عمرؓ سے باسناد صحیح منقول ہے

انہ کتب الی الآفاق ینھٰھم ان یجمعوا بین الصلوتین ویخبرھم ان الجمع بین الصلاتین فی وقت واحد کبیرۃ

من الکبائر یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ممالک اسلامیہ کی اطراف وجوانب میں یہ فرمان روانہ کیا جس میں ان کو اس بات سے منع کیا کہ دو نمازوں کو جمع کریں اور ان کو خبردار کیا کہ دو نمازوں کو وقت واحد میں جمع کرنا بہت بڑا گناہ ہے من جملہ بڑے گناہوں کے (ترجمہ ختم ہوا)

اور اسی پارہ پنجم کے شروع میں یہ آیت گزر چکی ہے اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا اے مسلمانو اگر تم بڑے گناہوں سے بچتے رہو

گے تو ہم تمہارے چھوٹے گناہوں کا کفارہ کر دیں گے اور تم کو جنت میں داخل کریں گے اور ابن عباسؓ کی حدیث اور حضرت عمرؓ کے فرمان واجب الاذعان سے یہ معلوم ہو گیا کہ جمع بین الصلاتین گناہ کبیرہ ہے لہٰذا اس حدیث کو آیت کے ساتھ ملا کر یہ مطلب ہو گا کہ جو جمع بین الصلاتین سے اجتناب کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کا کفارہ فرما دیں گے اور یہی امام ابو حنیفہؒ کا مذہب ہے کہ ان کے نزدیک سوائے عرفات اور مزدلفہ کے کسی جگہ بھی جمع بین الصلاتین جائز نہیں اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ حالت سفر میں خاص شرائط کے ساتھ جمع بین الصلاتین جائز ہے کیونکہ بعض احادیث میں یہ آیا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بحالت سفر جمع بین الصلاتین فرمایا۔

جواب فقہاء حنفیہ یہ فرماتے ہیں کہ جن بعض احادیث میں جمع بین الصلاتین کا ذکر آیا ہے وہ مجمل ہیں اور جو روایتیں مفصل اور واضح آئی ہیں ان میں اس کی تصریح ہے کہ ظہر کی نماز کو اخیر میں پڑھا اور عصر کو اول وقت میں پڑھا پس ظاہراً ایسا معلوم ہوا کہ دونوں نمازیں ایک وقت میں پڑھی گئیں حالانکہ حقیقت میں دونوں نمازیں اپنے اپنے وقت کے اندر پڑھی گئیں خوب سمجھ لو زیادہ تفصیل کے لیے شروح بخاری اور شروح ہدایہ کو دیکھو۔

اِنَّآ اَنۡزَلۡنَآ اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَـقِّ لِتَحۡكُمَ بَيۡنَ

ہم نے اتاری تجھ کو کتاب سچی کہ تو انصاف کرے

النَّاسِ بِمَاۤ اَرٰىكَ اللّٰهُ‌ ؕ وَلَا تَكُنۡ

لوگوں میں جو سوجھاوے تجھ کو اللہ اور تو مت ہو

لِّـلۡخَآئِنِيۡنَ خَصِيۡمًا ۙ‏ ﴿۱۰۵﴾ وَّاسۡتَغۡفِرِ اللّٰهَ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

دغا بازوں کی طرف سے جھگڑنے والا اور بخشوا اللہ سے بے شک اللہ

كَانَ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ۚ‏ ﴿۱۰۶﴾ وَلَا تُجَادِلۡ عَنِ الَّذِيۡنَ

بخشنے والا مہربان ہے اور مت جھگڑ ان کی طرف سے

يَخۡتَانُوۡنَ اَنۡفُسَهُمۡ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنۡ كَانَ خَوَّانًا

جو اپنے جی میں دغا رکھتے ہیں اللہ کو خوش نہیں آتا جو کوئی ہو دغاباز

أَثِيمًا ﴿١٠٧﴾ يَسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ

گنہگار چھپتے ہیں لوگوں سے اور نہیں چھپتے

مِنَ اللَّهِ وَهُوَ مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّتُونَ مَا لَا يَرْضَىٰ مِنَ

اللہ سے اور وہ ان کے ساتھ ہے جب رات کو ٹھہراتے ہیں جس بات سے

الْقَوْلِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطًا ﴿١٠٨﴾ هَا أَنْتُمْ

وہ راضی نہیں اور جو کرتے ہیں اللہ کے قابو میں ہے سنتے ہو

هَٰؤُلَاءِ جَادَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَمَنْ

تم لوگ جھگڑے ان کی طرف سے دنیا کی زندگی میں پھر

يُجَادِلُ اللَّهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَمْ مَنْ يَكُونُ

کون جھگڑے گا ان کے بدلے اللہ سے قیامت کے دن یا کون ہوگا اُن کا

عَلَيْهِمْ وَكِيلًا ﴿١٠٩﴾ وَمَنْ يَعْمَلْ سُوءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ

کام بنانے والا اور جو کوئی کرے گناہ یا اپنا برا کرے

ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللَّهَ يَجِدِ اللَّهَ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿١١٠﴾ وَمَنْ

پھر اللہ سے بخشواوے پاوے اللہ کو بخشتا مہربان اور جو

يَكْسِبْ إِثْمًا فَإِنَّمَا يَكْسِبُهُ عَلَىٰ نَفْسِهِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ

کوئی کماوے گناہ سو کماتا ہے اپنے حق میں اور اللہ سب

عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١١١﴾ وَمَنْ يَكْسِبْ خَطِيئَةً أَوْ إِثْمًا

جانتا ہے حکمت والا اور جو کوئی کماوے تقصیر یا گناہ

ثُمَّ يَرْمِ بِهِ بَرِيئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَإِثْمًا

پھر لگادے بے گناہ کو اس نے سر دھرا طوفان اور گناہ

ع ۸ ۱۶ ۱۳

مُّبِيۡنًا ﴿١١٢﴾ وَلَوۡلَا فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡكَ وَرَحۡمَتُهٗ لَهَمَّتۡ

صریح اور اگر نہ ہوتا تجھ پر فضل اللہ کا اور مہر تو قصد کیا

طَّآئِفَةٌ مِّنۡهُمۡ اَنۡ يُّضِلُّوۡكَ ؕ وَمَا يُضِلُّوۡنَ اِلَّاۤ

ہی تھا ان میں ایک جماعت نے کہ تجھ کو بہکا دیں اور بہکا نہ سکتے مگر

اَنۡفُسَهُمۡ وَمَا يَضُرُّوۡنَكَ مِنۡ شَىۡءٍ ؕ وَاَنۡزَلَ اللّٰهُ

آپ کو اور تیرا کچھ نہ بگاڑتے اور اللہ نے نازل کی

عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمۡ تَكُنۡ

تجھ پر کتاب اور کام کی بات اور تجھ کو سکھایا جو تو نہ جان

تَعۡلَمُ ؕ وَكَانَ فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡكَ عَظِيۡمًا ﴿١١٣﴾ لَا خَيۡرَ

سکتا اور اللہ کا فضل تجھ پر بڑا ہے کچھ بھلی

فِىۡ كَثِيۡرٍ مِّنۡ نَّجۡوٰٮهُمۡ اِلَّا مَنۡ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوۡ

نہیں اکثر ان کی مشورت مگر جو کوئی کہے خیرات کو یا

مَعۡرُوۡفٍ اَوۡ اِصۡلَاحٍۢ بَيۡنَ النَّاسِ ؕ وَمَنۡ يَّفۡعَلۡ

نیک بات کو یا صلح کروانے کو لوگوں میں اور جو کوئی یہ چیزیں

ذٰ لِكَ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ اللّٰهِ فَسَوۡفَ نُـؤۡتِيۡهِ اَجۡرًا

کرے اللہ کی خوشی چاہ کر تو ہم اس کو دیں گے بڑا

عَظِيۡمًا ﴿١١٤﴾ وَمَنۡ يُّشَاقِقِ الرَّسُوۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا

ثواب اور جو کوئی مخالفت کرے رسول سے جب کھل چکی

تَبَيَّنَ لَهُ الۡهُدٰى وَيَتَّبِعۡ غَيۡرَ سَبِيۡلِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ

اس پر راہ کی بات اور چلے سب مسلمانوں کی راہ سے سوا ہم اس

نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۖ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۱۱۵﴾ ع ۱۷/۱۴

کو حوالے کریں وہی طرف جو اس نے پکڑی اور ڈالیں اس کو دوزخ میں اور بہت بری جگہ پہنچا

حکم بست وہشتم ممانعت از حمایتِ اہل خیانت

قَالَ تَعَالٰی اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ ...... الٰی ..... وَسَآءَتْ مَصِیْرًا ۰

(ربط) گزشتہ آیات میں کفار اور منافقین کے معاملات کا ذکر تھا اب ان آیات میں منافقین کے ایک شرانگیز قصہ کا بیان ہے اور یہ بتلانا مقصود ہے کہ کافروں پر ظلم کرنا اور بے گناہ پر تہمت اور الزام لگانا جائز نہیں اور خیانت کرنے والے کی حمایت جائز نہیں اگرچہ وہ کلمہ گو ہو مقدمہ کا فیصلہ عدل و انصاف سے ہونا چاہیئے

شانِ نزول [۱]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک منافق طُعمہ بن اُبیرق نامی نے ایک انصاری کے گھر میں نقب لگائی اور آٹے کا ایک تھیلا جس میں زرہ و ہتھیار رکھے ہوئے تھے چرا کر لے گیا اتفاق سے اس تھیلہ میں ایک سوراخ تھا چور کے گھر تک راستہ میں آٹا گرتا گیا جس سے لوگوں کو پتہ چل گیا کہ طعمہ بن ابیرق کی یہ کارسازی ہے طعمہ کو جب ڈر ہوا کہ میں پکڑا جاؤں گا تو اس نے یہ تدبیر کی کہ رات ہی کو وہ مال لے جا کر زید بن سمین یہودی کے پاس رکھ دیا جو اس کا ہمسایہ تھا صبح کو جب تحقیق و تفتیش شروع ہوئی تو آٹے کے سراغ سے طعمہ کو جا پکڑا مگر تلاشی کے بعد اس کے گھر میں سے کچھ نہ نکلا اور چور نے قسم کھائی کہ بخدا مجھے اس کا کچھ علم نہیں لوگوں نے چھوڑ دیا اور یہودی کے گھر کی تلاشی لی جہاں سے وہ زرہ برآمد ہوئی جب اس یہودی سے پوچھا گیا تو اس نے کہا میں چور نہیں میرے پاس تو طعمہ بن ابیرق امانت رکھ گیا ہے طعمہ نے اس سے صاف انکار کر دیا اور اپنے عزیزوں سے خفیہ مشورہ کر کے اپنی قوم کے لوگوں کو لے کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مال فلاں شخص کے گھر سے برآمد ہوا ہے اور لوگ مجھ پر چوری کی تہمت لگا رہے ہیں آپ سب کے سامنے میری صفائی اور براءت کر دیں اور یہودی کو چور ٹھہرائیں مگر نفس الامر میں یہودی اپنے قول میں سچا تھا اور طعمہ اپنے قول میں جھوٹا تھا اور واقع میں وہی چور تھا

[۱] منقول از تفسیر ابن کثیر ص۵۵۱ ج ۱ و تفسیر قرطبی ص۳۷۵ ج ۵

قتادہ بن النعمان وغیرہ جو طعمہ کو چور بتلا رہے تھے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن سے یہ فرمایا کہ تم بغیر کسی ثبوت اور کسی شہادت کے کسی پر کیسے چوری کی تہمت لگاتے ہو اس پر حق تعالیٰ نے پورے دو رکوع نازل فرمائے جن میں طعمہ کی خیانت اور یہودی کی براءت کی طرف اشارہ فرمایا اور اشارہ فرمایا کہ خیانت کرنے والوں کی حمایت کا تصور بھی نہ کیجیے اور اللہ تعالیٰ سے اس بیجا حمایت کے تصور کی بھی معافی مانگئے ظاہر حال اور لاعلمی کی بناء پر آپ نے جو فرمایا اگرچہ وہ فی حد ذاتہ گناہ نہ ہو مگر آپ کی شان عالی کے لیے مناسب نہیں کہ لسان نبوت سے کوئی ایسا کلمہ نکل جائے جو نفس الامر کے خلاف ہو اگرچہ اس کلمہ کا صدور لاعلمی ہی کی بناء پر ہو چنانچہ فرماتے ہیں (اے نبی) تحقیق یہ مقدس کتاب ہم نے آپ کی طرف حق اور راستی کے ساتھ اتاری ہے تاکہ آپ لوگوں کے درمیان خواہ وہ مسلمان ہوں یا کافر اس چیز کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ تعالیٰ آپ کو سمجھائے یا دکھلائے یا صراحۃً یا اشارۃً آپ کو بتلائے یا سمجھائے امام قرطبی فرماتے ہیں کہ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ سے دل کی آنکھ سے دکھلانا مراد ہے کیونکہ حکم اور فیصلہ سر کی آنکھ سے نہیں دیکھا جا سکتا (تفسیر قرطبی[1])۔

لغت میں سر کی آنکھ سے دیکھنے کو رؤیت کہتے ہیں اور دل کی آنکھ سے دیکھنے کو رأی کہتے ہیں امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کو اہل الرائے اس لیے کہتے ہیں کہ وہ کتاب وسنت میں دل کی آنکھ سے دیکھ کر حکم دیتے ہیں علماء اصول نے لفظ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ سے استدلال کیا ہے کہ کبھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی رائے اور اجتہاد سے حکم دیتے

اور اگر کسی وقت حضور پُرنور کی رائے اور اجتہاد میں کسی قسم کی کوئی خطا واقع ہوئی تو فوراً بذریعہ وحی صریح اس پر مطلع کر دیا جاتا ہے اور حق تعالیٰ کی طرف سے اس بارہ میں کوئی وحی نازل نہ ہو تو مدت انتظار گذر جانیکے بعد نبی کا اجتہاد اور اسکی رائے بمنزلہ وحی جلی اور نص صریح کے ہو جاتا۔ جاننا چاہیئے کہ نبی کا اجتہاد اور اسکی رائے وحی باطنی ہے اور قطعی ہے اور مجتہدین کی رائے اور ان کا اجتہاد ظنی ہے

اور اے ہمارے نبی آپ خیانت کرنے والوں کے حمایتی نہ بننا اور لاعلمی اور بے خبری کی حالت میں اصل واقعہ نہ معلوم ہونے کی وجہ سے محض ظاہر حال کی بنا پر جو کلمہ آپ کی زبان سے

---

[1] قال القرطبی قولہ تعالیٰ بما اراك اللہ معناہ علی قوانین الشرع اما برأیٍ ونصّ او بنظرٍ جارٍ علی سنن الوحی وھذا اصل فی القیاس وھو یدل علی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا رأی شیئا اصاب لان اللہ تعالیٰ اراہ ذلك وقد ضمن اللہ تعالیٰ لانبیائہ العصمۃ فاما احدنا اذا رأی شیئا یظنہ فلا قطع فیما رأٰہ ولم یرد رؤیۃ العین ھنا لان الحکم لا یریٰ بالعین وفی الکلام اضمار ای بما اراکہ اللہ وفیہ اضمار آخر وامض الاحکام علی ما عرفناك من غیر اغترار باستدلالھم (تفسیر قرطبی ص۳۷۶ ج۵)

نکل گیا ہے اس کی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیے طعمہ جیسے خائن کی برأت کا تصور بھی گناہ ہے[1] اور قابل استغفار ہے بظاہر حکم استغفار کا حضور پُر نور کو ہے مگر دراصل خائنین کو سنانا مقصود ہے بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور مہربان ہے یا یہ مطلب ہے کہ جن لوگوں نے حسن ظن کی بناء پر طعمہ اور بنی ابیرق کو سچا اور بری سمجھ لیا تھا ان کے لیے استغفار کیجیے اس میں ان مؤمنین مخلصین کے لیے تنبیہ ہوگئی جو بوجہ حسن ظن یا اسلامی تعلق کی بناء پر طعمہ کی برارت اور یہودی کے چور بنانے میں ساعی ہوئے اور آئندہ بھی اے نبی ایسے لوگوں کی طرف سے نہ جھگڑنا جو دوسروں کی خیانت کرکے درحقیقت اپنی جانوں سے خیانت اور دغا کر رہے ہیں بے شک اللہ تعالیٰ دغاباز اور گنہگار کو پسند نہیں کرتا کہ گناہ (چوری) تو خود کریں اور چالاکی سے دوسروں کے سر لگا دیں یہ دغاباز لوگ اپنی خیانتوں کو لوگوں سے چھپانا چاہتے ہیں اور لیکن اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں رہ سکتے اور اللہ سے کیسے چھپا سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ تو اس وقت بھی ان کے ساتھ ہے جب وہ رات کو ان باتوں کے مشورے کرتے ہیں جن کو اللہ پسند نہیں کرتا یعنی جب طعمہ کی قوم کے لوگ یہ مشورہ کر رہے تھے کہ ہم اپنی جھوٹی قسم اور شہادت سے طعمہ کی برارت اور یہودی کی چوری ثابت کر دیں گے اس وقت بھی اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ تھا اور ان کے حال کو دیکھ رہا تھا اور ہے اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کا احاطہ کرنے والا اس پر تمہاری کوئی بات پوشیدہ نہیں رہ سکتی تمہارا ظاہر و باطن سب اس کے احاطہ میں ہے خبردار اے طعمہ کے حامیو اور طرف دارو تم ہی ایسے نادان لوگ ہو کہ تم ان خائنین کی طرف سے دنیاوی زندگی میں تو جھگڑے۔ اور خیانت کے الزام سے انکو بری کر لیا سو یہ تو بتاؤ کہ قیامت کے دن کون ان کی طرف سے جھگڑے گا یا کون ان کا وکیل بنے گا اور جو شخص ان خائنین کی حمایت اور وکالت سے توبہ کرلے اللہ تعالیٰ اس کو بخشدے گا اس لیے کہ حق تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ کہ جو شخص ایسا برا کام کرے جس سے دوسروں کو تکلیف پہونچے جیسے چوری وغیرہ اور کسی پر تہمت لگانا یا صرف اپنی جان پر ظلم کرے یعنی یا ایسا کام کرے جس کا ضرر اسی کی ذات تک محدود رہے پھر اس کے بعد حق تعالیٰ سے معافی چاہے تو اللہ تعالیٰ کو بخشنے والا مہربان پائے گا اشارہ اس طرف ہے کہ طعمہ اور اس کی قوم کو توبہ کرلینی چاہیے اگر وہ توبہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ کو قبول فرمائے گا اور جو شخص گناہ کرتا ہے وہ اپنے ہی برے کے لیے کرتا

---

[1] ذهب الطبری الی ان المعنی استغفر الله من ذنبك فی خصامك الخائنين فامره بالاستغفار لما هَمَّ بالدفع عنهم وقطع يد اليهودی وهذا مذهب من جوز الصغائر علی الانبياء قال ابن عطية وهذا ليس بذنب لان النبی صلی الله عليه وسلم انما دافع علی الظاهر وهو يعتقد براءتهم (تفسیر قرطبی ص ۳۷۷ ج ۵)

ہے کیونکہ اس کا وبال اسی پر پڑے گا اور اللہ بڑا دانا اور حکمت والا ہے اور جو شخص نادانستہ کوئی خطا کر گذرے یا دیدہ و دانستہ کسی گناہ کا ارتکاب کر بیٹھے پھر بجائے شرمندہ اور تائب ہونے کے اس گناہ کو کسی بے گناہ پر لے جاکر پھینک دے یعنی اپنا گناہ کسی دوسرے کے سر لگا دے تو بے شک اس شخص نے بڑے بہتان اور کھلے گناہ کو اپنے سر پر اٹھا لیا اس آیت میں خطار سے گناہ صغیرہ اور اثماً سے گناہ کبیرہ مراد ہے اور اے نبی اگر آپ پر اللہ کا خاص فضل اور خاص رحمت نہ ہوتی تو ان منافقین میں کا ایک گروہ یہ ارادہ کر چکا تھا کہ اپنی چرب لسانی سے آپ کو غلطی میں ڈال دیں۔ یعنی طعمہ کی قوم آپؐ سے خلاف حق فیصلہ کرانا چاہتی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر اپنا فضل کیا کہ بذریعہ وحی کے اصل واقعہ سے آپ کو مطلع کر دیا اور آپ کی عصمت کو قائم رکھا اور چونکہ خدا تعالیٰ کا خاص فضل آپ کا شامل حال ہے اس لیے یہ لوگ سوائے اپنے نفسوں کے اور کسی کو گمراہ نہیں کر سکتے اور آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ آپؐ کا حافظ و ناصر ہے اور کسی کا آپ کو نقصان پہنچانا ناممکن اور محال ہے اس لیے کہ اللہ نے اپنے فضل و رحمت سے آپ پر کتاب کو نازل کیا اور حکمت کی باتیں اتاریں اور آپ کو وہ باتیں سکھائیں جو آپ نہیں جان سکتے تھے یعنی بہت سی غیب کی خبروں پر آپ کو مطلع کیا جن کا آپ کو پہلے سے کچھ علم نہ تھا اور یہ اس وجہ سے ہے کہ تجھ پر اللہ کا بڑا ہی فضل ہے اور ظاہر ہے کہ جس پر اللہ کا خاص فضل ہو اس کو کون ضرر اور نقصان پہنچا سکتا ہے (اے نبی) ان لوگوں کی اکثر سرگوشیوں اور مشوروں میں کوئی خیر اور بھلائی نہیں مگر اس سرگوشی اور مشورہ میں نیکی اور بھلائی ہے جس میں کوئی صدقہ اور خیرات کا یا نیک بات کا یا لوگوں میں صلح کرانے کا حکم دے یہ آیت اگرچہ خاص طعمہ کی قوم کی سرگوشیوں کے بارہ میں نازل ہوئی مگر حکم عام ہے اور مطلب یہ ہے کہ سوائے ان تین قسم کی باتوں کے جو مذکور ہوئیں کسی اور بات میں سرگوشی نہیں کرنی چاہیے اور جو شخص یہ کام محض اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کریگا ہم اس کو بڑا ثواب دیں گے یعنی جو شخص خیرات یا نیکی کی بات یا صلح کرائے گا تو ہم اس کو بڑا ثواب ضرور دیں گے مگر شرط یہ ہے کہ یہ کام اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کرے شہرت اور نمود کے لیے نہ کرے اور جو شخص رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرے بعد اس کے کہ راہ ہدایت اس پر کھل چکی ہے اور جو شخص مسلمانوں کی راہ کو چھوڑ کر کسی اور راہ کی پیروی کرے یعنی مسلمانوں کے مسلّم اور متفق علیہ طریقہ کو چھوڑ کر جو شخص نیا طریقہ اختیار کرے گا تو ہم ایسے شخص کے منہ کو اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ متوجہ ہوا ہے یعنی اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور جو کرتا ہے وہ کرنے دیں گے اور جس طرف وہ پھرا ہے اسی طرف اس کو پھیر دیں گے اور کبھی اس کو ہدایت نصیب نہ ہو گی اور اخیر میں اس کو جہنم میں جھونک دیں گے اور وہ بہت بری جگہ ہے یہ آیت اس امر کی دلیل

ہے کہ اجماع امت حجت ہے اور مسلمانوں پر اس کی پیروی واجب ہے امام شافعی نے اس آیت سے اجماع کی حجیت پر استدلال کیا ہے اس لیے کہ سبیل المؤمنین سے وہ عقیدہ اور عمل مراد ہے جس پر تمام صحابہ وتابعین کا اتفاق ہو

حجیت اجماع امت

پہلے گزر چکا ہے کہ اصول شریعت چار ہیں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور اجماع امت اور قیاس اجماع کے معنی لغت میں اتفاق رائے کے ہیں اور اصطلاح شریعت میں ایک زمانہ میں مجتہدین اور علماء ربانیین اور راسخین فی العلم کا کسی دینی امر پر اتفاق رائے کر لینے کا نام اجماع ہے اور جس طرح قرآن وحدیث حجت ہیں اسی طرح اجماع بھی حجت ہے اور اجماع کی حجیت کتاب وسنت اور اجماع امت اور قیاس عقلی سے ثابت ہے منجملہ ان آیات قرآنیہ کے جن سے علماء نے اجماع کے حجت ہونے پر استدلال کیا یہ آیت ہے یعنی وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ جس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرے یا مسلمانوں کی راہ کو چھوڑ کر کوئی اور راہ اختیار کرے تو اس کا انجام جہنم ہے معلوم ہوا کہ جس راہ کو مسلمانوں نے اختیار کیا ہو اور اسی کا ترجمہ اجماع ہے اس کی مخالفت الٰہی ہی موجب عذاب ہے جیسے رسول کی مخالفت موجب عذاب ہے پس جس طرح رسول کا حکم حجت اور واجب التسلیم ہے اسی طرح اجماع بھی حجت اور واجب التسلیم ہوگا اور حدیث میں ہے لا تجتمع امتی علی الضلالۃ یعنی میری امت گمراہی پر اجماع نہیں کر سکتی معلوم ہوا کہ جو حکم اجماع سے ثابت ہوگا وہ سراسر ہدایت ہی ہوگا حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں بعض علماء نے اس حدیث کو متواتر المعنی کہا ہے یعنی اس مضمون کی حدیثیں اس کثرت سے آئی ہیں کہ سب سے مل کر یہ مضمون حد تواتر کو پہنچ جاتا ہے اور امام شافعیؒ نے بہت غور وفکر کے بعد اس آیت سے اجماع کی حجیت پر استدلال کیا ہے اور وہ بہترین اور نہایت قوی استنباط ہے (تفسیر ابن کثیر ص۵۵۵ ج۱) اور حدیث میں ہے ید اللّٰہ علے الجماعۃ فمن شذ شذ فی النار اخرجہ الترمذی یعنی جو شخص جماعت سے علٰحدہ ہوا وہ علٰحدہ جہنم میں جائے گا (ترمذی)

اور خلفاء راشدین خصوصًا صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کا طریقہ رہا کہ جب کسی مسئلہ میں اشکال پیش آتا تو جو صحابہ اہل الرأی اور اہل فقہ تھے ان کو جمع کر کے مشورہ کرتے اور جس پر وہ متفق ہو جاتے اس کے مطابق حکم صادر فرماتے اور قیاس عقلی اور فطری کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اجماع کو حجت مانا جائے خصوصًا اس زمانہ میں تو کثرت رائے ایک مسلّم اصول بن گیا ہے کہ اگر سو میں سے انچاس ایک طرف ہوں اور اکیاون ایک طرف ہوں تو اکیاون والی رائے کو اختیار کیا جاتا ہے اور انچاس والی رائے کو محض ایک رائے کی کمی کی وجہ سے چھوڑ دیا جاتا ہے اور کسی بات پر سو کے سو کو اتفاق ہو اور ایک رائے بھی اس کے خلاف نہ ہو تو وہ بات نہایت صحیح اور پختہ سمجھی جاتی ہے

اور اسی کا ترجمہ اجماع ہے پھر اجماع میں اور کثرت رائے میں فرق یہ ہے کہ آج کل اسمبلیوں میں محض کثرت آراء یا اتفاق آراء سے فیصلہ ہوجاتا ہے اور اجماع شرعی میں یہ شرط ہے کہ رائے دینے والے علماء اور صلحاء اور اتقیاء ہوں ہر کس و ناکس کی رائے کا اعتبار نہیں دنیا کا مسلمہ اصول ہے کہ علاج کے متعلق اطباء کا متفقہ فیصلہ اور تعمیر کے متعلق انجنیئروں کا متفقہ فیصلہ حجت اور سند ہے تو علماء شریعت کا کسی امر پر اتفاق کیسے حجت نہ ہوگا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ

اللہ یہ نہیں بخشتا کہ اس کا شریک ٹھہرائے اور اس سے نیچے بخشتا ہے جس کو

ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ

چاہے اور جس نے اللہ کا شریک ٹھہرایا وہ دور پڑا بھول کر

ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴿۱۱۶﴾ اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ

اس کے سوا پکارتے ہیں سو عورتوں کو اور اس

وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ﴿۱۱۷﴾ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ

کے سوائے پکارتے ہیں سو شیطان سرکش کو جس کو لعنت

وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿۱۱۸﴾ ۙ

کی اللہ نے اور وہ بولا کہ میں البتہ لوں گا تیرے بندوں سے حصہ ٹھہرایا

وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ

اور اُن کو بہکاؤں گا اور اُن کو توقعیں دوں گا اور ان کو سکھاؤں گا کہ چیریں جانوروں کے

اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ؕ

کان اور ان کو سکھاؤں گا کہ بدلیں صورت بنائی اللہ کی

وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ

اور جو کوئی پکڑے شیطان کو رفیق اللہ کو چھوڑ کر

خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۹﴾ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ۭ وَمَا

وہ ڈوبا صریح نقصان میں ان کو وعدہ دیتا ہے توقعیں بتاتا ہے اور جو

يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾ اُولٰۗىِٕكَ مَاْوٰىھُمْ

توقع دیتا ہے ان کو شیطان سو سب دغا ہے ایسوں کا ٹھکانا ہے

جَهَنَّمُ ۡ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿۱۲۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

دوزخ اور نہ پاویں گے وہاں سے بھاگنے کو جگہ اور جو یقین لائے اور

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ

اور عمل کیے نیک ان کو ہم داخل کریں گے باغوں میں جن کے نیچے بہتی

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ

نہریں رہ پڑے وہاں ہمیشہ کو وعدہ ہے اللہ کا سچا

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾ لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ

اور اللہ سے سچی کس کی بات نہ تمہاری آرزو پر ہے

وَلَآ اَمَانِيِّ اَھْلِ الْكِتٰبِ ۭ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْۗءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ

نہ کتاب والوں کی آرزو پر جو کوئی برا کرے گا اس کی سزا پاوے گا

وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۲۳﴾

اور نہ پاوے گا اللہ کے سوا اپنا کوئی حمایتی نہ مددگار

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى

اور جو کوئی کچھ عمل نیک کرے گا مرد ہو یا عورت

وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰۗىِٕكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا

اور ایمان رکھتا ہو گا سو وہ لوگ داخل ہوں گے جنت میں اور

يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿۱۲۴﴾ وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ

ان کا حق نہ رہے گا تل بھر اور اس سے بہتر کس کی راہ جس نے منہ

وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ

دھرا اللہ کے حکم پر اور نیکی میں لگا اور چلا دین ابراہیم پر جو ایک طرف کا تھا

حَنِيْفًا ؕ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾ وَلِلّٰهِ مَا

اور اللہ نے پکڑا ابراہیم کو یار اور اللہ کا ہے

فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ

جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں اور اللہ کے ڈھب میں ہے

ع ۱۸ ۱۱ ۱۵

شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿۱۲۶﴾ ع

سب چیز

شرک اور اہل شرک کی مذمت اور رسوم جاہلیت کا ابطال

قال تعالیٰ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ ..... الیٰ ..... وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا

یہ آخری آیت وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى بھی طعمہ ہی کے بارہ میں نازل ہوئی جب اس نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا پردہ فاش کر دیا تو وہ مرتد ہو کر چلا گیا ایک شخص کی دیوار میں نقب لگایا اتفاقاً دیوار اس پر گر پڑی اور وہ مر گیا۔ اب اس کے بعد اللہ تعالیٰ شرک کی بابت ارشاد فرماتے ہیں کہ شرک تو بغیر توبہ کے کسی حال میں نہیں بخشا جاتا البتہ شرک اور کفر کے علاوہ اور گناہ بغیر توبہ کے بھی بخشے جا سکتے ہیں پس اگر طعمہ مرتد نہ ہوتا اور مشرکین کے ساتھ نہ جا ملتا تو ممکن تھا کہ چوری وغیرہ کا گناہ بغیر توبہ ہی کے اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو معاف کر دیتا لیکن وہ بدنصیب کافر اور مرتد ہو جانے کی وجہ سے اور پھر کفر و شرک پر مر جانے کی وجہ سے بالکلیہ خدا تعالیٰ کی عفو اور مغفرت سے محروم ہو گیا چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق اللہ تعالیٰ بلا توبہ نہیں بخشتا اس بات کو اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے چہ جائیکہ سرے ہی سے خدا تعالیٰ کا انکار کر دیا جائے اور کفر اور شرک سے نیچے اور کم درجے کے گناہ کو بلا توبہ کے بھی جس کے لیے چاہیں

معاف کر دیں اور جو شخص اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائے وہ بلاشبہ گمراہ ہو کر ایسی گمراہی میں جا پڑا کہ جو ہدایت سے بہت ہی دور ہے اور ہدایت سے اتنا دور ہو گیا کہ قابل عفو و مغفرت نہ رہا بخلاف مسلمان کے کہ وہ کتنا ہی سخت گنہگار کیوں نہ ہو اس کی گمراہی صرف اس کے اعمال تک ہے اور اس کا عقیدہ گمراہی اور خرابی سے محفوظ ہے۔

فائدہ شروع سورت کی تمہید میں گزر چکا ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ اس سورت میں پانچ آیتیں مجھ کو دنیا و ما فیہا سے زیادہ محبوب ہیں ان میں سے ایک آیت یہ ہے یعنی اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَکَ بِہٖ الآیۃ. ظاہر وجہ یہ ہو گی کہ گنہگاروں کے لیے سہارا ہے

نکتہ یہ آیت اسی سورت میں پہلے بھی گزر چکی ہے مگر پہلی بار اہل کتاب کے سلسلہ میں گزری جو اہل علم تھے اور جان بوجھ کر خدا کے لیے بیٹا اور شریک ٹھہراتے تھے اس لیے وہاں آیت کے ختم پر فَقَدِ افۡتَرٰۤی اِثۡمًا عَظِیۡمًا فرمایا کیونکہ اہل کتاب جان بوجھ کر اللہ پر افتراء کرتے تھے اور اس جگہ اس آیت کو مشرکین عرب اور مرتدین کے سلسلہ میں ذکر فرمایا جو جاہل اور گمراہ تھے اس لیے یہاں آیت کے ختم پر فَقَدۡ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیۡدًا فرمایا کہ مشرکین عرب جہالت کی بناء پر گمراہی میں مبتلا ہیں (روح المعانی ص ۱۴۳ ج ۵) باقی شرک اور کفر کی عدم مغفرت کی وجوہ بالتفصیل پہلی آیت کے ذیل میں گزر چکی ہیں۔

اب آئندہ آیات میں ان کی ضلال بعید کے وجوہ بیان فرماتے ہیں یہ مشرک خدا کو چھوڑ کر نہیں پرستش کرتے مگر عورتوں کی یعنی بتوں کی جو ان کے خیال میں عورت ہیں اس لیے کہ اہل عرب اپنے بتوں کے نام مؤنث رکھتے تھے جیسے لات اور عزیٰ اور مناۃ حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ ہر قبیلہ کے بت کو اس قبیلہ کا انثیٰ کہا کرتے تھے اور عورتوں کی طرح ان کو زیورات پہنایا کرتے تھے اور وہ لوگ اپنے بتوں کو خدا کی لڑکیاں بھی کہا کرتے تھے اور انثیٰ کا اطلاق اس سبب سے کرتے تھے کہ وہ بے جان ہیں اور بے جان چیز کے لیے زبان عرب میں مؤنث کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے بہرحال مقصود یہ ہے کہ یہ لوگ گمراہی میں بہت دور جا پڑے ہیں کہ قادر توانا کو چھوڑ کر کمزور اور عاجزوں اور عورتوں کی پرستش کرتے ہیں کس درجہ کے بے عقل اور ناسمجھ اور گمراہ ہیں اور درحقیقت نہیں پرستش کرتے مگر شیطان سرکش کی یعنی بتوں کو جو پوجتے ہیں تو صرف شیطان کے اغواء سے پوجتے ہیں تو گویا درحقیقت شیطان کو پوجتے ہیں جس پر اللہ نے لعنت کی ہے اور اس کو اپنی رحمت خاصہ سے دور پھینک دیا ہے اور ظاہر ہے کہ عورتوں کی اور ملعون اور مردود کی پرستش بلاشبہ ضلال بعید ہے شیطان کی پرستش تو حماقت معنویہ ہے۔ اور عورتوں کی پرستش حماقت حسیہ ہے اس لیے کہ عورتیں باعتبار جسم کے مردوں سے زیادہ کمزور ہیں فوج میں بھرتی ہونے کے قابل نہیں اسی طرح اور اسی نسبت سے عورتیں عقل میں بھی مردوں سے بہت کمزور ہیں کامل العقل

جنس کا ناقص العقل جنس کی پرستش کرنا کیا یہ حسی اور ظاہری حماقت اور ضلال بعید نہیں اور جس وقت شیطان سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے بارگاہ خداوندی سے ملعون اور مردود ہوا تو اس وقت اس نے یہ کہا کہ میں تو غارت ہو ہی چکا مگر اولاد آدم کے غارت کرنے میں بھی کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھوں گا اور اے پروردگار میں تیرے بندوں میں ایک معین حصہ جو تیرے علم ازلی میں مقرر اور معین ہے ضرور لے کر رہوں گا یعنی اے پروردگار تیرے کچھ بندے تجھے چھوڑ کر میری راہ پر ہو لیں گے تو اس طرح تیرے بندوں میں میرا حصہ بھی ضرور ہو گا اور عقائد میں ان کو طریق ہدایت سے ضرور گمراہ کرونگا اور بہکاؤں گا اور اعمال زندگانی میں ان کو طرح طرح کی امیدوں اور آرزوؤں میں ضرور مبتلا کروں گا تاکہ بے دھڑک ہو کر وہ تیری معصیتیں کریں حتیٰ کہ جزاء وسزا اور آخرت کا ان کو خیال بھی نہ آئے اور میں انہیں ضرور اعمال کفریہ ورسوم شرکیہ کا حکم دوں گا کہ وہ میرے حکم سے بتوں کے نام پر جانوروں کے کان کاٹیں گے مشرکین عرب کا یہ دستور تھا کہ جب اونٹنی پانچ بچے جن لیتی اور پانچواں بچہ نر ہوتا تو اس کے کان چیر کر بتوں کے نام پر اس کو چھوڑ دیتے نہ اس کا دودھ پیتے اور نہ اس پر سوار ہوتے اور نہ اس کی اون سے منتفع ہوتے اور یہ سمجھتے کہ یہ فعل خدا کے تقرب کا ذریعہ ہے اس آیت میں اسی رسم کی طرف اشارہ ہے اور میں ان کو یہ حکم بھی ضرور دوں گا جس سے وہ اللہ کی بنائی ہوئی صورت کو بگاڑیں گے جیسے داڑھی منڈانا اور بتوں کے نام کی سر پر چوٹی رکھنا اور عورتوں کا اپنی کھال کو گدوانا اور اپنے بالوں میں دوسرے بال وصل کرانا وغیرہ وغیرہ۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ مردوں کا سیاہ خضاب کرنا اور مردوں کا عورتوں کے مشابہ بننا اور عورتوں کا مردوں کے مشابہ اور ہم لباس بننا وہ بھی تغیر خلق اللہ میں داخل ہے۔

خلاصہ مطلب یہ کہ شیطان تمہارا ازلی دشمن اور حاسد ہے اور وہ اپنی دشمنی کو صاف ظاہر بھی کر چکا ہے اور جب حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے جنت سے نکالا گیا تھا تو اس وقت یہ کہہ کر آیا تھا کہ اے خدا میں تیرے بندوں کو ضرور گمراہ کروں گا تو اس واضح دشمنی اور عداوت کے بعد کیوں اس کی پیروی کرتے ہو اور اس کے بہکانے پر کیوں عمل کرتے ہو اور کیا لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ جو خدا کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا دوست بنائے اور اس کے مشوروں پر چلے تو وہ صریح نقصان میں جا پڑا کہ جنت کو فروخت کر کے جہنم خرید لی شیطان ان سے وعدے کرتا ہے اور طرح طرح کی امیدیں ان کو دلاتا ہے شیطان کے پاس سوائے زبانی وعدوں اور خیالی آرزوؤں کے کیا رکھا ہے اور نہیں وعدہ کرتا شیطان ان سے مگر خالص دھوکے اور فریب کا یعنی شیطان لوگوں سے وعدے کرتا ہے کہ دنیا کی لذتیں ہمیشہ ان کو نصیب ہوتی رہیں گی اور حساب وکتاب سب ڈھکوسلہ ہے اور جو شخص حساب وکتاب اور قیامت کے انکار پر آمادہ نہیں ہوتا اسے یہ آرزو دلاتا ہے کہ ابھی زندگی بہت پڑی ہے جلدی کیا ہے اخیر وقت میں توبہ کر لینا جیسا کہ کسی شاعر نے

کہا ہے .

ناصحا توبہ کی جلدی کیا ہے ۔ یہ بھی کر لیں گے جو فرصت ہو گی

حق تعالیٰ فرماتے ہیں خوب سمجھ لو کہ شیطان کے وعدے سب جھوٹے ہیں ایسے ہی لوگ جنہوں نے شیطان کو اپنا رفیق بنایا ہے ان سب کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ کبھی اس دوزخ سے مفر اور مخلصی نہ پائیں گے یعنی اس سے بھاگ کر کبھی رہائی نہ پا سکیں گے اور بر خلاف ان کے جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے عنقریب ہم ان کو ایسے باغوں میں داخل کریں گے کہ ان کے درختوں کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی اور ان باغات میں ان کا داخل ہونا عارضی نہ ہو گا بلکہ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے خدا تعالیٰ نے ان سے اس کا پکا اور سچا وعدہ کیا ہے اور خدا تعالیٰ سے بات میں کون زیادہ سچا ہو سکتا ہے اور جب تم کو یہ معلوم ہو چکا تو تم کو چاہیے کہ اللہ کے وعدوں پر بھروسہ کر کے عمل کرو شیطان کے جھوٹے وعدوں پر بھروسہ کر کے دھوکہ میں نہ آؤ اس لیے کہ آخرت کا ثواب اے مسلمانو نہ تمہاری آرزوؤں پر ہے اور نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر ہے خالی آرزوؤں اور تمناؤں سے کام نہیں چلتا جب تک کہ ایمان اور عمل صالح نہ ہو اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ ایک مرتبہ اہل کتاب اور اہل اسلام میں گفتگو ہوئی اہل کتاب نے کہا ہماری کتاب مقدم ہے اور ہمارے نبی تمہارے نبی سے مقدم ہیں اور مسلمانوں نے کہا ہمارے نبی خاتم الانبیاء ہیں اور ہماری کتاب تمام کتابوں کی ناسخ ہے لہذا ہم تم سے بہتر ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ قرب خداوندی اور اُخروی کامیابی محض تمناؤں سے حاصل نہیں ہو سکتی بلا ایمان اور بلا عمل صالح عقبیٰ کی راحت کی توقع رکھنا سراسر نادانی ہے قانون خداوندی یہ ہے کہ جو برا کام کرے گا سزا پائے گا اور آخرت کے دن وہ اللہ کے سوا کسی کو اپنے لیے نہ حمایتی پائے گا اور نہ مددگار جو اس کو خدا کے عذاب سے چھڑائے اور جو شخص نیک عمل کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مؤمن ہو یعنی مسلمان ہو پس یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور تل برابر بھی ان پر ظلم نہ کیا جائے گا اور مؤمن کی قید اس لیے لگائی کہ بغیر ایمان اور اسلام کے کسی عمل صالح کا اعتبار نہیں مطلب یہ ہے کہ عمل صالح کا اہتمام کرو محض تمنا اور نری آرزو کافی نہیں اب اہل کتاب کے اس خیال کی تردید فرماتے ہیں کہ ان کا دین مسلمانوں کی دین سے بہتر ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور اہل کتاب کا یہ خیال کہ ان کا دین مسلمانوں کے دین سے بہتر ہے محض غلط ہے کیونکہ باعتبار دین کے اس شخص سے کون اچھا ہو سکتا ہے کہ جو اپنے چہرہ یعنی اپنی ذات کو خدا کے سپرد کر دے یعنی سراپا خدا کا مطیع اور فرمانبردار بن گیا ہو درانحالیکہ وہ مخلص ہو اور ملت ابراہیمی کا پیرو ہو جو کہ حنیف تھے یعنی ماسوی اللہ سے یکسو تھے یعنی دین اسلام سے بہتر اور کوئی دین نہیں کیونکہ مسلمانوں نے اپنے آپکو خدا کے حوالہ اور سپرد کر دیا ہے جو حکم وہ دیتا ہے وہی کرتے ہیں اور مخلص اور نیکوکار ہیں اور ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ پر ہیں جو خدا کے خاص الخاص بندہ تھے اور

جن کو خدا نے اپنا جانی دوست بنایا تھا اور جو بڑے موحد تھے اور سب سے الگ ہو کر ایک طرف یعنی ایک خدا کی طرف ہو رہے تھے اور تمام حنفاء اور موحدین کے مقتدا اور پیشوا تھے اور انبیاء و مرسلین کے جد امجد تھے تو ان کی راہ سب راہوں سے زیادہ بہتر ہوگی اور دین اسلام ہی حضرت ابراہیمؑ کا مذہب تھا تو جب مسلمانوں کی یہ کیفیت ہے تو پھر اُن کے دین سے بڑھ کر کس کا دین ہو سکتا ہے لہذا آخرت کی نعمتیں انہیں لوگوں کو ملیں گی جو ملت ابراہیمی کے خط کے متبع ہوں گے یعنی حنیف اور موحد ہوں گے اور کسی کو خدا کا شریک اور بیٹا نہ سمجھتے ہوں اور اس وجہ سے کہ ابراہیمؑ سب کو چھوڑ کر ایک خدا کے ہو گئے تھے اللہ نے ابراہیمؑ کو اپنا خالص دوست بنالیا جن کے خِلال قلب میں اللہ کی محبت اور عظمت الٰہی سرایت کر چکی تھی کہ کسی غیر کی اس میں گنجائش باقی نہ رہی تھی اور پورے طور پر وہ خدا کے مطیع اور فرمانبردار ہو چکے تھے پس مسلمان اسی ابراہیم خلیل اللہ کے طریقہ پر ہیں جو حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ سب پر مقدم ہیں حنیف اس شخص کو کہتے ہیں جو بصیرت کے ساتھ غیر اللہ کو چھوڑ کر بالکلیہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے۔

اور خلیل اللہ وہ شخص ہے جو حق تعالیٰ کی محبت میں اس درجہ فنا ہو چکا ہو کہ طبعی اور فطری طور پر اس کا ارادہ اور اختیار اور رغبت اللہ کے حکم کے تابع ہو جائے اور خلیل اللہ ہونا بارگاہ خداوندی میں تقرب کا اعلیٰ ترین مقام ہے اور یہ مقام ہمارے نبی اکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حاصل تھا جیسا کہ صحیحین (بخاری ومسلم) میں ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مرض الوفات میں جو آخری خطبہ دیا اس میں یہ فرمایا۔

امابعد ایھا النّاس فلو کنت متخذًا من اھل الارض خلیلا لاتخذت ابابکر بن ابی قحافۃ خلیلا ولکن صاحبکم خلیل اللّٰہ	امابعد اے لوگو اگر میں کسی کو اہل زمین سے اپنا خلیل بناتا تو ابوبکر بن ابی قحافہ کو اپنا خلیل بناتا لیکن تمہارا صاحبِ خطاب (یعنی ذات قدسی) خلیل اللہ ہے یعنی اللہ کا خلیل ہے

اور جندب بن عبد اللہ البجلیؓ اور عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ اور عبد اللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان اللّٰہ اتخذنی خلیلا کما اتخذ ابراھیم خلیلا	تحقیق اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اپنا خلیل بنایا ہے جس طرح ابراہیم کو اپنا خلیل بنایا تھا۔

اس مضمون کی روایتیں تفسیر ابن کثیر ص۵۶۰ ج ۱۔ میں مذکور ہیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خلیل اللہ ہونے کے علاوہ حبیب اللہ بھی تھے جیسا کہ ترمذی کی ایک روایت میں ہے انا حبیب اللّٰہ ولا فخر۔ غرض یہ کہ ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو مقام خلت اور مقام محبت دونوں حاصل تھے بعض محققین کا قول ہے کہ محبت کا دائرہ خلت کے دائرہ سے زیادہ وسیع ہے تفصیل کیلئے روح المعانی

ص ۱۴ ج ۵ کو دیکھیے

خلاصۂ کلام یہ کہ حضرت ابراہیمؑ کی فضیلت اور بزرگی اور ان کا تقدمِ زمانی اور رُتبی تمام ملل اور امم میں مسلّم ہے کہ وہ خلیل اور حنیف تھے یعنی فانی فی اللہ اور باقی باللہ تھے اور دین اسلام اپنے اندر ملت ابراہیمی کو مع شیٔ زائد سموئے ہوئے ہے۔

دین اسلام ملت ابراہیمی کے علاوہ اور بہت سے علوم اور احکام پر مشتمل ہے اور توحید وتفرید اور انقیاد ظاہری و باطنی اور اخلاص کامل اور فناء فی اللہ اور بقاء باللہ کی تعلیم وتلقین کرتا ہے تو اس سے بڑھ کر اور کونسا دین ہوسکتا ہے اور یہودیت اور نصرانیت میں سوائے گمراہانہ عقیدۂ ابنیت وکفّارہ کے اور سوائے جاہلانہ آرزوؤں کے اور کیا رکھا ہے پس عیسائیوں کا یہ گمان کہ تمام گناہ حضرت مسیح اٹھا کر لے گئے اور اب ہم شریعت اور حلال وحرام کی قید سے آزاد ہیں اور اسی طرح یہودیوں کا یہ گمان کہ ہم پیغمبروں کی اولاد ہیں اور ہم خدا کے دوست ہیں ہمیں دوزخ میں جانا نہیں پڑے گا اور اگر جائیں گے بھی تو تھوڑے دنوں کے لیے اور پھر ہمارے باپ دادا جو پیغمبر تھے وہ ہم کو چھڑا لائیں گے یہ سب یہود ونصاریٰ کی آرزوئیں ہیں جن سے کچھ کام نہیں چلتا اطاعت کے بغیر نجات ممکن نہیں اور ان آیات سے فرقۂ مرجیہ کا بھی رد ہوگیا جو یہ کہتے ہیں کہ فقط ایمان نجات کے لیے کافی ہے اور اعمال صالحہ ضروری نہیں حسن بصریؒ فرمایا کرتے تھے کہ ایمان صرف آرزو کا نام نہیں تاوقتیکہ دل میں اعتقاد نہ ہو اور عمل اس کی تصدیق نہ کرے۔

پس ثابت ہوا کہ یہود ونصاریٰ کا دعویٰ باطل ہے اور دین اسلام سے بہتر کوئی دین نہیں اور دین اسلام کے سوا کوئی دین مقبول نہیں اور مسلمانوں سے زیادہ کوئی گروہ حضرت ابراہیمؑ سے قریب نہیں کما قال تعالیٰ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ اور یہود اور نصاریٰ اخلاص اور توحید اور اسلام اور احسان سے جو حضرت ابراہیمؑ کا طریقہ تھا کوسوں دور ہیں پس ان کا یہ دعویٰ کہ ہم ملت ابراہیمی پر ہیں بالکل غلط ہے اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمان میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے یعنی جب وہ آسمان اور زمین کی سب چیزوں کا مالک ہے تو ابراہیمؑ کا بھی وہی مالک اور خدا ہے اور ابراہیمؑ اس کے بندہ ہیں اس مالک مطلق نے اپنے اختیار سے ابراہیمؑ کو اپنا خلیل اور مقرب بنایا مقام خُلّت سے اُن کو شرف اور عزت حاصل ہوئی مگر دائرۂ عبودیت اور مملوکیت سے باہر نہیں ہوئے اور ہے اللہ تعالیٰ ہر چیز کا اپنی قدرت اور علم وحکمت سے احاطہ کرنے والا کوئی شئی اس کے احاطۂ قدرت اور قہر سے باہر نہیں پس وہی ذات اس قابل ہے کہ خالص اس کی بندگی کی جائے اور کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ کیا جائے اور یہود اور نصاریٰ اور مشرکین عرب سب شرک میں مبتلا ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سب کے اعمال کو اپنے احاطہ میں لیے ہوئے

ہے پس قیامت کے دن ضرور ان کے اعمال کی ان کو سزا دے گا۔

وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ ۖ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ
اور تجھ سے رخصت مانگتے ہیں عورتوں کی تو کہہ اللہ

فِيهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ فِي
تم کو رخصت دیتا ہے اُن کی اور وہ جو تم کو سناتے ہیں کتاب میں

يَتَامَى النِّسَاءِ اللَّاتِي لَا تُؤْتُونَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَ
سو حکم ہے یتیم عورتوں کا جن کو تم نہیں دیتے جو ان کا مقرر ہے اور

تَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ
چاہتے ہو کہ ان کو نکاح میں لو اور مغلوب لڑکوں کا

الْوِلْدَانِ ۙ وَأَنْ تَقُومُوا لِلْيَتَامَىٰ بِالْقِسْطِ ۚ وَمَا تَفْعَلُوا
اور یہ ہے کہ قائم رہو یتیموں کے حق میں انصاف پر اور جو کرو گے بھلائی

مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِهِ عَلِيمًا ﴿١٢٧﴾ وَإِنِ امْرَأَةٌ
سو وہ اللہ کو معلوم ہے اور اگر ایک

خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا فَلَا
عورت ڈرے اپنے خاوند کے لڑنے سے یا جی پھر جانے سے تو

جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۚ وَالصُّلْحُ
گناہ نہیں دونوں پر کہ کر لیں آپس میں کچھ صلح اور صلح

خَيْرٌ ۗ وَأُحْضِرَتِ الْأَنْفُسُ الشُّحَّ ۚ وَإِنْ تُحْسِنُوا
خوب چیز ہے اور جیوں کے سامنے دھری ہے حرص اور اگر تم نیکی کرو

وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿١٢٨﴾ وَ

اور پرہیزگاری تو اللہ کو تمہارے سب کام کی خبر ہے اور

لَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ

تم ہرگز برابر نہ رکھ سکو گے عورتوں کو اگرچہ

حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۚ

اس کا شوق کرو سو نرے پھر بھی نہ جاؤ کہ ڈال رکھو ایک کو جیسے ادھر میں لٹکتی

وَإِنْ تُصْلِحُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا

اور اگر سنوارتے رہو اور پرہیزگاری کرو تو اللہ بخشنے والا مہربان

رَحِيمًا ﴿١٢٩﴾ وَإِنْ يَتَفَرَّقَا يُغْنِ اللَّهُ كُلًّا مِنْ

ہے اور اگر دونوں جدے ہو جاویں تو اللہ ہر ایک کو محفوظ

سَعَتِهِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ وَاسِعًا حَكِيمًا ﴿١٣٠﴾ وَلِلَّهِ مَا

کرے گا اپنی کشائش سے اور اللہ کشایش والا ہے تدبیر جانتا اور

فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا

اللہ کا ہے جو کچھ ہے آسمان اور زمین میں اور ہم نے کہہ رکھا ہے

الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَإِيَّاكُمْ أَنِ

پہلی کتاب والوں کو اور تم کو کہ

اتَّقُوا اللَّهَ ۚ وَإِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ

ڈرتے رہو اللہ سے اور اگر منکر ہو گے تو اللہ کا ہے جو کچھ ہے آسمان

وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ غَنِيًّا حَمِيدًا ﴿١٣١﴾ وَ

و زمین میں اور اللہ بے پرواہ ہے سب خوبیوں سراہا اور

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَفٰى

اللہ کا ہے جو کچھ ہے آسمان و زمین میں اور اللہ بس ہے

بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۳۲﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَ

کام بنانے والا اگر چاہے تم کو دور کرے اے لوگو! اور

يَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴿۱۳۳﴾

لے آوے اور لوگ اور اللہ کو یہ قدرت ہے

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ

جو کوئی چاہتا ہو انعام دنیا کا سو اللہ کے ہاں ہے انعام

ع ۱۹ / ۱۶ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ﴿۱۳۴﴾ ع

دنیا کا اور آخرت کا اور اللہ ہے سنتا دیکھتا

رجوع بسوئے احکام نساء و ولدان

قال تعالیٰ وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ .... الیٰ ...... وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا

(ربط) حق جل شانہ نے اس سورۃ کو تقویٰ اور پرہیز گاری کے حکم سے شروع فرمایا اور عورتوں اور یتیموں کے حقوق کی ادائیگی کا حکم دیا اور مہر اور میراث کے بارہ میں زمانہ جاہلیت سے رسم چلی آرہی تھی کہ عورتوں اور بچوں کو میراث نہیں دیتے تھے اس ظالمانہ رسم کو باطل کیا اور فرمایا کہ یہ اللہ کی حدود ہیں ان سے ہرگز تعدی نہ کرنا دور تک سلسلۂ کلام اسی طرح چلا گیا کہ عورتوں اور یتیموں اور نکاح و مہر وغیرہ کے متعلق احکام بیان فرمائے اور پھر اللہ کی عبادت اور اہل قرابت اور فقراء و مساکین کے ساتھ سلوک اور احسان کا حکم دیا یہاں تک حقوق العباد کے متعلق تقویٰ کے احکام اور حدود الہٰیہ کا بیان ہوا۔

اس کے بعد اہل کتاب کو توحید اور تقویٰ اور دین حق کی دعوت دی اور دور تک یہی سلسلۂ کلام چلا گیا اور درمیان میں آخرت کے متعلق مختلف مضامین آتے رہے جس سے اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آجائے اور قرآن کریم کا یہ خاص طریقہ ہے۔ کہ چند احکام بیان کرنے کے بعد اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی عظمت و جلال اور دار آخرت کی خوبی اور اعمال صالحہ کی ترغیب اور اعمال سیئہ

سے ترہیب ذکر کرتے ہیں اور وعدہ اور وعید اور ثواب اور عقاب کو ملا کر بیان کرتے ہیں دین حق کی طرف دعوت کا یہ بہترین طریقہ ہے اسی ترتیب کے مطابق جب اس سورت کے شروع میں عورتوں اور یتیموں کے احکام بیان فرمائے جو فروع دین سے تھے اور بعد میں اہل کتاب کے متعلق جو مضامین بیان ہوئے وہ زیادہ تر اصول دین سے متعلق تھے اب پھر عورتوں اور یتیموں کے احکام کی طرف رجوع فرماتے ہیں جس سے مقصود یہ ہے کہ حقوق العباد میں کسی کو ضعیف اور کمزور (عورت اور یتیم) سمجھ کر کوتاہی کرنا سراسر تقویٰ کے منافی ہے اور حدود اللہ سے تعدی ہے قرآن کریم کا یہ طریقہ نہیں کہ ایک موضوع سے متعلق تمام احکام کو ایک سیاق میں جمع کر دے یہ طریقہ مصنفین اور مولفین کا ہے قرآن کریم کا مقصد وحید ہدایت حق اور نصیحت اور موعظت اور تذکیر آخرت ہے اگر ایک مضمون کی تمام آیات کو ایک جگہ کر دیا جائے تو یہ مقصد فوت ہو جائے یا یوں کہو کہ گزشتہ آیات میں شرک اور اعمال شرک کا ذکر تھا اب ان آیات میں رسوم شرکیہ کو بیان کرتے ہیں جو عورتوں کے متعلق ہیں اور قریب العہد بجاہلیت ہونے کی وجہ سے فی الجملہ بعض مسلمانوں میں بھی موجود تھیں ۔

شانِ نزول

زمانۂ جاہلیت سے عرب میں یہ دستور چلا آرہا تھا کہ عورتوں اور بچوں کو میراث نہیں دیتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ میراث اس کا حق ہے جو قبیلہ اور خاندان کی طرف سے دشمنوں سے لڑے ۔

اور اگر کوئی یتیم لڑکی اپنے باپ سے مال کی وارث ہوتی اور پھر وہ کسی کی ولایت اور پرورش میں ہوتی تو اگر وہ خوبصورت ہوتی تو اس کا ولی اور متولی خود اس سے نکاح کر لیتا مگر اس کا مہر پورا نہ دیتا اور اگر وہ لڑکی بدصورت ہوتی تو نہ خود اس سے نکاح کرتا اور نہ کسی دوسرے شخص سے اس کا نکاح کرتا تاکہ اس لڑکی کا مال دوسرے کے قبضہ میں نہ چلا جائے اس پر سورۂ نساء کی شروع کی آیتیں نازل ہوئی جس میں عورتوں اور یتیموں کے حقوق اور ان کی میراث کے احکام مفصل بیان کر دیئے گئے ۔

سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ جب قرآن کریم میں احکام میراث نازل ہوئے تو لوگوں پر یہ چیز (طبعاً) شاق ہوئی اور یہ کہنے لگے کہ کیا لڑکا اور عورت بھی مرد کی طرح وارث ہوں گے (اور اپنے خیال میں یہ سمجھے کہ لڑکا اور عورت قابل میراث ہی نہیں) اس لیے یہ گمان کیا کہ شاید یہ حکم وقتی طور پر دیا گیا ہو اور بعد چندے یہ حکم منسوخ ہو جائے اور نسخ کی توقع اور انتظار میں رہے جب دیکھا کہ اس حکم کا کوئی ناسخ بھی نازل نہیں ہوتا تو پھر مشورہ یہ ہوا کہ ہم کو خود جا کر حضور پر نور سے دریافت کرنا چاہیے چنانچہ حاضر ہو کر دریافت کیا اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ الآیات اخرجہ ابن جریر و ابن المنذر عن سعید بن جبیر

(تفسیر در[1] منثور ص۲۳۱ ج ۲ و روح المعانی ص۱۴۳ ج ۵)

بخاری اور مسلم میں عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ جب لوگوں نے عورتوں اور یتیموں کے حقوق میں کوتاہی کی تو اس پر سورۂ نساء کی شروع کی آیتیں نازل ہوئیں بعد چندے صحابہ نے پھر عورتوں کے متعلق کچھ مسائل دریافت کیے اس پر یہ آیت (وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ الے آخرھا) نازل ہوئی غالبا صحابہ کرام کا دوبارہ سوال سے مقصد یہ ہوگا کہ شاید احکام سابقہ میں کوئی ترمیم وتنسیخ یا تخفیف ہو جائے۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جس کا حاصل یہ ہے کہ اس باب میں جو حکم نازل ہو چکا ہے وہ قطعی ہے اور وہ اسی طرح قائم رہے گا اور اس میں کوئی تغیر وتبدل نہ ہوگا عورتوں کے نکاح اور ان کی میراث اور یتیم لڑکیوں کے ساتھ نکاح کا جو حکم پہلے بیان ہو چکا ہے وہ بدستور قائم ہے اسی پر عدل وانصاف اور ایمانداری کے ساتھ عمل کرو اور خدا تعالیٰ اور اس کی کتاب نے تم کو جو فتویٰ دیا ہے اس کی پابندی کرو غرض یہ کہ ان آیات میں عورتوں کے متعلق کچھ احکام بیان فرماتے ہیں میراث کی تخصیص نہیں اور بعض مفسرین نے جو میراث کا ذکر کیا ہے وہ بطور تخصیص نہیں بلکہ بطور تمثیل ہے اس لیے ان آیات میں میراث کے علاوہ اور بھی احکام بیان کیے ہیں

شیخ الاسلام ابو السعودؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے عورتوں کے متعلق مختلف مسائل دریافت کیے جن امور کا حکم پہلے نازل ہو چکا تھا اس آیت میں ان کا حوالہ دے دیا گیا اور جو مسائل اور امور ایسے تھے جن کا حکم پہلے بیان نہ ہوا تھا ان کا حکم ان آیات میں بیان کر دیا گیا

✪

---

[1] اخرج ابن جریر وابن المنذر عن سعید بن جبیر قال کان لا یرث الا الرجل الذی قد بلغ ان یقوم فی المال ویعمل فیہ ولا یرث الصغیر ولا المرأۃ شیئا فلما نزلت المواریث فی سورۃ النساء شق ذلک علی الناس وقالوا ایرث الصغیر الذی لا یقوم فی المال والمرأۃ التی ھی کذلک فیرثان کما یرث الرجل فرجوا ان یاتی فی ذلک حدث من السماء فانتظروا فلما رأوا انہ لا یاتی حدث قالوا لئن تم ھذا انہ لواجب ما عنہ بد ثم قالوا اسلوا فسألوا النبی صلے اللہ علیہ وسلم فانزل اللہ تعالیٰ وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ وَمَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ فی اول السورۃ فی يَتَامَى النِّسَاءِ اللَّاتِي لَا تُؤْتُونَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ (کذا فی الدر المنثور ص۲۳۱ ج ۲)

(تفسیر ابی السعود برحاشیہ تفسیر کبیر ص۴۲۱ ج ۲)

چنانچہ[2] عورتوں پر ظلم کی حرمت کے بارہ میں تو ابتداء سورت کی آیتوں کا حوالہ دیا گیا کہ وہاں یہ مسئلہ بیان ہو چکا ہے اور دوسرا مسئلہ عورتوں کے نشوز اور ایک بیوی کی طرف میلان کلی اور دوسری بیوی سے اعراض اور بوقت ضرورت اجازت طلاق کا مسئلہ تھا اس کا حکم ان آیات میں بیان کر دیا گیا چنانچہ فرماتے ہیں اور لوگ آپ سے عورتوں کے بارہ میں فتوے پوچھتے ہیں کہ ہم ان کے ساتھ کس قسم کا برتاؤ رکھیں اور بعض یہ امید رکھتے ہیں کہ عورتوں کے بارے میں جو احکام سابق میں نازل ہو چکے ہیں شاید ان میں کچھ تخفیف ہو جائے آپ کہدیجئے کہ اللہ تم کو ان کے بارہ میں وہی فتوی اور حکم دیتا ہے جو پہلے دے چکا ہے اور وہ آیتیں بھی تم کو فتویٰ دیتی ہیں جو کتاب الٰہی میں تم پر ان یتیم عورتوں کے بارہ میں پڑھی جاتی ہیں جن کو تم وہ حقوق نہیں دیتے جو میراث اور مہر وغیرہ کے بارہ میں ان کے لیے مقرر کیے گئے ہیں اور اگر وہ عورتیں صاحب مال ہوں مگر صاحب جمال نہ ہوں تو چاہتے ہو کہ بغیر حقوق ادا کیے تھوڑے سے مہر پر ان سے نکاح کر لو تا کہ یہ مال کہیں اور نہ چلا جائے اس لیے کسی اور سے اس کو نکاح نہیں کرنے دیتے اس لیے حکم یہ ہے کہ اگر اس کا حق ادا نہ کر سکو تو نکاح میں نہ لاؤ اور کسی اور کو دے دو تا کہ تم اس کے حمایتی اور سرپرست رہو اور اگر ولی خود اس لڑکی کے حقوق ادا کرے تو اجازت ہے کہ ولی اس کو اپنے نکاح میں لا دے کیونکہ جو خاطر اور مدارات تم کر سکتے ہو وہ غیر نہیں کر سکتا اور جو آیتیں ناتواں اور کمزور بچوں کے حقوق کی حفاظت کے بارہ میں پڑھی جاتی ہیں وہ بھی تم کو فتوی دیتی ہیں اور حکم خداوندی سے تم کو آگاہ کرتی ہیں اور اس بارہ میں تم کو حکم دیتی ہیں کہ یتیموں کے بارہ میں عدل اور انصاف کو قائم رکھو اور اس کے علاوہ جو بھلائی

---

[1] قال شیخ الاسلام ابو السعود قال تعالیٰ وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ ای فی حقهن علی الاطلاق کما ینبئ عنه الاحکام الآتیة لا فی حق میراثهن فانه صلی اللہ علیه وسلم قد سئل عن احوال کثیرة مما یتعلق بهن فما بُیّن حکمه فیما سلف احیل بیانه علی ما ورد فی ذلک من الکتاب وما لم یُبیَّن حکمه بعد بیّن ههنا۔ (تفسیر ابی السعود ص۴۲۱ ج۲) وکذا فی روح المعانی ص۱۶۳ ج۵ وما ورد من تخصیص ذکر المیراث فی تفسیر الاستفتاء فهو علی سبیل التمثیل لا علی سبیل التخصیص لان اللہ تعالیٰ قد ذکر فی الآیة احکامًا سوی احکام المیراث فافهم

[2] شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ اپنے فارسی ترجمہ کے فوائد میں لکھتے ہیں جواب ایں استفتاء تفصیلے داشت پس خدا تعالیٰ بعض مسائل را حوالہ فرمود بر آیات (و آں مسئلہ تحریم ظلم بر یتامی النساء است و بعض را اینجا جواب داد و آں مسئلہ نشوز و تحریم میل کلی بیک زن و اعراض از زن دیگر و اباحت طلاق در صورت ضرورت) واللہ اعلم۔

اور نیکی کرو گے وہ سب اللہ کو معلوم ہے تم کو اس کی جزاء خیر دینگے مطلب یہ ہے کہ سورت کے شروع میں عورتوں اور یتیموں کے بارہ میں جو آیتیں نازل ہو چکی ہیں وہ اب بھی حسب سابق واجب العمل ہیں جیسا کہ وَاِنْ خِفْتُمْ اَنْ لَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی یتامی النساء کے بارہ میں نازل ہوئی اور وَاٰتُوا الْیَتٰمٰٓی اَمْوَالَھُمْ بِالْقِسْطِ یتیموں کے اموال کی حفاظت کے بارہ میں نازل ہوئی۔

اور بعدازاں آیت لَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا میں اور مزید تاکید فرمادی اور لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ الخ میں سب کی میراث کو مجملاً اور یُوْصِیْکُمُ اللّٰهُ فِیْٓ اَوْلَادِكُمْ الخ میں مرد اور عورت کی میراث کو مفصلاً بیان فرمایا اور وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ میں عورتوں پر نکاح کے بارہ میں جو ظلم و زیادتی کرتے تھے اس کی ممانعت فرمائی حاصل مطلب آیت کا یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ تم کو یتیم عورتوں اور بچوں کے حق میں وہی فتویٰ اور حکم دیتا ہے جو اس سورت کے شروع آیتوں میں تم کو سنا دیا گیا اور اب پھر اجمالاً تمکو سنایا جاتا ہے کہ جو احکام عورتوں اور یتیموں کے بارہ میں پہلے نازل ہو چکے ہیں ان پر عمل کرو اور جو کوئی ان کے بارہ میں تم سے کچھ دریافت کرے تو یہ کہدو کہ اس کا جواب اور حکم وہی ہے کہ جو پہلے سورۂ نساء کے شروع میں بیان ہو چکا ہے جن سب کا خلاصہ اور اجمال یہ ہے وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْیَتٰمٰی بِالْقِسْطِ یعنی یتیموں کے بارہ میں انصاف پر قائم رہو۔

بیان بعض احکام متعلقہ بہ معاشرۂ زوجین

قال تعالیٰ وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا .... الٰی ...... وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا

اوپر آیتوں میں ان احکام کا حوالہ تھا جو سورۂ نساء کے شروع میں گزر چکے اب یہاں سے عورتوں کے متعلق دوسرے نئے احکام کا بیان شروع ہوتا ہے جو میاں اور بیوی کے باہمی معاشرت سے متعلق ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور اگر کوئی عورت اپنے خاوند کی بدمزاجی یا بے التفاتی اور بے اعتنائی سے ڈرے مثلاً عورت بدشکل ہو یا بڑھیا ہو گئی ہو اور اس کو قرائن سے یہ معلوم ہو جائے کہ اسکا شوہر اس کو طلاق دینا چاہتا ہے یا دوسری بیوی کرنا چاہتا ہے تو ایسی صورت میں میاں بیوی پر گناہ نہیں کہ آپس میں صلح کر لیں مثلاً یہ کہ عورت اپنا نفقہ اور باری معاف کر دے یا کم کر دے اور مرد اس کو اپنے نکاح میں رہنے دے اور طلاق اور مفارقت اور باہمی منازعت سے صلح ہی بہتر ہے عورت کو اس بات پر ضد نہ کرنی چاہیے کہ وہ اپنا پورا ہی حق لے گی اور مرد کو اس بات پر نہ اڑنا چاہیے کہ وہ اس کو جدا ہی کر کے رہے گا اور طبیعتیں حرص اور بخل پر حاضر کر دی گئی ہیں یعنی حرص اور بخل انسان کی سرشت میں رکھا ہوا ہے مرد اور عورت کوئی بھی اپنے حق اور نفع میں کمی نہیں کرنا چاہتا ہر ایک اپنے لیے حریص اور بخیل ہے مگر آدمی کو چاہیے کہ اپنی حرص اور بخل کو دبائے اور دوسرے کے ساتھ سلوک کرے اور اے مردو اگر تم عورتوں کے ساتھ سلوک

اور احسان کرو اور ان کی حق تلفی سے بچو تو بے شک جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے تمہیں اس کی جزاء دے گا اور ہم تم کو بتلائے دیتے ہیں کہ تم متعدد بیبیوں کے درمیان پوری برابری ہرگز نہیں کر سکتے گو تم کتنا ہی چاہو یعنی جس شخص کی کئی بیبیاں ہوں تو یہ اس کے قدرت اور اختیار سے باہر ہے کہ محبت اور میلان قلبی میں سب کو برابر رکھے کیونکہ سب صورت اور سیرت میں سب برابر نہیں تو سب کے ساتھ محبت کیونکر ہو سکتی ہے جب متعدد عورتوں میں پوری برابری نہیں کر سکتے تو ایسا بھی نہ کرو کہ بالکل اور ہمہ تن ایک ہی کی طرف جھک جاؤ اور دوسری بی بی کو معلق (ادھر میں لٹکی ہوئی) چھوڑ دو نہ بیوہ ہی ہے اور نہ خاوند ہی والی نہ نکاح کر سکتی ہے اور نہ شوہر سے فائدہ ہی اٹھا سکتی ہے مطلب یہ ہے کہ اگر محبت اور میلان قلبی میں مساوات نہیں کر سکتے تو یہ بھی نہ کرو کہ تقسیم نوبت اور نفقہ میں بھی ایک ہی طرف کو جھک پڑو یہ تو تمہاری قدرت میں ہے کہ تقسیم نوبت اور نفقہ وغیرہ میں سب کے ساتھ یکساں سلوک رکھو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو باوجودیکہ عائشہ صدیقہؓ سے زیادہ محبت تھی (اس لیے کہ عائشہ صدیقہؓ کمالات باطنی میں مریم صدیقہ کا نمونہ تھیں اور صدیقہ بنت صدیق تھیں) مگر پھر بھی تمام ازواج کے حقوق برابر ادا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اے اللہ میں اختیار کے موافق ہر ایک کا حق برابر ادا کرتا ہوں مگر جو امر میرے اختیار میں نہیں یعنی قلبی محبت اس میں تو مجھ کو معذور رکھ اور اگر تم اصلاح کر لو یعنی گزشتہ میں جو بے انصافی کر چکے ہو اس کی تلافی کر لو اور آیندہ کے لیے عورت کے حق میں ناانصافی سے بچتے رہو تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے تمہاری گذشتہ کوتاہیوں اور خطاؤں کو معاف کر دے گا اور اگر صلح اور موافقت کی کوئی صورت نہ ہو سکے اور میاں بیوی طلاق یا خلع کے ذریعہ ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں تو اللہ ہر ایک کو کفایت کرے گا اپنی وسعت سے یعنی خدا ہر ایک کا کارساز ہے مرد کو دوسری عورت مل جائے گی اور عورت کو دوسرا شوہر مل جائے گا اور روزی میں ایک دوسرے کا محتاج نہ رہے گا اور ہے اللہ وسعت والا اور حکمت والا اس کی تو انگری اور رحمت بہت وسیع ہے اور اس کے تمام احکام حکمت پر مبنی ہیں اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اس کی ملک ہے جس کو جتنا چاہے دے یہ اس کے واسع ہونے کی دلیل ہے اس سے بڑھ کر اور کیا وسعت ہو سکتی ہے کہ وہ آسمان اور زمین کی کل چیزوں کا مالک ہے۔

وصیت ونصیحت

اب آگے بطور تتمہ ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ احکام عدل و انصاف کچھ تمہارے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ پہلی امتوں کو بھی ان احکام پر عمل کرنے کی تاکید کی تھی چنانچہ فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق ہم نے تاکیدی حکم دیا اُن لوگوں کو جنکو تم سے پہلے کتاب دی گئی یعنی یہود اور نصاریٰ اور تمام اہل کتاب کو تاکیدی حکم دیا ہے اور خاص تم کو بھی اسکی تاکید ہے کہ اللہ سے ڈرو یعنی تقویٰ اور پرہیزگاری اور خدا ترسی کا حکم شریعت قدیمہ ہے تمام امتوں کو اللہ نے اس کا حکم دیا ہے

سب آسمانی کتابوں میں اس کی تاکید اکید ہے اور اگر تم منکر ہو جاؤ یعنی اللہ کی وصیت کو نہ مانو تو تم کو خوب معلوم ہے کہ اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے تمہارے کفر سے اس کا کیا بگڑتا ہے اور ہے اللہ تعالیٰ تو انگر اور بے پروا اس کو تمہارے تقویٰ اور اطاعت کی ذرہ برابر احتیاج نہیں اور وہ ہر حال میں قابل تعریف ہے اس کی شان و شوکت تمہاری اطاعت پر موقوف نہیں کسی کی نافرمانی سے اس کی شان میں کوئی فرق نہیں آتا کوئی اس کی حمد و ثناء کرے یا نہ کرے وہ ہر حال میں حمید ہے اور اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ کافی کارساز ہے اس لیے کہ وہ قادر و مختار مطلق ہے لہذا اس کے سوا کسی اور پر بھروسہ نہ چاہیے اے لوگو! اگر وہ چاہے تو تم سب کو ناپید کر دے اور تمہاری جگہ دوسروں کو لا بسائے اس کو تمہاری پروا کیا ہے اور ہے اللہ اس پر قادر یعنی وہ تمہارے ناپید کرنے اور تمہاری جگہ دوسرے لوگوں کو آباد کرنے پر پوری قدرت رکھتا ہے لیکن یہ اس کی مہربانی ہے کہ اس نے تم کو ہلاک نہیں کیا تو تم ایسے حلیم و کریم کی اطاعت کیوں نہیں کرتے اس سے سرکشی کر کے اس کا کیا بگاڑو گے اپنا ہی نقصان کرو گے۔

فائدہ حق جل شانہٗ نے اس مقام پر تین دفعہ فرمایا لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ پہلی دفعہ میں وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا یعنی اللہ کی وسعت جود و کرم اور کشائش کی دلیل بیان کرنا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں کسی چیز کی کمی نہیں اور دوسری بار اپنی بے نیازی اور بے پروائی کی دلیل بیان کرنا مقصود ہے کہ اللہ کو کسی کی اطاعت اور تقویٰ سے نفع نہیں اور سارے عالم کے کفر اور فسق و فجور سے اس کا کوئی نقصان نہیں اور تیسری بار میں اپنی کارسازی کی دلیل بیان کرنا مقصود ہے کہ اگر تم تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کرو تو اللہ تمہارا کارساز ہے اس لیے کہ وہ زمین و آسمان کی سب چیزوں کا مالک ہے اور ایک ہی دلیل سے متعدد دعوؤں کو ثابت کرنا اور ہر دعوے کے بعد اسی دلیل کو لانا اہل ذوق کے نزدیک قند مکرر ہے۔

(ربط) آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ سب مل کر اللہ کے دین پر قائم رہو اللہ تم کو دین اور دنیا دونوں ہی دے گا فقط دنیاوی فوائد کو مطمح نظر نہ بناؤ۔ چنانچہ فرماتے ہیں جو شخص اپنے اعمال کے صلہ میں صرف دنیا کا انعام چاہتا ہے تو یہ اس کی نادانی ہے اسے معلوم نہیں کہ اللہ کے یہاں دنیا اور آخرت دونوں کا انعام ہے تو جب اعلیٰ اور ادنیٰ سب اس کی قدرت میں ہیں تو اعلیٰ (آخرت) کو چھوڑ کر ادنیٰ اور خسیس یعنی دنیا کو مانگنا تو کیا یہ کمال ابلہی نہیں اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ اللہ تعالیٰ سے دنیا اور آخرت، دونوں کی نعمتیں مانگو اس کے یہاں کسی چیز کی کمی نہیں اور اگر تم اللہ کے سچے محب اور مخلص ہو تو صرف اخروی ثمرات کو پیش نظر رکھو اور ہے اللہ سننے والا دیکھنے والا وہ بندوں کی دعائیں سنتا ہے کہ کون دنیا کی درخواست کرتا ہے اور کون آخرت کی اور

تمہاری نیتوں کو دیکھتا ہے کہ دل میں کیا چھپا ہوا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ

اے ایمان والو قائم رہو انصاف پر گواہی دو اللہ

شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَ

کی طرف اگرچہ نقصان ہو اپنا یا ماں باپ کا یا

الْأَقْرَبِينَ ۚ إِن يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَىٰ

قرابت والوں کا اگر کوئی محظوظ ہے یا محتاج ہے تو اللہ ان کا خیرخواہ

بِهِمَا ۖ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَن تَعْدِلُوا ۚ وَإِن تَلْوُوا

ہے تم سے زیادہ سو تم جی کی چاہ نہ مانو اس بات میں کہ برابر سمجھو اور اگر تم

أَوْ تُعْرِضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿١٣٥﴾

زبان ملوگے یا بچا جاؤگے تو اللہ تمہارے کام سے واقف ہے

حکم بست ونہم اقامت عدل وادا شہادت حق

قَالَ تَعَالَىٰ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ ... الیٰ ... بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا

(ربط) ابتداء سورت میں حق تعالیٰ نے عورتوں اور یتیموں کے حقوق کے بارہ میں عدل اور انصاف کا حکم دیا پھر إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ کی تفسیر میں طعمہ بن اُبیرق منافق کا قصہ مذکور رہوا جو جھوٹی شہادت اور اہل خیانت کی حمایت سے متعلق تھا پھر وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ الخ کے ذیل میں وَأَن تَقُومُوا لِلْيَتَامَىٰ بِالْقِسْطِ میں قیام عدل وانصاف کا حکم ہوا اب ان احکام مختلفہ کے بعد آیات ذیل میں حکام کو تو یہ حکم دیا جاتا ہے کہ تم مقدمات کا فیصلہ انتہائی عدل وانصاف کے ساتھ کرو فیصلہ میں ذرہ برابر کسی کی رعایت نہ کرو اور گواہوں کو یہ حکم دیا جاتا ہے کہ تم حق اور صدق کے ساتھ شہادت دو اور بلا رورعایت سچی گواہی دو حتیٰ کہ ماں باپ

عزیز و قریب کی بھی رعایت نہ کرو اور یہی دو چیزیں یعنی عدل و انصاف اور شہادت حق، دنیا اور آخرت کی صلاح اور فلاح کا اصل اصول ہیں اور تمام احکام سابقہ مع شی زائد انہی دو چیزوں میں مندرج ہیں گویا کہ قیام عدل و ادا، شہادت حق کا حکم احکام سابقہ کا تتمہ اور تکملہ ہے گزشتہ آیات میں عدل خاص کا ذکر تھا جو خاص عورتوں اور یتیموں سے متعلق تھا اب ان آیات میں عدل عام اور تام کا حکم دیتے ہیں جو تمام حقوق کو حاوی اور شامل ہو اور ان آیات میں اہل کتاب کو تنبیہ ہے کہ توریت و انجیل میں نبی آخر الزمان کی بشارت مذکور ہے تم اس کی شہادت کیوں نہیں دیتے اس کو چھپاتے کیوں ہو

قرآن کریم میں یہودیوں کی جا بجا جو مذمت بیان کی گئی ہے اس میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ (رشوت خوار ہیں) یہود نے کتاب الٰہی میں تحریف کی اور امراء اور حکام کی خاطر احکام الٰہی کو بدلا اور رشوت لے کر فیصلے کیے اس لیے یہود پر ذلت اور مسکنت کی مہر لگا دی گئی اس وقت کے نام نہاد مسلمان حاکم جو رشوت لے کر فیصلے کر رہے ہیں وہ یہود کے نقش قدم پر جا رہے ہیں اسلام ان پر نفرین بھیجتا ہے چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو! تمہارے ایمان کا مقتضیٰ یہ ہے کہ ہو جاؤ تم تمام معاملات میں انصاف کے قائم رکھنے والے اور محض اللہ کی خوشنودی کے لیے سچی گواہی دینے والے اگرچہ اس گواہی کا نقصان اور ضرر تمہاری ہی جانوں پر پڑے یا تمہارے والدین پر یا رشتہ داروں پر یعنی گواہی میں اپنا اور اپنے والدین کا بھی خیال نہ کرو جو حق ہو وہ کہو چاہے اس میں کسی کا نفع ہو یا نقصان ہو حق کو کسی حال میں نہ چھپاؤ اگر وہ شخص جس پر تم گواہی دیتے ہو مالدار یا محتاج ہے تو اللہ تعالیٰ ان پر تم سے زیادہ مہربان ہے یعنی گواہی میں نہ مالدار کا پاس کرو اور نہ محتاج کا۔ جو سچ ہو وہی کہدو اللہ کو ان کے ساتھ تم سے زیادہ ہمدردی ہے پس گواہی میں نفسانی خواہش کی پیروی نہ کرنا کہ عدل و انصاف سے عدول کر جاؤ اور اگر تم گواہی میں پیچ دار بات کہو گے یعنی گول مول بات کہو گے صاف کھول کر حق کو بیان نہ کرو گے یا گواہی دینے سے اعراض اور کنارہ کشی کرو گے تو خوب سمجھ لو کہ بلا شبہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے وہ تمہیں اس گول مول اور پیچ دار گواہی کی اور حق کے اظہار سے اعراض کی ضرور سزا دیگا

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ

اے ایمان والو یقین لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کتاب

الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ

پر جو نازل کی ہے اپنے رسول پر اور اس کتاب پر جو نازل کی تھی

مِنْ قَبْلُ ۗ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَ

پہلے اور جو کوئی یقین نہ رکھے اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور

كُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ

کتابوں پر اور رسولوں پر اور پچھلے دن پر وہ دور پڑا بھول کر

بَعِيْدًا ﴿۱۳۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا

جو لوگ مسلمان ہوئے پھر منکر ہوئے پھر مسلمان ہوئے

ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ

پھر منکر ہوئے پھر بڑھتے رہے انکار میں اللہ ان کو بخشنے والا

لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ۗ ﴿۱۳۷﴾

نہیں اور نہ ان کو دیوے راہ

بیان ارکان خمسۂ ایمان

وترغیب در ایمانے کہ نزد شرع صحیح و معتبر باشد و ذکر ذمائم منافقین

قَالَ تعالیٰ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ ۔۔۔ الیٰ ...... لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا

(ربط) یہاں تک زیادہ تر احکام فرعیہ کا بیان ہوا اور قریب ہی میں اولین اور آخرین کو تقویٰ کی وصیت اور کفر سے بچنے کی تاکید اور ثواب آخرت کی ترغیب بیان فرمائی اور گذشتہ آیات میں عدل اور انصاف اور شہادت حق و صدق کی تاکید اکید فرمائی اور ظاہر ہے کہ تقویٰ و طہارت اور عدالت و شہادت حق اور آخرت کی فکر و رغبت کا تمام تر دار و مدار ایمان باللہ والیوم الآخر پر ہے اس لیے اب آئندہ آیات میں ایمان کے ارکان خمسہ کو بیان فرماتے ہیں اور یہ بتلاتے ہیں کہ شریعت میں کونسا ایمان صحیح اور معتبر ہے اور کونسا دعوائے ایمان غیر معتبر ہے پس جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور اس کے تمام رسولوں پر اور تمام فرشتوں پر اور اس کی تمام نازل کردہ کتابوں پر اور یوم آخرت پر اخلاص کے ساتھ ایمان لائے وہ ایمان تو شریعت میں معتبر ہے اور جو شخص محض ظاہری طور پر ایمان لائے اور دل

ہیں متردد اور مذبذب ہو یا اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کرتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کو تو مانتا ہو مگر پیغمبروں کو نہ مانتا ہو اور پیغمبروں کے اقوال و افعال کو حجت نہ سمجھتا ہو تو ایسا شخص پکا کافر اور منافق ہے پھر اس سلسلہ میں منافقین کے ذمائم کو بیان فرمایا اور ان کے ساتھ مجالست اور موالاۃ کی ممانعت فرمائی اور ضمن میں اہل کتاب کا بھی رد فرمایا جو دعویٰ ایمان کا رکھتے تھے اور جس نبی آخرالزمان کی بشارتیں توریت و انجیل میں مذکور ہیں اس پر ایمان نہیں لاتے اور نہ اس کی شہادت دیتے ہیں اور سچی شہادت کو چھپا کر لوگوں کے سامنے جھوٹی شہادت دیتے ہیں کہ یہ وہ نبی آخرالزمان نہیں جس طرح طعمہ کی قوم نے اپنی قوم کی رعایت سے جھوٹی گواہی دی تھی اسی طرح اہل کتاب بھی اپنی قوم کی رعایت سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بشارتوں کو چھپاتے ہیں اور آپ کے بارہ میں جھوٹی گواہی دیتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اے مسلمانو ایمان لاؤ خدا تعالیٰ پر اور اس کے رسول محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر جو عدالت اور راستی کے قائم کرنے کے لیے مبعوث ہوئے ہیں اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر نازل کی ہے یعنی قرآن مجید پر جو عدل اور احسان اور انصاف اور امانت و دیانت کے قائم کرنے کے لیے اتارا گیا ہے اور ان تمام کتابوں پر جو خدا نے انبیاء سابقین پر قرآن سے پہلے اتاری ہیں بغیر ان باتوں کا یقین کیے ہوئے خدا کے یہاں آدمی مسلمان نہیں ہو سکتا اس آیت میں حق تعالےٰ نے تین چیزوں پر ایمان لانے کا ذکر فرمایا (۱) اللہ تعالیٰ پر یعنی اس کی ذات و صفات پر (۲) اور اس کے رسول پر جو حق تعالیٰ کے نائب اور سفیر اور برگزیدہ بندہ ہیں (۳) اور قرآن پر اور ان تمام کتابوں پر جو اللہ تعالیٰ نے پہلے پیغمبروں پر نازل کی ہیں اور ملائکہ (فرشتے) اور روز قیامت پر ایمان لانے کا ذکر اس آیت میں نہیں فرمایا اس لیے کہ انبیاء کرام اور کتب الٰہیہ پر ایمان لانا ملائکہ اور یوم جزاء پر ایمان لانے کو مستلزم ہے گویا یہ تین امور تمام عقائد اسلامیہ کا اجمال اور خلاصہ ہیں مطلب[1] یہ ہے کہ جو شخص اسلام میں داخل ہو اس کے لیے تفصیلی طور پر ان چیزوں کی تصدیق ضروری ہے بغیر ان سب چیزوں کے ماننے مسلمان نہیں ہو سکتا۔

اس آیت میں اجمالاً صرف تین چیزوں پر ایمان لانے کا ذکر فرمایا اب آئندہ آیت میں ملائکہ اور یوم آخر یعنی روز جزاء کا بھی ذکر فرماتے ہیں جو اسی اجمال کی تفصیل ہے اور جو شخص اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کی کتابوں کا اور اس کے پیغمبروں کا اور روزِ آخرت کا منکر ہو وہ بے شک دور کی گمراہی میں جا پڑا۔ یعنی جو شخص ایسا کرے وہ حد درجہ کا گمراہ ہے جس سے بڑھ کر کوئی گمراہ نہیں اللہ کا انکار تو کھلی گمراہی ہے اور اللہ کی کتابیں اور اللہ کے فرشتے اور اس کے پیغمبر ہی رشد اور

[1] شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں مترجم گوید مراد آنست کہ ہر کہ در ملت اسلامیہ داخل شد بہ تفصیل تصدیق ایں چیز ہا باید کرد۔ ۱۲

ہدایت کا ذریعہ ہیں اس لیے ان کا انکار بھی سخت گمراہی ہے بلکہ انبیاء کرام کا انکار درحقیقت کلام خداوندی اور احکام خداوندی کا انکار ہے اور روز آخرت کے انکار کا مطلب یہ ہے کہ جزاء وسزا اور ثواب وعقاب اور جنت وجہنم سب غلط ہے ایسے شخص کی زندگانی انسانی زندگانی نہیں بلکہ حیوانی زندگی ہے کہ جہاں چاہا منہ مارا اور کھا لیا اور جس مادہ سے چاہا جفتی کرلی حیوانی زندگی میں حلال وحرام کی تقسیم نہیں اور نہ حیوان کو نکاح کی ضرورت ہے آج کل مغربی تہذیب کا یہی حال ہے۔

ذم مرتدین

(ربط) گزشتہ آیت میں اہل کفر کی مذمت مذکور ہوئی اب اس آیت میں مرتدین کے ایک خاص فرقہ کا بیان کرتے ہیں یا یوں کہو کہ گزشتہ آیت میں فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِیْدًا فرمایا تھا اب اس آیت میں اصحاب ضلال بعید کا ذکر فرماتے ہیں کہ جو محض ظاہری طور پر اسلام کا کلمہ پڑھتے تھے اور کفر ونفاق ان کے دلوں پر اس درجہ چھایا ہوا تھا کہ ان کے دلوں سے ایمان کی استعداد ختم ہو چکی تھی بے شک جو لوگ پہلے تو مسلمان ہوئے پھر کافر اور مرتد ہوگئے پھر دوبارہ مسلمان ہوئے اور اس دوسری بار کے اسلام پر بھی قائم نہ رہے بلکہ پھر کافر ہوگئے پھر کفر میں بڑھتے چلے گئے یہاں تک کہ کفر کی حالت ہی میں ان کی موت آگئی تو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہرگز نہیں بخشیں گے اور نہ ان کو راہ ہدایت دکھائیں گے یہ آیت منافقین کے خاص گروہ کے بارہ میں اتری ہے جو کبھی مسلمان ہوتے اور کبھی کافر جب مسلمانوں کے پاس آئے تو مسلمان بن گئے اور کافروں کے پاس گئے تو کافر بن گئے ایسے لوگ جو دین کو کھیل اور تماشہ بنا لیتے ہیں عادۃً ان کا دل مسخ ہوجاتا ہے پھر ان کو ایمان کی توفیق ہی نہیں ہوتی کہ اس پر مغفرت مرتب ہوسکے آیت کا یہ مطلب نہیں کہ اگر یہ لوگ اخلاص کے ساتھ اور صحیح طور پر ایمان لے آتے تو ان کا ایمان اور ان کی توبہ قبول نہ ہوتی ہزار بار کفر کے بعد بھی اگر صدق دل سے صحیح توبہ کرے تو وہ قبول ہے بلکہ آیت سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے دین کو کھیل وتماشہ بنالیا ہے ایسے لوگ اللہ کی مغفرت اور ہدایت سے محروم کردیئے گئے

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِیْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ﴿۱۳۸﴾

خوشی سنا منافقوں کو کہ ان کو ہے دکھ کی مار

اِلَّذِیْنَ یَتَّخِذُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ

وہ جو پکڑتے ہیں کافروں کو رفیق مسلمان چھوڑ کر

دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۚ أَيَبْتَغُونَ عِندَهُمُ الْعِزَّةَ

کیا ڈھونڈتے ہیں ان کے پاس عزت

فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ﴿١٣٩﴾

سو عزت اللہ کی ہے ساری

ذمائم منافقین

قَالَ تَعَالَىٰ بَشِّرِ الْمُنَافِقِينَ بِأَنَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا .... الیٰ .... فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ہ

(ربط) پہلی آیتوں میں اہل کفر کا بیان تھا اب ان آیات میں منافقین کے ذمائم کو بیان فرماتے ہیں کہ یہ لوگ دنیا کے مقابلہ میں دین کی پروا نہیں کرتے کبھی کرسٹان بنتے ہیں اور کبھی مسلمان اور کفار و مشرکین کے جاہ و حشم کو دیکھ کر ان سے یارانہ جوڑتے ہیں کہ ہم کو عزت و شوکت حاصل ہوگی اور یہ لوگ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست بناتے ہیں حالانکہ ان کو یہ معلوم ہے کہ جس جگہ احکام الٰہی کا مذاق اڑایا جاتا ہو وہاں بیٹھنا بھی ناجائز ہے چہ جائیکہ اُن سے دوستی کی جائے چنانچہ فرماتے ہیں منافقین کو خوشخبری سنا دیجیے کہ ان کے لیے آخرت میں دردناک عذاب ہے کیونکہ یہ منافقین باوجود دعوائے اسلام کے مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں کیا وہ ان کے پاس عزت ڈھونڈتے ہیں یعنی یہ منافق جو مسلمانوں کو چھوڑ کر یہودیوں سے دوستی کرتے ہیں تو کیا ان کا خیال یہ ہے کہ یہودیوں کے پاس بیٹھنے سے ان کو دنیا میں عزت ملے گی یہ سب غلط ہے اور خیال خام ہے پس ان کو سمجھ لینا چاہیے کہ تحقیق بلاشبہ ساری عزت اللہ ہی کے لیے ہے اس کے سوا کون عزت دے سکتا ہے اسی عزیز مقتدر کی چوکھٹ پر سر ذلت ٹیکنے ہی سے عزت ملتی ہے۔ تُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ۔

عزیزیکہ از درگہش سر بتافت ؛ بہر در کہ شد ہیچ عزت نیافت

جس کے پاس خود عزت نہیں وہ دوسروں کو کہاں سے عزت دیدے گا دنیا میں فرمانروائے سلطنت اور ارکان دولت سے تعلق اور ان کی وفاداری اور اطاعت شعاری سے عزت حاصل ہوتی ہے اور بادشاہ اور وزراء کی نافرمانی اور عدول حکمی اور دشمنان سلطنت اور باغیان حکومت سے دوستی اور آشنائی ذلیل و خوار بناتی ہے پس اسی طرح جو احکم الحاکمین کا اور اس کے وزراء اور سفراء یعنی انبیاء و مرسلین کا وفادار اور اطاعت شعار بنے گا بقدر وفاداری اور بقدر اطاعت شعاری اسکو بارگاہ خداوندی سے عزت حاصل ہوگی اور جو خدا اور اسکے رسول کا منکر اور باغی ہوگا وہ ذلیل و خوار ہوگا اور یہی ایمان اور کفر کی حقیقت ہے خداوند احکم الحاکمین اور

اس کے وزراء وسفراء یعنی انبیاء ومرسلین کے ساتھ حلف وفاداری کا نام ایمان ہے اور حلف وفاداری سے انکار کا نام کفر ہے نمرود اور فرعون اگرچہ دنیاوی تحت وتاج کے مالک تھے مگر حقیقی عزت حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت موسیٰ کلیم اللہ کو حاصل تھی "جوہر اگر در خلاب افتد ہماں نفیس است وغبار اگر بر فلک رود ہماں خسیس"۔

عزت کی تعریف

کسی کی محبت اور عظمت کی بناء پر محض اس کے حکم پر جان اور مال اور آبرو قربان کر دینے کا نام عزت ہے یہ عزت سوائے انبیاء ومرسلین کے اور سوائے ان کے وارثوں کے کسی کو دنیا میں حاصل نہیں ہوئی ساری دنیا کو معلوم ہے کہ صحابہ کرام نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت اور عظمت کے جوش اور ولولہ میں بلا کسی مال ومنال اور بلا کسی دنیوی فائدہ اور غرض کے اپنے اہل وعیال اور خویش واقارب سب کو چھوڑ دیا بلکہ آپ کی محبت میں اپنے بیٹوں اور بھتیجوں اور بھانجوں اور خویش واقارب کا مقابلہ کیا اور غزوات میں بے دریغ ان پر تلوار چلائی اور سوائے آپ کی خوشنودی کے کوئی دنیاوی فائدہ ان کی نظروں کے سامنے نہ تھا کیا کوئی فرمانروا اور شہنشاہ اس عزت کا کوئی نمونہ دکھلا سکتا ہے

بخدائے ذوالجلال اگر اس بے مثال عزت کی زکوٰۃ (یعنی چالیسواں حصہ) نکالا جائے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندوں کو عطا فرمائی اور پھر اس کا چالیسواں حصہ کل عالم کے بادشاہوں اور شہنشاہوں پر تقسیم کر دیا جائے تو عزت ورفعت کے دولتمند بنجائیں۔

دنیا میں بڑے بڑے صاحب جاہ وجلال اور صاحب جود ونوال بادشاہ گذرے اور اپنے وفاداروں کی جائز اور ناجائز خواہشیں پوری کیں اور طرح طرح کے ان کو انعام دیئے مگر تاریخ عالم شاہد ہے کہ کسی زمانہ میں بھی کسی بادشاہ کا کوئی عاشق اور شیدائی نہیں ہوا بخلاف حضرات انبیاء ومرسلین کے کہ ہزاروں اور لاکھوں ان کے ایسے عاشق صادق اور شیدائی گذرے کہ مجنوں کی محبت بھی انکی محبت کے سامنے گرد ہے حالانکہ انبیاء کرام لوگوں کو لذات وشہوات اور ناجائز امور سے روکتے اور منع کرتے تھے۔

حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جب وضوء فرماتے یا تھوکتے یا سنکتے تو آپ کا تھوک اور سنک اور وضوء کا دھوون زمین پر نہیں گرتا تھا بلکہ صحابہ کرام اس کو اپنے ہاتھوں پر لے کر اس کو منہ پر مل لیتے تھے یہ تو محبت کا حال تھا اور عظمت کا یہ حال تھا کہ کسی کی مجال نہ تھی کہ بے محابا آپ کی طرف نظر اٹھا کر دیکھ سکے پس جس ذات بابرکات کی محبت اور عظمت دلوں میں ایسی راسخ ہو عزت اس کو حاصل ہے اور اصل عزت یہ ہے اور فوج اور پولیس کے چند ملازمین کا کسی امیر اور وزیر کے ارد گرد کھڑے ہو جانے کا نام عزت نہیں بہت سے بہت اس کو عزت کی صورت اور نمائش کہا جا سکتا ہے عزت وہ ہے جو دل سے ہو جو لوگ انبیاء کے دشمن تھے دل سے

وہ بھی ان کی عزت کرتے تھے اور ان کی بددعا سے ڈرتے تھے۔

نصیحت بہت سے نادان یہ سمجھتے ہیں کہ مغربی تہذیب اور تمدن اور انگریزی لباس میں عزت ہے یہ نادانی ہے ان نادانوں کو یہ معلوم نہیں کہ عزت کس کو کہتے ہیں خوب سمجھ لو کہ اصل عزت اتباع شریعت میں ہے غیر قوموں کی نقل میں کوئی عزت نہیں غیروں کی نقل درپردہ غلامی کا اعتراف ہے

علامہ ابن خلدون نے اپنے مقدمۂ تاریخ میں ایک فصل منعقد کی ہے کہ مغلوب وضع اور قطع اور لباس اور معاشرت میں غالب کا اتباع کرتا ہے اور یہ درپردہ اپنی کمتری اور دوسرے کی برتری کا اقرار ہے اور ادبار اور زوال کی علامت ہے انتہی کلامہ۔

اور آج کل مسلمانوں کی ذلت کا سبب یہی ہے کہ انہوں نے احکام شریعت کو پس پشت ڈال دیا بڑے بڑے وزراء اور ارکان دولت کے پاس انگریزی لباس موجود ہے مگر عزت مفقود ہے عزت وہ ہے کہ جس سے دلوں پر قبضہ ہو اور لوگ بلاغرض کے اس کے لیے جان و مال فدا کرنے کے لیے تیار ہوں جیسے اللہ اور اس کے رسولؐ کے لیے جان و مال قربان کرتے ہیں محض کسی کو دیکھ کر کھڑے ہو جانا عزت نہیں اگر بھیڑیا آجائے تو سب کھڑے ہو جاتے ہیں سو یہ تعظیم اور عزت نہیں بلکہ اپنا بچاؤ ہے ظالموں کی عزت اسی قسم کی ہے ان کو دیکھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور دل سے بددعا دیتے ہیں اور خلوتوں میں اُن کو بُرا کہتے ہیں خلاصۂ کلام یہ کہ جس طرح تموّل اور دولت مِلک مال کا نام ہے اسی طرح عزت مِلکُ القلوب کا نام ہے یعنی لوگوں کے دل کسی پر شیدا اور فریفتہ ہوں اور یہ بات اللہ اور اس کے رسول اور اہلِ ایمان ہی کو حاصل ہے اسی وجہ سے ارشاد ہے وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۔

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ

اور حکم اتار چکا تم پر کتاب میں کہ

اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَ يُسْتَهْزَاُ

جب سنو اللہ کی آیتوں پر انکار ہوتے اور ہنسی ہوتے

بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ

تو نہ بیٹھو ان کے ساتھ جب تک وہ بیٹھیں

حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ؕ اِنَّ
اور بات میں اس کے سوائے نہیں تو تم بھی ان کے برابر ہوئے اللہ

اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ الْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ
اکٹھا کرے گا منافقوں کو اور کافروں کو دوزخ میں

جَمِيْعَا ۝١٤٠ ۙ الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ
ایک جگہ وہ جو تکا کرتے ہیں تم کو پھر اگر تم کو فتح

فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ وَاِنْ
ملے اللہ کی طرف سے کہیں کیا ہم نہ تھے تمہارے ساتھ اور اگر

كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ
ہوئی کافروں کی قسمت کہیں ہم نے گھیر نہ لیا تھا

عَلَيْكُمْ وَ نَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ فَاللّٰهُ
تم کو اور بچا دیا تم کو مسلمانوں سے سو اللہ

يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ
چکوتی کرے گا تم میں قیامت کے دن اور ہرگز نہ دے گا اللہ

لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ۝١٤١ ع
کافروں کو مسلمانوں پر راہ

جس جگہ احکامِ خداوندی کیساتھ تمسخر (مذاق) کیا جاتا ہو وہاں بیٹھنے کی ممانعت

قال تعالیٰ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ ... الخ ... وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا

(ربط) اوپر کی آیتوں میں کافروں سے دوستی کی ممانعت تھی اب ان آیات میں ان لوگوں کی مجالست سے منع فرماتے ہیں کہ ایسے لوگوں کے پاس بیٹھنا بھی ممنوع ہے جو احکام خداوندی کے ساتھ تمسخر (مذاق) کرتے ہوں کسی کے ساتھ تمسخر کرنا یہ اس کی انتہائی تحقیر اور تذلیل ہے جس طرح احکام حکومت کے ساتھ تمسخر (مذاق) عدالت اور حکومت کی توہین ہے اور ایسے لوگوں کے ساتھ نشست و برخواست اور دوستانہ تعلقات قانوناً جرم ہے اسی طرح احکام شریعت کے ساتھ تمسخر قانون خداوندی کی توہین و تذلیل ہے ایسے لوگوں کے پاس بیٹھنا بھی شرعاً ممنوع اور جرم ہے چہ جائیکہ ان سے دوستی کی جائے چنانچہ فرماتے اور اے مسلمانو جس کتاب پر تم ایمان رکھتے ہو اس کتاب میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل کیا ہے کہ جب تم اللہ کی آیتوں کا انکار ہوتے ہوئے یا انکا تمسخر اور مذاق ہوتے ہوئے سنو تو اس حالت میں ان کفر کرنے والے مسخروں کے ساتھ نہ بیٹھو یہاں تک کہ وہ اس کفر اور مسخرہ پن کو چھوڑ کر کسی اور بات میں نہ لگ جائیں کیونکہ اس حالت میں اگر تم ان کے پاس بیٹھے تو تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے اس لیے کہ جب تم احکام خداوندی کا تمسخر کرنے والوں کے ساتھ بیٹھے اور اس کی تردید نہ کی تو تم اور وہ برابر ہو گئے اس لیے کہ ایسی حالت میں تمہارا ان کے ساتھ بیٹھنا اس بات کی علامت ہے کہ تم بھی اس کفر اور استہزاء پر راضی ہو مشرکین مکہ اپنی مجلسوں میں بیٹھ کر قرآن کا مشغلہ بناتے اور اس کی آیتوں کا مذاق اڑاتے اور اگر کوئی مسلمان کسی ضرورت سے اُن کی مجلس میں جاتا تو اس کو قرآن کریم کے نسبت نامناسب الفاظ سننے پڑتے اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ انعام میں یہ حکم نازل کیا وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ اور جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو احبار یہود نے بھی وہی طریقہ اختیار کیا اور مشرکین مکہ کی تقلید کی منافق ان کی مجلسوں میں جاتے اور مضحکہ میں ان کے ساتھ شریک ہوتے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ جو شخص آیات خداوندی کے ساتھ ہنسی کرنے والوں کے پاس بیٹھے گا وہ بھی کفر اور استہزاء میں ان کا شریک ہوگا۔

فائدہ بے دینوں کا قدیم دستور ہے کہ وہ انبیاء کرام اور ان کی باتوں کا مذاق اڑایا کرتے ہیں جو شخص باوجود دعوائے اسلام کے احکام شریعت اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کا مذاق اڑاتے وہ شخص بلاشبہ منافق ہے اور پہلے زمانہ کے منافقوں سے بڑھ کر ہے اس لیے کہ یہ مہذب اور متمدن بے دین احکام خداوندی کا مذاق اڑانے میں پہلے منافقوں سے آگے ہے بے شک اللہ تعالیٰ منافقوں اور کافروں کو دوزخ میں ایک جگہ جمع کرے گا جس طرح وہ دنیا میں اکٹھے ہو کر اللہ کی آیتوں کا مذاق کرتے تھے اسی طرح وہ عذاب دوزخ میں بھی اکٹھے رہیں گے آگے اللہ تعالیٰ منافقین کا ایک اور حال بیان کرتے ہیں جس سے ان کی دورنگی ظاہر کرنا مقصود ہے کہ جدھر غلبہ دیکھا اسی طرف ہو گئے اور وہ حال یہ ہے کہ یہ منافق لوگ تمہارے متعلق انتظار کی راہ دیکھتے رہتے ہیں کہ

دشمنوں کے مقابلہ میں تم غالب ہوتے ہو یا مغلوب تاکہ جس فریق کا غلبہ دیکھیں اس کی رفاقت اور دوستی کا دم بھرنے لگیں پس اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم کو فتح نصیب ہو جائے تو تم سے یہ کہتے ہیں کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے ہم کو بھی مال غنیمت میں سے حصہ دو اور اگر وقتی طور پر کسی وقت کافروں کو غلبہ سے کوئی حصہ مل جائے یعنی اتفاق سے کافروں کو فتح اور غلبہ حاصل ہو جائے تو کافروں سے یہ کہتے ہیں کہ کیا ہم تم پر غالب نہ تھے اور کیا ہم نے تم کو مسلمانوں کی مار سے نہیں بچایا یعنی اگر کسی وقت کافر مسلمانوں پر غلبہ پاتے ہیں تو یہ منافق کافروں سے حصہ مانگتے ہیں اور ان پر یہ احسان رکھتے ہیں کہ مسلمان تو تم پر غالب آہی گئے تھے مگر ہم نے ان کا ساتھ نہ دیا اور ایسی تدبیریں کیں کہ مسلمان تم پر غالب نہ آئیں ان کی مدد میں ہم نے کوتاہی کی اور تمہاری طرف سے انہیں ایسا خوف دلایا جس سے وہ سست پڑ گئے اس طرح ہم نے تم کو ان کی مار سے بچایا اگر ہم تمہارے بچانے کی کوشش نہ کرتے تو مسلمان تم کو کبھی زندہ نہ چھوڑتے غرض یہ کہ منافق درہم و دینار کے بندے ہیں ہر طرف ہاتھ مارتے ہیں پس اے منافقو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمہارے اور مسلمانوں کے درمیان فیصلہ کرے گا اس وقت تم پر اسلام کی خوبی اور نفاق کی برائی کھل جائے گی اور دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کافروں کو مسلمانوں پر غالب ہونے کی کوئی راہ ہرگز نہیں دے گا کہ اسلام اور مسلمانوں کا خاتمہ ہو جائے اور اسلام اور مسلمانوں کا نام و نشان نہ رہے شاہ[۱] ولی اللہ قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں یعنی نہ شود کہ اسلام را مستاصل گرداند و اللہ اعلم۔

یا یہ مطلب ہے کہ مسلمان جب تک اسلام پر قائم رہیں اس وقت تک کوئی ان پر غلبہ نہیں پا سکتا کما قال تعالیٰ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت دنیا کے متعلق نہیں تاکہ یہ شبہ ہو کہ دنیا میں بعض دفعہ کفار کو مسلمانوں پر غلبہ ہو جاتا ہے بلکہ یہ آیت قیامت کے متعلق ہے جیسا کہ اس آیت کے پہلے جملہ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ میں اس کی تصریح ہے پس معنی یہ ہوتے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مسلمانوں اور کافروں میں فیصلہ فرمائیں گے اور وہ فیصلہ مسلمانوں کے موافق ہوگا کہ وہ حق پر تھے اور کافر باطل پر تھے وہ فیصلہ کا دن ہے وہاں حق کو اور اہل حق ہی کو غلبہ ہوگا۔

---

[۱] امام قرطبیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں متعدد اقوال نقل فرمائے الاول ان ذلک یوم القیامۃ۔ قال ابن العربی ہذا ضعیف۔ والثانی ان اللہ لا یجعل لھم سبیلا یمحو بہ دولۃ المؤمنین ویذھب آثارھم ویستبیح بیضتھم (اور اسی قول کو شاہ ولی اللہ نے اختیار فرمایا اور اس ناچیز نے بھی اسی کو راجح سمجھا) الثالث ان اللہ سبحانہ لا یجعل للکافرین علی المؤمنین سبیلا الا ان یتواصوا بالباطل ولا یتناھوا عن المنکر باقی حاشیہ آئندہ صفحہ پر ہے۔

پس مطلب یہ ہوا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمہارا فیصلہ فرمائیں گے اور اس فیصلہ میں کافروں کو مسلمانوں کے مقابلہ میں غلبہ کی کوئی راہ نہ دیں گے مگر علماء محققین اس طرف گئے ہیں کہ پہلی آیت فَاللّٰہُ یَحۡکُمُ بَیۡنَکُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ میں آخرت کے متعلق حکم مذکور ہے اور دوسری آیت وَلَنۡ یَّجۡعَلَ اللّٰہُ لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ سَبِیۡلًا میں دنیا کے متعلق حکم مذکور ہے کہ دنیا میں کافروں کو یہ قدرت نہ ہوگی کہ مسلمانوں کا قلع قمع کردیں اور صفحۂ ہستی سے ان کا نام و نشان مٹا دیں کما قال تعالیٰ اَلۡیَوۡمَ یَئِسَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ دِیۡنِکُمۡ فلا تخشون شیخ جلال الدین سیوطی نے تفسیر جلالین[1] میں اسی قول کو اختیار فرمایا اور اسی کو شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ نے اختیار فرمایا جیسا کہ ہم نقل کرچکے ہیں اور اس ناچیز کے نزدیک بھی یہی قول راجح ہے واللہ اعلم۔

اِنَّ الۡمُنٰفِقِیۡنَ یُخٰدِعُوۡنَ اللّٰہَ وَ ہُوَ خَادِعُہُمۡ ۚ

منافق جو ہیں دغابازی کرتے ہیں اللہ سے اور وہی ان کو دغا دے گا

وَ اِذَا قَامُوۡۤا اِلَی الصَّلٰوۃِ قَامُوۡا کُسَالٰی ۙ یُرَآءُوۡنَ

اور جب کھڑے ہوں نماز کو تو کھڑے ہوں جی ہارے دکھانے کو

النَّاسَ وَ لَا یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰہَ اِلَّا قَلِیۡلًا ﴿۱۴۲﴾ ۫ۙ

لوگوں کے اور یاد نہ کریں اللہ کو مگر کم

مُّذَبۡذَبِیۡنَ بَیۡنَ ذٰلِکَ ٭ۖ لَاۤ اِلٰی ہٰۤؤُلَآءِ وَ لَاۤ

ادھر میں لٹکتے دونوں کے بیچ نہ ان کی طرف اور نہ

بقیہ حاشیہ ویتقاعدوا عن التوبۃ فیکون تسلیط العدو من قبلھم کما قال تعالیٰ وَمَآ اَصَابَکُمۡ مِّنۡ مُّصِیۡبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتۡ اَیۡدِیۡکُمۡ قال ابن العربی ھذا نفیس جدا (الرابع) ان اللہ سبحانہ لا یجعل للکافرین علی المؤمنین سبیلا شرعا فان وجد فبخلاف الشرع (الخامس) وَلَنۡ یَّجۡعَلَ اللّٰہُ لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ سَبِیۡلًا ای حجۃ عقلیۃ ولا شرعیۃ یستظھرون بھا الا ابطلھا ودحضت (کذا فی تفسیر القرطبی ص ۴۱۹ ج ۵ ملخصا)

[1] قولہ تعالیٰ وَلَنۡ یَّجۡعَلَ اللّٰہُ لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ سَبِیۡلًا ای طریقا بالاستیصال ۱۲ جلالین

اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ	
ان کی طرف اور جس کو بھٹکاوے اللہ پھر تو نہ پاوے اس کے واسطے	
سَبِيْلًا ﴿۱۴۳﴾	
کہیں راہ	

تتمۂ ذمائم منافقین

قال تعالیٰ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ ... الیٰ ...... فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ؀

اب ان آیات میں منافقوں کی ایک ظاہری علامت بیان فرماتے ہیں تاکہ مسلمان اپنے آپ کو اس سے بچائیں اور اس وصف سے اجتناب کا خاص طور پر خیال رکھیں جو نفاق کی علامت ہے اور جس میں یہ علامت پائی جاتی ہو اس کو مومن جان کر دھوکہ نہ کھائیں چنانچہ فرماتے ہیں بے شک یہ منافق لوگ دعوائے ایمان اور ظاہری اطاعت سے خدا کو دھوکہ اور فریب دیتے ہیں اس لیے کہ دعوائے ایمان اور نماز وغیرہ سے ان کا مقصود لوگوں کو دکھلانا اور دنیوی فوائد حاصل کرنا ہے اللہ کی خوشنودی مقصود نہیں اور ان بے عقلوں کو معلوم نہیں کہ اللہ ہی ان کے ساتھ فریب کر رہا ہے اللہ کو خوب معلوم ہے کہ یہ کافر اور منافق ہیں اور اس کے دین کے دشمن ہیں مگر معاملہ دوستوں کا سا ہو رہا ہے دنیا کی عیش و راحت میں کوئی کمی نہیں تاکہ دل کھول کر گناہ کر لیں اور جب پیمانہ لبریز ہو جائے تو پکڑ کر دائمی جیل خانہ (دوزخ) میں ڈال دیا جائے خدا تعالیٰ کے فریب دینے کے یہ معنی ہیں کہ ظاہر میں اعزاز اور اکرام ہے اور در پردہ تذلیل و تحقیر مقدر ہو چکی ہے جس طرح وہ دوستی کے پردہ میں اسلام کی دشمنی کر رہے ہیں اسی طرح خدا تعالیٰ کی طرف سے دوستی کے پردہ میں ان سے دشمنی کی جا رہی ہے اور یہ منافق جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو کاہلی اور بے دلی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں ان کا مقصود نماز ہے ہی نہیں محض لوگوں کو دکھلانے کے لیے نماز کیلئے کھڑے ہو جاتے ہیں آخرت کا ثواب اُن کو مقصود نہیں اور نہ وہ نماز کو واجب سمجھتے ہیں اُن کی غرض صرف یہ ہوتی ہے کہ مسلمان ہم کو نمازی سمجھیں قتادہؒ کہتے ہیں کہ اگر لوگوں کا ڈر نہ ہوتا تو منافق کبھی کوئی نماز نہ پڑھتے اور نہیں ذکر کرتے اللہ کا مگر بہت ہی کم یعنی لوگوں کے سامنے نماز پڑھ لیتے ہیں مگر اس میں نہ تسبیح و تہلیل ہوتی ہے اور نہ خشوع و خضوع صرف اٹھنا اور بیٹھنا ہوتا ہے اور جب تنہا ہوتے ہیں تو بالکل ہی نہیں پڑھتے۔

یا یہ مطلب ہے کہ نماز کے علاوہ دن رات میں بجز دنیاوی باتوں کے ان کے منہ سے

اللہ کا نام نہیں نکلتا مگر بہت ہی کم بخلاف مسلمان کے کہ وہ دنیا میں مشغول رہتے ہوئے بھی کبھی انشاء اللہ کہتا ہے اور کبھی لاحول ولا قوۃ الا باللہ اور کبھی الحمد للہ اور کبھی سبحان اللہ موقعہ بموقعہ اس کی زبان سے اللہ کا نام نکلتا رہتا ہے آگے منافقین کا ایک اور حال بیان فرماتے ہیں وہ یہ کہ یہ لوگ کفر اور اسلام کے درمیان متردد ہیں نہ پورے ان کی طرف ہیں اور نہ ان کی طرف نہ مؤمنین مخلصین ہی کے ساتھ ہیں اور نہ کھلے کافروں ہی کے ساتھ ہیں اور جس کو خدا گمراہ کر دے تو اس کے لیے ہدایت کی کوئی سبیل ہرگز نہ پاؤ گے جو شخص تذبذب اور تردد کی وادی تیہ میں داخل ہو جاتا ہے وہ اس طرح بھٹکتا پھرتا ہے کبھی ادھر اور کبھی ادھر۔

بدرّد یقین پر دہائے خیال ∴ نماند سرا پردہ الاجلال

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ

اے ایمان والو! نہ پکڑو کافروں کو رفیق

اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَتُرِيْدُوْنَ

مسلمان چھوڑ کر کیا لیا

اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۴۴﴾

چاہتے ہو اپنے اوپر اللہ کا الزام صریح

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ

منافق ہیں سب سے نیچے درجہ ہیں

النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿۱۴۵﴾ ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ

آگ کے اور ہرگز نہ پاوے گا تو ان کے واسطے کوئی مددگار مگر جنہوں نے

تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ

توبہ کی اور سنوارا آپ کو اور مضبوط پکڑا اللہ کو اور نرے حکم بردار ہوئے

لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ

اللہ کے سو وہ ہیں ایمان والوں کے ساتھ اور آگے دے گا اللہ

الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۴۶﴾

ایمان والوں کو بڑا ثواب

ممانعت از موالاۃ کفار[1]

قال تعالیٰ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ ..... الیٰ ..... اَجْرًا عَظِیْمًا۔

حق جل شانہ، جب منافقین کے اعمال قبیحہ کا بیان کر چکے تو اب مسلمانوں کو حکم دیتے ہیں کہ تم ان لوگوں سے دوستی نہ کرنا ورنہ جو ان کی سزا ہے وہ تمہاری ہوگی جیسا کہ حدیث میں ہے المرء مع من احب کیونکہ ان کی دوستی سے تمہارے دلوں سے خدا تعالیٰ کی محبت جاتی رہے گی آخرت کو بھول جاؤ گے اور ان کی طرح دنیا کے شیدائی اور فدائی بن جاؤ گے کیونکہ ایک دل دو طرف نہیں رہ سکتا مَا جَعَلَ اللّٰہُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَیْنِ فِیْ جَوْفِہٖ اللہ اپنی پناہ میں رکھے اے ایمان والو ایمان کے مقابلہ میں کفر کو ترجیح نہ دو اور منافقوں کی طرح مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بناؤ مبادا ان کی دوستی سے کفر کے جراثیم تم کو نہ لگ جائیں ایک دوست دوسرے دوست کی خصلتوں کو مقناطیس کی طرح اپنی طرف کھینچتا ہے کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ کا صریح الزام اپنے اوپر قائم کر لو یعنی اگر تم کافروں اور منافقوں کو دوست بناؤ گے تو اللہ تعالیٰ کی حجت تم پر قائم ہو جائے گی کیونکہ اللہ نے تم کو ان کی دوستی کی ممانعت کی ہے قیامت کے دن تم پر اللہ یہ حجت قائم کریں گے کہ دعوے تو ایمان کا تھا مگر دوست رکھتے تھے میرے دشمنوں کو اور اجتماع ضدین باتفاق عقلاء محال ہے خوب سمجھ لو کہ کافروں اور منافقوں کی دوستی سے تم کو کوئی نفع نہ ہوگا اس لیے کہ بلاشبہ منافقین دوزخ کے سب سے نیچے کے طبقہ میں ہوں گے جس کا عذاب تمام طبقوں سے بڑھا ہوا ہے دوزخ کے سات طبقے ہیں ایک کے نیچے ایک۔ سب سے نیچے کے طبقہ میں سب سے زیادہ سخت عذاب ہے اور یہ طبقہ خاص منافقوں کے لیے ہے اس لیے کہ کھلے کافر صرف کھلے کافر تھے مسلمانوں کو فریب تو نہ دیتے تھے اور منافق کفر کے علاوہ جھوٹ بھی بولتے تھے اور مسلمانوں کو فریب بھی دیتے تھے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب منافقین اور اصحاب مائدہ اور آل فرعون کو ہوگا اور قرآن کریم میں اس کی تصدیق موجود ہے اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ۔ اور اصحاب مائدہ کے بارہ میں ہے فَاِنِّیْٓ اُعَذِّبُہٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُہٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ۔ اور آل فرعون کے بارہ میں ہے اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ

[1] یعنی کافروں سے دوستی کی ممانعت۔

اَشَدَّ الْعَذَابِ (تفسیر قرطبی ص۴۲۵ ج۵)

اور اے مخاطب تو ان منافقین کے لیے ہرگز کوئی مددگار نہ پائے گا جو ان کو نیچے کے طبقہ سے نکال سکے مگر ہاں ان میں جو لوگ نفاق سے توبہ کر لیں اور اپنے عقائد اور اعمال کی اصلاح کر لیں اور اللہ کے دین کو مضبوط پکڑ لیں یعنی تذبذب اور تردد میں نہ رہیں بلکہ اللہ کی باتوں پر پورا پورا یقین رکھیں اور اپنے دین کو خالص اللہ کے لیے کر دیں یعنی دین سے مقصود محض اللہ کی رضا اور خوشنودی ہو ریاء و نمود اور دنیاوی غرض کا اس میں شائبہ نہ ہو پس ایسے لوگ جنہوں نے نفاق سے سچی توبہ کر لی ہے اور عقائد و اعمال کی اصلاح کر لی ہے اور بلا کسی تردد اور تذبذب کے مضبوطی کے ساتھ دین کی رسی کو پکڑ لیا اور اخلاص اور صدق نیت کے ساتھ اللہ کے مطیع اور فرمانبردار بن گئے تو ایسے[1] لوگ جہنم کے کسی طبقے میں نہ ہوں گے بلکہ جنت میں ان مؤمنین کاملین کے ساتھ ہوں گے کہ جو از اول تا آخر صدق اور اخلاص کے ساتھ ایمان پر قائم رہے اور ہمیشہ ہمیشہ ان کا ایمان نفاق اور ریاء کے شائبہ سے محفوظ رہا۔

یا یہ[2] معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نفاق سے توبہ کرنے والوں کو مؤمنین کی جماعت میں شمار کرے گا اور عنقریب اللہ تعالیٰ ان مؤمنین صادقین اور مخلصین کو جو از اول تا آخر صدق اور اخلاص کے ساتھ ایمان اور اسلام پر قائم رہے ان کو آخرت میں اجر عظیم دے گا جو ان تائبین کے اجر اور ثواب سے بڑھ کر ہوگا یا یہ معنی ہیں کہ نفاق سے سچی توبہ کرنے والوں کو مومنین صادقین اور عباد مخلصین کے ساتھ اجر اور ثواب میں شریک کر دیا جائے گا۔

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ؕ

کیا کرے گا اللہ تم کو عذاب کر کر اگر تم حق مانو اور یقین رکھو

وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۷﴾

اور اللہ قدر دان ہے سب جانتا

[1] قال العارف المهايمی فاولٰئك يعلو رتبتهم بهذه الامور لا يكونون فی درك من النار فضلا عن الاسفل بل مع المؤمنين المستمرين على الايمان بلا نفاق فی الجنات تفسير مهائمی ص۱۷۱ ج۱) [2] قال الفراء معنى فاولٰئك مع المؤمنين ای من المؤمنين وقال القتبی حاد عن كلامهم غضبا عليهم فقال فاولٰئك مع المؤمنين ولم يقل هم المؤمنون (تفسير قرطبی ص۴۲۵ ج۵)

خطاب بسوئے منافقین

قال تعالیٰ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ... الی... وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ۝

اب آگے منافقین کو خطاب فرماتے ہیں کہ عذاب خداوندی کا دار و مدار کفر اور فسوق اور عصیان پر ہے خواہ مخواہ اللہ تعالیٰ کسی کو عذاب نہیں دیتے کیا کرے گا اللہ تعالیٰ تم کو عذاب دے کر اگر تم اللہ کے شکر گذار ہو جاؤ اور اللہ پر ایمان لے آؤ اور اللہ تعالیٰ بڑا ہی قدردان اور دانا ہے تمہاری سب باتوں کو جانتا ہے اور تمہارے نیک کاموں کا قدر دان ہے تو جو شخص خدا کا شکر گذار اور فرمانبردار اور اطاعت شعار بندہ ہو تو وہ ایسے شخص کو ہرگز عذاب نہ دے گا وہ تو عذاب صرف انہی لوگوں کو دیتا ہے جو پرلے درجہ کے سرکش اور متمرد ہیں اور اس کا حکم نہیں مانتے اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ ناحق بلا وجہ کسی کو عذاب دے جو جاننے والا اور قدر دان ہو وہ بلا وجہ کسی کو عذاب نہیں دے سکتا اور اس سے زیادہ کیا قدر دانی ہوگی کہ ایک نیکی کا ثواب دس گونہ سے لے کر سات سو گونہ اور اس سے زیادہ بھی عطا فرماتے ہیں۔

الحمد للہ آج بروز چہار شنبہ ۲۷ شعبان المعظم ۱۳۸۲ھ بوقت سوا تین بجے بین الظہر والعصر جامعہ اشرفیہ۔ لاہور مسلم ٹاؤن پارۂ پنجم کی تفسیر سے فراغت ہوئی الحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب علینا انک انت التواب الرحیم اٰمین یا ارحم الرّاحمین ؛

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ

اللہ کو خوش نہیں آتا بُری بات کا پکارنا مگر جس پر

ظُلِمَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۸﴾ اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا

ظلم ہوا ہو اور اللہ ہے سنتا جانتا اگر تم کھلی کرو کچھ بھلائی

اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ

یا اس کو چھپاؤ یا معاف کرو برائی کو تو اللہ بھی

عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿۱۴۹﴾

معاف کرنے والا ہے مقدور رکھتا

حکم سی و ام

جواز شکایت ظالم برائے مظلوم و فضیلت عفو

قَالَ تَعَالٰی لَا یُحِبُّ اللّٰهُ الْجَھْرَ بِالسُّوْٓءِ ..... الی .... وَکَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا قَدِیْرًا ۰

(ربط) گذشتہ آیات میں منافقین کے جبلی کج طبعی اور آیات خداوندی میں ان کی طعنہ زنی اور عیب جوئی اور مسلمانوں پر ان کے مظالم بیان کیے گئے اب ان آیات میں یہ نصیحت فرماتے ہیں کہ اللہ بڑا حلیم و کریم اور ستار العیوب ہے کسی کا عیب ظاہر کرنا اور کسی کی برائی کرنا اور کسی کا پردہ فاش کرنا پسند نہیں کرتا اسی طرح ہم کو بھی حلم اور پردہ پوشی سے کام لینا چاہیئے ہاں مگر جس کسی پر ظلم ہوا ہو سو وہ مظلوم اگر ظالم کی برائی یا زیادتی کا افشا کرے تو کچھ مضائقہ نہیں لیکن اگر معاف کر دے تو وہ اور بھی بہتر ہے اس لیے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی عادت باوجود قدرت کے خطا کاروں سے معاف کرنے اور درگذر کرنے کی ہے مگر حق تعالیٰ نے منافقین کے معایب اس لیے بیان فرمائے کہ یہ بڑے ہی ظالم ہیں ان کا کید اور مکر عظیم ہے اور ان کا ضرر شدید ہے اللہ کے رسول کو دھوکہ

ابتداء یوم جمعۃ المبارک ۲۸ شعبان ۱۳۸۲ھ بوقت دس بجے دن کے۔

دینا چاہتے ہیں اور ہر وقت مسلمانوں کی ایذاء رسانی کے درپے رہتے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو منافقین کے شر اور فتنہ سے آگاہ کرنے کے لیے ان کے معایب اور مثالب بیان کیے پس حق تعالیٰ نے ان ظالموں کے پوشیدہ عیوب اور برائیوں کو علی الاعلان بیان کیا تاکہ مسلمان ان کے شر اور ان کے ظلم وستم سے محفوظ رہیں اور ان جیسے اخلاق واعمال سے بھی اجتناب اور پرہیز کریں کما قال تعالیٰ وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ لہٰذا مسلمانوں کے لیے جائز ہے کہ ان ظالموں کے مظالم اور معایب کو بیان کریں جیسا کہ ایک حدیث میں ہے۔ کہ فاسق اور بدکار کے عیوب کو ظاہر کرو تاکہ لوگ اس سے احتیاط اور پرہیز کریں مطلب یہ ہوا کہ جس ظالم کا ضرر شدید ہو اور اس کا کید اور مکر عظیم ہو تو اس کے فضائح اور قبائح کے اعلان اور اظہار میں کوئی حرج نہیں خلاصۂ کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان ظالم منافقوں کی برائیاں اس لیے بیان فرمائیں تاکہ لوگ ان کی شرارتوں سے آگاہ اور باخبر ہو جائیں اور ان کے شر اور ضرر سے محفوظ ہو جائیں اور اپنے آپ کو ان جیسے اخلاق اور اعمال سے بچائیں اور ان ظالموں نے مسلمانوں پر حد سے زیادہ ظلم وستم کیا ہے اور ظلم کی کوئی حد باقی نہیں چھوڑی لہٰذا مسلمانوں کے لیے جائز ہے کہ ان ظالموں کے مظالم اور معایب کو ظاہر کریں حاصل یہ ہے کہ ہم کو ظالم کے ظلم کی پردہ دری اور شکایت کا جواز بیان کرنا مقصود تھا اس لیے ہم نے ان منافقوں کی برائیاں بیان کیں (تفسیر کبیر ص ۴۹۵ ج ۳ اور تفسیر البحر المحیط ص ۳۸۲ ج ۳)

یا یوں[۱] کہو کہ اللہ تعالیٰ نے گذشتہ آیات میں منافقین کے عیوب بیان کیے مگر نام کسی کا نہیں لیا اس لیے کہ اللہ کو یہ ناپسند ہے کہ کسی کا نام لے کر اس کا عیب بیان کیا جائے ہاں اگر مظلوم اپنے ظالم کا نام لے کر اس کا عیب بیان کرے اور اس کی شکایت کرے تو یہ جائز ہے ظالم کی شکایت داخل غیبت نہیں سمجھی جائے گی کیونکہ بغیر ظالم کا نام لیے ہوئے مظلوم چارہ جوئی نہیں کر سکتا اور اسکے علاوہ اور بھی بعض صورتیں ہیں جن میں غیبت روا ہے تفصیل کے لیے احیاء العلوم ص ۱۳۲ ج ۳ وشرح احیاء العلوم للزبیدی ص ۵۵۳ ج ۷، کو دیکھیں۔

اور یہ حکم شاید یہاں اس لیے بیان فرمایا کہ مسلمان کو چاہیئے کہ کسی منافق کا نام مشہور نہ کرے اور علی الاعلان اس کو بدنام نہ کرے اصل مقصود نصیحت ہے نہ کہ فضیحت اس لیے حق تعالیٰ نے مبہم طریقہ سے منافقین کا حال بیان فرمایا اور کسی کا نام نہیں لیا شاید منافق اس مبہم نصیحت سے سمجھ جائے اور ہدایت پا جائے اور منافق اس پردہ پوشی کو دیکھ کر مخلص صادق بن جائے ہدایت اور اصلاح کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ بغیر کسی کا نام لیے اجمالی طور پر معایب اور اعمال قبیحہ اور ان کے مفاسد اور ان کی خرابیوں

---

[۱] ہذا توضیح ما فی موضح القرآن۔

کو بیان کیا جائے تاکہ لوگ آگاہ ہو جائیں اور نام کسی کا نہ لیا جائے شاید اس پردہ پوشی کو دیکھ کر وہ مجرم اور بدکار اپنے دل میں شرمندہ ہو اور ہدایت پر آجائے اور ممکن ہے کہ بدنام کرنے سے اس کا دل اور سخت ہو جائے اور پہلے سے زیادہ بے باک ہو جائے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یہی طریقہ تھا کہ کسی کا نام لے کر نہیں فرماتے تھے۔

یا یوں کہو کہ گذشتہ آیات میں منافقوں کی بری عادتوں کا ذکر فرمایا اور حدیث میں ہے کہ منافق کی ایک عادت یہ ہے کہ وہ لڑائی اور جھگڑے کے وقت منہ سے گالی نکالتا ہے اس لیے اس آیت میں مسلمانوں کو ہدایت کی جاتی ہے کہ زبان سے بری بات نہ نکالیں مگر مظلوم کیلئے جائز ہے کہ وہ ظالم کی بقدرِ ظلم کے واجبی شکایت زبان سے نکال سکتا ہے اور اگر مظلوم معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو معاف کر دے گا۔

یا یوں کہو کہ گذشتہ آیت اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا الخ میں یہ بیان تھا کہ بدکار اور گنہگار توبہ کے بعد مؤمنین کاملین کے زمرہ میں داخل ہو جاتا ہے اب اس آیت میں یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ توبہ کے بعد گذشتہ نفاق اور مکر و فریب اور دیگر عیوب کا ذکر کر کے طعن و تشنیع کرنا اور اس کو برا بھلا کہنا روا نہیں ہاں مظلوم کو بقدر ظلم وستم اپنے ظالم کو برا کہنا جائز ہے حدیث میں ہے ان لصاحب الحق مقالا رواہ احمد صاحب حق کو کہنے اور بولنے کی گنجائش ہے۔

(تفسیر کبیر ص۴۹۵ ج ۳)

یا یوں کہو کہ گذشتہ آیت میں یہ فرمایا تھا مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ یعنی اللہ تعالیٰ کسی کو بلاوجہ عذاب دینا پسند نہیں کرتے اب اس آیت میں یہ فرماتے ہیں کہ اللہ کو یہ بھی پسند نہیں کہ کسی کو برا بھلا کہا جائے مگر مظلوم کو اجازت ہے کہ وہ بقدر ظلم کے زبان سے کچھ کہدے لیکن وہ بھی اگر معاف کر دے تو بہت اچھا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ عفوٌ قدیر ہے باوجود قدرت کے معاف کرتا ہے۔

یا یوں کہو کہ گذشتہ آیت وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا۔ میں اس طرف اشارہ تھا کہ اللہ تعالیٰ شکر کے اعلان اور اظہار کو پسند کرتے ہیں اب اس آیت میں اس کی ضد کو بیان فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ برائی کے اعلان اور اظہار کو ناپسند کرتے ہیں دیکھو حاشیۃ الشہاب خفاجی علی تفسیر البیضاوی ص۱۹۳ ج ۳ - وروح المعانی ص۳ ج ۶۔

یا یوں کہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے شکرگذار بندوں کو عذاب نہیں دیتا اللہ تعالیٰ تو اُن لوگوں کو عذاب دیتا ہے جو بجائے شکر کے اس کی شکایت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ تو مخلوق کی شکایت کو بھی پسند نہیں کرتے اس لیے کہ اللہ نہیں پسند کرتا بری بات کے افشاء اور اظہار کو یعنی اللہ کو یہ پسند نہیں کہ کسی کی برائی کو ظاہر کیا جائے مگر مظلوم کو اپنے ظلم وستم کے اظہار اور بیان کی اجازت ہے کہ بغیر اس کے اس کو چارہ نہیں لہٰذا اگر مظلوم اپنے ظالم کی شکایت کرے تو

وہ گناہ نہیں جاننا چاہیے کہ جہر سے آواز بلند کرنا مراد نہیں بلکہ مطلق اظہار مراد ہے اگرچہ آواز بلند نہ ہو اور ہے اللہ سننے والا جاننے والا وہ مظلوم کی دعا کو سنتا ہے اور اس کو معلوم ہے کہ ظالم نے کتنا ظلم کیا ہے اور وہ کتنی سزا کا مستحق ہے اگرچہ مظلوم اپنی زبان سے کچھ نہ کہے اور اس کو یہ بھی معلوم ہے کہ مظلوم کی شکایت ظالم کے ظلم کی مقدار کے مطابق ہے یا اس سے زیادہ ہے پھر آگے یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگرچہ مظلوم کو شکایت کی اجازت ہے مگر برائی کرنے والے کے ساتھ احسان یا عفو کا معاملہ خدا کے یہاں اس سے کہیں زیادہ محبوب ہے اگر تم برائی کرنے والے کے ساتھ کوئی بھلائی کرو خواہ اس بھلائی کو ظاہر کرو یا چھپاؤ تو یہ بہت بلند مقام ہے کما قال تعالیٰ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ہِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ یا برائی سے درگذر کرو یعنی معاف کردو تو یہ اہل ہمت کا مقام ہے اور تخلّق باخلاق الٰہیہ ہے اس لیے کہ بے شک اللہ بڑا معاف کرنے والا قدرت والا ہے قدرت کے بعد عفو اللہ کی خاص صفت ہے تمہیں چاہیئے کہ اللہ کی اس صفت اور عادت کا اتباع کرو ع درعفو لذتیست کہ در انتقام نیست۔

اور ایک اثر میں ہے کہ حاملان عرش اللہ کی تسبیح کرتے ہیں بعض ان میں سے یہ کہتے ہیں سبحانك على حلمك بعد علمك اور بعض یہ کہتے ہیں سبحانك على عفوك بعد قدرتك۔

فائدہ حق تعالیٰ نے اس آیت میں تین مرتبے بیان فرمائے اوّل یہ کہ انتقام جائز ہے کما قال تعالیٰ وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَہُمُ الْبَغْیُ ہُمْ یَنْتَصِرُوْنَ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِہٖ فَاُولٰٓئِکَ مَا عَلَیْہِمْ مِّنْ سَبِیْلٍ یہ ضعفاء کی شان ہے دوم عفو یعنی معاف کردینا یہ اہل ہمت کی شان ہے سوم برائی کرنے والے کے ساتھ سلوک اور احسان یہ اہل عزم اور کاملین کا مقام ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَ رُسُلِہٖ

جو لوگ منکر ہیں اللہ سے اور اس کے رسولوں سے

وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰہِ وَرُسُلِہٖ

اور چاہتے ہیں کہ فرق نکالیں اللہ میں اور اس کے رسولوں

وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَکْفُرُ بِبَعْضٍ وَّ

میں اور کہتے ہیں ہم مانتے ہیں بعضوں کو اور نہیں مانتے بعضوں کو اور

يُرِيدُونَ أَن يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا ﴿١٥٠﴾ أُولَٰئِكَ

چاہتے ہیں کہ نکالیں بیچ میں ایک راہ ایسے لوگ

هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا ۚ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا

وہی ہیں اصل کافر اور ہم نے تیار رکھی ہے منکروں کے واسطے ذلت

مُّهِينًا ﴿١٥١﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَمْ

کی مار اور جو لوگ یقین لائے اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور

يُفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ أُولَٰئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمْ

جدا نہ کیا کسی کو ان میں ان کو دے گا ان کے ثواب

أُجُورَهُمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿١٥٢﴾ ع

اور اللہ ہے بخشنے والا مہربان

اہل کتاب کی اعتقادی وعملی قباحتوں وشرارتوں کا ذکر

قال تعالیٰ اِنَّ الَّذِیۡنَ یَکۡفُرُوۡنَ بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ .... الیٰ .... وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا ۔

(ربط) منافقین کے بعد اب اہل کتاب کی قباحتوں اور شرارتوں کا ذکر فرماتے ہیں کیونکہ منافقین زیادہ تر یہود میں سے تھے یا یہودیوں سے ربط وضبط رکھتے تھے اس لیے قرآن کریم میں اکثر منافقین اور یہود کا ذکر اکھٹا ہی فرماتے ہیں دور تک اہل کتاب کی قباحتوں اور شناعتوں اور ان کی جہالتوں اور شرارتوں کا ذکر چلا گیا ہے اس سلسلہ میں حق تعالیٰ نے سب سے پہلے ان کی ایک عظیم قباحت کو بیان فرمایا وہ یہ کہ یہ لوگ تفریق فی الایمان کے قائل ہیں ۔

تفریق فی الایمان

اس آیت میں یہ بیان فرماتے ہیں کہ یہود کے عقائد کفریہ ہیں ان کا سب سے بڑا کفر تفریق فی الایمان ہے یعنی خدا اور اس کے رسولوں کے درمیان ایمان لانے میں تفریق کرتے ہیں اور تفریق

کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کو ماننے اور رسول کو نہ ماننے جیسے یہود حضرت موسیٰ علیہ السّلام وغیرہ کو مانتے ہیں مگر حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہما وسلم کو نہیں مانتے اور نصاری حضرت عیسیٰؑ کو مانتے ہیں مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو نہیں مانتے نصاریٰ تمام انبیاء کو مانتے ہیں مگر خاتم الانبیاء اور اشرف الرسل کے منکر ہیں حق سبحانہٗ وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ کیا یہ لوگ ایمان اور کفر کے درمیان کوئی دوسرا طریقہ نکالنا چاہتے ہیں حالانکہ ایمان اور کفر کے درمیان کوئی دوسری چیز نہیں نکل سکتی مقصود یہ ہے کہ اگر مؤمن بننا چاہتے ہیں تو سب نبیوں پر ایمان لائیں جس نے ایک بنی کا انکار کیا اس نے سارے نبیوں کا انکار کیا کیونکہ ہر بنی پر ایمان لانا فرض ہے پس آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار تمام انبیاء کی نبوتوں کا انکار ہے اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کا ارادہ رکھتے ہوں تو خوب سمجھ لیں کہ وہ اللہ کے نزدیک پکّے کافر ہیں جن کے کفر میں کوئی شبہ نہیں چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق جو لوگ منکر ہیں اللہ کے یعنی اللہ ہی کو نہیں مانتے اور منکر ہیں اس کے پیغمبروں سے اور یہ چاہتے ہیں کہ تفریق کریں اللہ میں اور اس کے رسولوں میں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پیغمبروں پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ کفر اور ایمان کے درمیان میں ایک راہ نکالیں ایسے ہی لوگ بلاشبہ پکّے کافر ہیں اور منکروں کے لیے ہم نے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے اور برخلاف ان کے جو لوگ ایمان لائے اللہ پر اور اس کے سب پیغمبروں پر اور انہوں نے رسولوں کے درمیان ایمان لانے میں کوئی تفرقہ نہیں کیا ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کا اجر ضرور دیں گے اور ہے اللہ بڑا بخشنے والا مہربان یعنی ایمان کی برکت سے ان کے اعمال کا اجر دیگا اور گناہوں کو معاف کرے گا۔

نکتہ یہ آیت پہلی آیت یعنی أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا کے مقابل ہے مگر اس آیت میں أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا نہیں فرمایا صرف اجر اور ثواب کا ذکر فرمایا وجہ یہ ہے کہ اس آیت میں فقط ایمان کا ذکر ہے اور اعمال صالحہ کا ذکر نہیں اور بغیر اعمال صالحہ کے مؤمن کامل نہیں ہو سکتا دوسری جگہ ارشاد ہے إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ پس معلوم ہوا کہ جن لوگوں میں یہ صفات فاضلہ پائی جائیں وہ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا کے مصداق ہو سکتے ہیں۔

يَسْأَلُكَ أَهْلُ الْكِتَابِ أَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتَابًا مِنَ

تجھ سے مانگتے ہیں کتاب والے کہ ان پر اتار لاوے کتاب آسمان سے

السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا

سو مانگ چکے ہیں موسیٰ سے اس سے بڑی چیز بولے ہم کو دکھاوے

اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ

اللہ کو سامنے پھر ان کو پکڑا بجلی نے ان کے گناہ پر پھر

اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ

بنا لیا بچھڑا نشانیاں پہنچے پیچھے پھر ہم نے وہ بھی

فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۵۳﴾

معاف کیا اور دیا موسیٰ کو غلبہ صریح

وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ

اور ہم نے اٹھایا ان پر پہاڑ ان کے قول لینے میں اور ہم نے کہا

ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي

داخل ہو دروازے میں سجدہ کر کر اور ہم نے کہا ان سے زیادتی مت کرو

السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۱۵۴﴾ فَبِمَا

ہفتہ کے دن اور ان سے لیا قول گاڑھا سو ان کے

نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ

قول توڑنے پر اور منکر ہونے پر اللہ کی آیتوں سے اور خون کرنے پر

الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ

پیغمبروں کا ناحق اور اس کہنے پر کہ ہمارے دل پر غلاف ہے کوئی نہیں

طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۵۵﴾ ص

بلکہ اللہ نے مہر کی ہے ان پر مارے کفر کے سو یقین نہیں لاتے مگر کم۔

وَّ بِكُفْرِهِمْ وَ قَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ﴿۱۵۶﴾

اور ان کے کفر پر اور مریم پر بڑا طوفان بولنے پر

وَّ قَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ

اور اس کہنے پر کہ ہم نے مارا مسیح عیسٰی مریم کے بیٹے کو

رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَ مَا قَتَلُوْهُ وَ مَا صَلَبُوْهُ وَ لٰكِنْ

جو رسول تھا اللہ کا اور نہ اس کو مارا ہے اور نہ اس کو سولی پر چڑھایا ہے لیکن

شُبِّهَ لَهُمْ ؕ وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ

وہی صورت بن گئی ان کے آگے اور جو لوگ اس میں کئی باتیں نکالتے ہیں وہ اس جگہ

شَكٍّ مِّنْهُ ؕ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ

شبہ میں پڑے ہیں کچھ نہیں ان کو اس کی خبر مگر اٹکل پر چلنا

الظَّنِّ ۚ وَ مَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ﴿۱۵۷﴾ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ

اور اس کو مارا نہیں بے شک بلکہ اس کو اٹھا لیا اللہ نے اپنی

وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۵۸﴾

طرف اور ہے اللہ زبردست حکمت والا

بیان دیگر ذمائم اہل کتاب

قال تعالیٰ يَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ .... الی .... وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ؕ

(ربط) گذشتہ آیت میں اہل کتاب کی عظیم شناعت یعنی تفریق فی الایمان کو بیان کیا اب یہاں سے اہل کتاب کی دوسری قباحتوں اور شناعتوں کو اور ان پر جو عقوبتیں اور مصیبتیں نازل ہوئیں ان کو قدرے تفصیل کے ساتھ بیان فرماتے ہیں (اے نبی) اہل کتاب یعنی یہود آپ سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ آپ ان پر ایک کتاب آسمان سے اتار لادیں جس کو آسمان سے اترتے ہوئے ہم

بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں جیسا کہ کعب بن اشرف اور فنحاص بن عازوراء وغیرہ علماء یہود نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ اگر آپ واقعی نبی ہیں تو ایک ہی دفعہ ایک لکھی ہوئی پوری کتاب آسمان سے ہم پر اتارو اور ایک روایت میں ہے کہ یہ کہا کہ ہم آپ کے ہاتھ پر جب بیعت کریں گے کہ جب فلاں اور فلاں شخص کے نام اللہ کی طرف سے یہ تحریر آجائے کہ آپ اللہ کے رسول اور نبی آخرالزمان ہیں اور یہ قرآن اللہ کا کلام ہے حالانکہ یہ لوگ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے دلائل نبوت اور اعجاز قرآنی کا مشاہدہ کر چکے ہیں ان کی یہ درخواست تحقیق حق کے لیے نہیں محض ضد اور عناد پر مبنی ہے بالفرض اگر ان کی یہ درخواست پوری کر دی جائے تو کل کو اور اسی قسم کی درخواست کریں گے اس لیے حق تعالیٰ شانہٗ فرماتے ہیں کہ اے ہمارے نبی پس آپ ان کے اس قسم کے معاندانہ اور متکبرانہ سوالات سے تعجب نہ کیجیے اس لیے کہ تحقیق ان کے اسلاف موسیٰ علیہ السّلام سے اس سے بڑھ کر درخواست کر چکے ہیں چنانچہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہا تھا کہ ہمیں اللہ کو کھلم کھلا دکھلا دو یعنی ضد اور عناد اور کٹ حجتی ان کی قدیمی اور موروثی عادت ہے ان کے آباء و اجداد موسیٰ علیہ السّلام سے اس سے بڑھ کر درخواست کر چکے ہیں کیونکہ کتاب الٰہی کا دنیا میں آسمان سے نازل ہونا فی حد ذاتہٖ ممکن ہے مگر دنیا میں بلا کسی حجاب اور پردہ کے علانیہ اور آشکارا طور پر دیدار خداوندی ناممکن اور محال ہے پس اس گستاخی کی وجہ سے بجلی نے ان کو آپکڑا اور آناً فاناً سب کو ہلاک کر ڈالا لیکن موسیٰ علیہ السّلام کی دعا سے خدا نے ان کو دوبارہ زندہ کیا مقصود اس آیت سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا ہے کہ آپ ان کے سوال کی پرواہ نہ کیجیے ضد اور عناد ان کی سرشت میں رکھا ہوا ہے کسی طور پر بھی حق کی طرف آنا نہیں چاہتے اگر ہم آج ان کی یہ درخواست پوری بھی کر دیں تو اور کوئی حیلہ نکال کھڑا کریں گے جیسا کہ موسیٰ علیہ السّلام کے معجزات میں ہمیشہ شبہے نکالتے رہے اور اس سے ان کے شبہٗ مذکورہ کا جواب اس طرح ہوا کہ یہ سب تمہارے حیلے بہانے ہیں اگر ایک مرتبہ کتاب کا مل جانا صحیح ہونے کی دلیل سمجھتے ہیں تو موسیٰ علیہ السّلام سے جن کو ایک ہی مرتبہ توریت مل گئی تھی یہ سوال کیوں کیا تھا کہ ہم کو اللہ پاک کا دیدار کرا دو تب یقین کریں گے ان کو تو کتاب ایک ہی دفعہ ملی تھی یقین کے واسطے کیوں کافی نہ ہوئی پھر اس گستاخانہ درخواست سے بڑھ کر ایک اور حرکت کر چکے ہیں وہ یہ کہ انہوں نے بچھڑے کو معبود بنا لیا بعد اس کے کہ ان کے پاس حق تعالیٰ کی توحید اور موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے واضح اور قطعی دلائل آچکے تھے پھر جب انہوں نے توبہ کی تو ہم نے ان کا قصور معاف کر دیا اور عبادت عجل یعنی گوسالہ پرستی کو دیدار خداوندی کی درخواست سے بڑھ کر اس لیے فرمایا کہ رؤیت خداوندی تو فقط دنیا ہی میں محال ہے اور آخرت میں ممکن ہے مگر غیر اللہ کا معبود ہونا تو ہر زمان اور ہر مکان میں قطعاً ناممکن اور محال ہے مطلب یہ ہے

کہ جن لوگوں نے معجزات اور دلائل واضحات کے دیکھنے کے بعد بھی ایک احمق حیوان یعنی بچھڑے کو اپنا معبود بنالیا ان سے ہدایت اور ایمان کی کیا توقع کی جاسکتی ہے جب کسی کو احمق اور کودن بتلانا ہوتا ہے تو یہ کہتے ہیں کہ یہ تو حیوان ہے اور یہ تو بیل ہے۔ بیل اور بچھڑا حماقت میں ضرب المثل ہے پس جس قوم نے ایک احمق حیوان کو اپنا معبود بنایا حماقت کا اندازہ لگالو کہ احمق معبود کے بندے کیسے ہونگے باقی مفصل قصہ سورۂ بقرہ میں گذر چکا ہے وہاں دیکھ لیا جائے اور فعفونا عن ذلک سے مقصود یہ ہے کہ اگر یہ لوگ اب بھی اپنے ناشائستہ سوال اور شرارتوں سے توبہ کرلیں تو ہم ان کا بھی قصور معاف کردینگے اور دیاہم نے موسٰی علیہ السلام کو کھلا غلبہ یعنی ہم نے موسٰی علیہ السلام کو ایسے معجزات قاہرہ عطا کیے جنکو دیکھکر فرعون جیسا متکبر بھی ڈر گیا گویا کہ یہ آیت بنی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کو بشارت ہے کہ آپ ان لوگوں کی سرکشی سے شکستہ دل نہ ہوں موسٰی علیہ السلام کی طرح آپ کو بھی اللہ تعالیٰ ان سرکشوں پر غلبہ عنایت کرے گا اور آپ کے دشمن ہلاک ہوں گے اور جب یہود نے احکام توراۃ کے قبول کرنے سے انکار کردیا تو ہم نے ان کے سروں پر کوہ طور کو اٹھا کر معلق کھڑا کردیا اُن سے پختہ عہد اور میثاق لینے کے لیے جب بنی اسرائیل نے توریت کے قبول کرنے سے انکار کردیا اور کہا کہ اس کے احکام سخت ہیں ہم سے ان تمام احکام پر عمل نہیں ہو سکے گا تو خدا تعالیٰ نے کوہ طور کو اکھاڑ کر ان کے سروں پر معلق کھڑا کر دیا اور فرمایا کہ قبول کرتے ہو تو کرو ورنہ ابھی تم پر پہاڑ گرادیا جائے گا اور سب کچلے جاؤ گے تب مجبور ہو کر اس کو قبول کیا اور کہا کہ بہت اچھا آپ کا حکم ہم کو منظور ہے ہماری توبہ ہم کبھی خدا کے حکم کے خلاف نہیں کریں گے کما قال تعالیٰ وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ الآیۃ مفصل قصہ سورۂ اعراف میں مذکور ہے اور ہم نے ان کے غرور اور سرکشی کو توڑنے کیلئے یہ حکم دیا کہ شہر ایلیاء کے دروازہ میں خشوع اور خضوع اور نیازمندی کے ساتھ سر جھکائے ہوئے داخل ہونا مگر ان سرکشوں نے اس حکم کو بھی نہ مانا اور بجائے سر جھکانے کے سرین کے بل گھسٹتے ہوئے شہر میں داخل ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان پر طاعون مسلّط کیا جس میں قریب ستر ہزار کے مرگئے اور ہم نے ان کو یہ حکم بھی دیا کہ ہفتہ کے دن میں تعدی اور زیادتی نہ کرنا یعنی ہفتہ کے دن مچھلیوں کا شکار نہ کرنا کہ وہ تم پر حرام ہے اور خدا کے اس حکم سے تجاوز نہ کرنا اور ہم نے ان سے پختہ عہد لیا مگر ان بدعہدوں نے حیلہ اور بہانہ سے اللہ کے صریح حکم اور پختہ عہد کو توڑا جس کا مفصل قصہ سورۂ اعراف میں مذکور ہے وَاسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ یہاں تک قدرے یہود کی شرارتوں اور سرکشیوں کو بیان کیا اب آگے[علہ] یہود کا مورد غضب اور محل لعنت اور مستحق ذلت و مسکنت ہونا بیان کرتے ہیں پس ہم نے ان باتوں کی وجہ سے جن کو ہم ذکر کرتے ہیں یہود پر لعنت کی اور ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا ان کے اپنے پختہ عہد و پیمان کے توڑنے کی وجہ سے ان پر لعنت کی اور اللہ کی آیتوں کے نہ ماننے کی وجہ سے بھی اور

علہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

خدا کے پیغمبروں کو دیدہ و دانستہ ناحق اور بے وجہ محض عناد اور سرکشی کی بناء پر قتل کرنے کی وجہ سے اور اس قسم کے متکبرانہ اور مغرورانہ کلمات کی وجہ سے مثلاً اس کہنے کی وجہ سے کہ ہمارے دل غلاف اور پردوں میں ہیں یعنی جس طرح باہر کی چیز کا اثر پردہ کے اندر نہیں پہونچتا اسی طرح (اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم) آپ کی باتوں کا اثر ہمارے دلوں تک نہیں پہونچتا ان کا مقصود یہ ہوتا تھا کہ آپ جو بات کہتے ہیں وہ ہمارے دل کو نہیں لگتی جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِیْٓ اَکِنَّۃٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَیْہِ یا (یہ مطلب ہے کہ ہمارے دل علم و حکمت کے غلاف و مخزن) ہیں یعنی ان میں شریعت موسویہ کا علم بھرا ہوا ہے ہمیں کسی دوسری شریعت کے علم کی ضرورت نہیں

حق تعالیٰ فرماتے ہیں یہ سب غلط ہے کوئی بات نہیں نہ دل ان کے پردہ میں ہیں اور نہ ان کے دل علم کا مخزن ہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر کردی ہے کہ باہر سے کوئی ہدایت اور نصیحت اندر نہیں پہنچتی اور دلوں کے اندر جو کفر اور گمراہی سربمہر ہو چکی ہے وہ اندر سے باہر نہیں نکلتی ان کے دل علم کا مخزن نہیں بلکہ کفر اور گمراہی کا مخزن ہیں سو وہ ایمان نہیں لاتے مگر بہت تھوڑا یعنی صرف موسیٰ علیہ السلام اور ان کی توریت پر ایمان رکھتے ہیں جو کفر کے مساوی ہے اس لیے کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ ماننا تمام انبیاء کی تکذیب کے مرادف ہے اور نیز ان کے کفر پر [۲] کفر کرنے کی وجہ سے اور نیز حضرت مریم پر ایک ایسا عظیم بہتان لگانے کی وجہ سے جس کو آدمی سن کر مبہوت ہو جائے اور تعجب اور حیرت میں پڑ جائے ان پر لعنت کی یعنی لوگوں نے حضرت مریمؑ پر زنا کی تہمت لگائی جو حضرت عیسیٰؑ کی اہانت اور تکذیب کو متلزم ہے اہانت کو تو اس لیے کہ کسی کی ماں کو زانیہ اور بدکار کہنے کے یہ معنی ہیں کہ معاذ اللہ یہ شخص ولد الزنا ہے جو صریح اس کی توہین ہے اور العیاذ باللہ نبی کے حق میں ایسا تصور بھی بدترین کفر

---

[۱] اشارہ اس طرف ہے کہ فَبِمَا نَقْضِہِمْ کی باء جارّہ لَعَنَّا فعل محذوف کے متعلق ہے کما قال القرطبی والباء متعلقۃ بمحذوف والتقدیر بِنَقْضِہِمْ مِّیْثَاقَہُمْ لَعَنَّاھُمْ وحذف ھذا لعلم السامع (تفسیر قرطبی ص ج ۶) [۲] اشارہ اس طرف ہے کہ وَبِکُفْرِھِمْ کا عطف فَبِمَا نَقْضِہِمْ مِّیْثَاقَہُمْ پر ہے اور بِکُفْرِھِمْ میں کفر کا تکرار تاکید کے لیے ہے اس لیے کہ وَکُفْرِھِمْ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ میں ایک مرتبہ ان کے کفر کا ذکر ہو چکا ہے اب دوبارہ وَبِکُفْرِھِمْ فرمانا تاکید کے لیے جیسا کہ امام قرطبیؒ فرماتے ہیں ثم کرّر وبکفرھم لیخبر انھم کفروا کفرا بعد کفر۔ وقیل المعنی وبکفرھم بالمسیح فحذف لدلالۃ ما بعدہ علیہ (تفسیر قرطبی ص ج ۶)